اکتوبر 2021
ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل
ماہنامہ
حجاب
کراچی
www.pklibrary.com
www.pklibrary.com
aanchalpk.com aanchalnovel.com
www.pklibrary.com
www.pklibrary.com
پی - کے لائبریری
ڈاٹ کام

ابتدائیہ

سیمینار

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

افسانے

ایک مکالمہ، ایک زندگی

پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی
دفتر کا پتا: کمرہ نمبر 15، دوسری منزل فرید چیمبر، عبداللہ ہارون روڈ، صدر کراچی 74400

ماڈل......فوزیہ خادم　عکاسی......موسیٰ رضا

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2
03008264242 یکے از مطبوعات نئے اُفق پبلی کیشنز۔ ای میل Info@naeyufaq.com

editorhijab@naeyufaq.com
www.facebook.com/EDITORAANCHAL

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اکتوبر 2021ء کا شمارہ آپ کے ذوق مطالعہ کی نذر ہے۔

قارئین اللہ سبحان وتعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ خیروعافیت سے گزرے آمین۔

عورت معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ کائنات کی رنگارنگی اور تنوع میں عورت کا مرکزی کردار ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن نے جابجا عورت کی عظمت اور اہمیت کو اجاگر کیا ہے اور عورت کے وجود کو معاشرے کی تشکیل، تعمیر اور بقا کا ضامن قرار دیا ہے۔ عورت کی تعلیم کے اثرات گھر اور گھرانے سے بڑھ کر شہر اور معاشرے تک پھیل جاتے ہیں۔ ایک بہترین عورت ہی انسانی تہذیب وتمدن کی بنیاد رکھ سکتی ہے۔

قارئین عورت اگر اچھی قلم کار ہوتو وہ اپنے علم، ذہانت اور اپنی تخلیقی توانائی کے ذریعے معاشرے کی اصلاح میں بھرپور کردار ادا کرتی ہے اور ادب کے چراغ روشن کرتی ہے کیونکہ ادب برائے زندگی کا مقصد، زندگی کے مسائل، مشکلات اور دکھ سکھ کے تمام پہلوؤں کی ترجمانی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر گیارہ اکتوبر کو (گرل چائلڈ) کم عمر بچیوں کا دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کو منانے کا مقصد ان میں تعلیم کی اہمیت، غذائی ضروریات، عدم تشدد، قانونی تحفظ اور لڑکیوں کی کم عمری میں شادی کی حوصلہ شکنی کرنا ہے۔

ملکی سطح پر بھی سیمینار اور ورکشاپ کے ذریعے گرل چائلڈ کے حقوق کو تسلیم کرنا ہے اور یہ پیغام قریہ قریہ بستی بستی تک پہنچایا جارہا ہے، الحمدللہ وہ گھرانے خوش نصیب ہیں جہاں بیٹی کو رحمت سمجھا جاتا ہے اور اس کی بہترین پرورش کی جاتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ سب کا شمار بھی ان ہی اچھے لوگوں میں ہوگا۔

ماہ نومبر ''حجاب سالگرہ نمبر'' ہوگا۔ آپ کے پیغامات اور نگارشات کا انتظار ہے جلد سے جلد روانہ کریں۔ آپ کی دلچسپ تحریریں، اس خاص نمبر کی زینت ہوں گی۔

اللہ پاک ہماری رہنمائی فرمائے بہتر اور صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کی دعائیں قبول ہوں آمین۔ دعاؤں کی طالب۔

اس ماہ کے ستارے:۔

نزہت جبین ضیاء، سیمابنت عاصم، حنا بشریٰ، صباحت رفیق چیمہ، شازیہ الطاف ہاشمی۔

دعاگو

مدیرہ

سعیدہ نثار

آفت میں مصیبت میں خدا ہی یاد آتا ہے
حسرت میں ضرورت میں خدا ہی یاد آتا ہے

ہر حادثہ نشانی ہے یہاں ہر ذات فانی ہے
دنیا کے سامانِ عبرت میں خدا ہی یاد آتا ہے

کبھی تو مجسمِ نوری تو کبھی مجسمِ خاکی ہے
ہر بندے کو ہر صورت میں خدا ہی یاد آتا ہے

اسی کے آسرے پہ سب کارواں رواں ہیں
بحر و دشت کی وسعت میں خدا ہی یاد آتا ہے

بہک جانا تو بشر کی پرانی کمزوری ہے مگر
اسے گناہ کی ندامت میں خدا ہی یاد آتا ہے

اس درجہ میں ہی نام آنا بڑی بات ہے عمیسؔ
جن لوگوں کو فرصت میں خدا ہی یاد آتا ہے

عمیس احمد...... جھنگ صدر

سکونِ قلب پانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں
غموں کو بھول جانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

نبی کے عشق کی مشعل لحد میں کام آئے گی
یہی مشعل جلانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

نہیں اعمال دامن میں اگر کچھ ہے ندامت ہے
ندامت کو مٹانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

عقیدت سے محبت سے چراغاں کرتا رہتا ہوں
بزمِ آقا علیہ سجانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

حسینؓ ابنِ علیؓ کا واسطہ مجھ کو بلا لینا
ترے قدموں میں آنے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

ٹلی مشکل پڑھا جب بھی وظیفہ نعت کا میں نے
مصائب کو مٹانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

ثنا خوانوں میں آجائے میرا بھی نام محشر میں
یہی اعزاز پانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

ہمیشہ نعت ہو لب پر یہی ہے آرزو ساجدؔ
مقدر کو جگانے کے لیے میں نعت کہتا ہوں

محمد امین ساجدؔ سعیدی

حجاب کانفرنس

عالیہ منصور

ایک مہذب اور حیادار معاشرہ کو آج جتنی ضرورت پاکیزگی اور حجاب کی ہے، شاید اس سے قبل نہ تھی۔ جماعت اسلامی حلقہ خواتین کی جانب سے اس کی ضرورت واہمیت کے پیشِ نظر ہر سال یوم حجاب کے حوالے سے ماہ ستمبر میں ملک کے طول وعرض میں حجاب کی ترویج اور آگہی کے لیے پروگرام کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ 18 ستمبر کو بھی شہر

نائب مدیرہ آنچل سیمارضا ”ماہنامہ آنچل“ کو ملنے والا ایوارڈ وصول کررہی ہیں

کے معروف مقامی ہوٹل میں اس سلسلے کی ایک باوقار حجاب کانفرنس کا انعقاد ”تہذیب ہے حجاب“ کے عنوان سے ہوا۔

کانفرنس میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے معتبر ناموں نے شرکت کی۔ جن میں پروفیسرز، ڈاکٹرز، وکلاء، مدیرات، ادیبات، شاعرات، میڈیا، سیاسی وسماجی شخصیات شامل تھیں۔

ابتدا تلاوت کلام پاک اور مدحت رسول سے ہوئی۔ جس کے بعد ترانہ پیش کیا گیا۔ ہال کا جھلملاتا پرسکون ماحول حاضرین پر ایک خوشگوار تاثر ڈال رہا تھا۔ ریسپشن پر بیٹھی باحجاب لڑکیاں ہوں یا سوشل میڈیا کارنر پر مستعد، امور انجام دیتی یا منتظم خواتین جو ہال کے اطراف میں اپنی اپنی ذمہ داریاں بہ حسن وخوبی نبھا رہی تھیں۔ گلابی اسکارف سے مزین، ہنستے مسکراتے، مہمانوں کا خوشدلی سے استقبال کرتی یہ خواتین اپنے رنگ ہر سو بکھیر رہی تھیں۔

سیکرٹری جنرل محترمہ دردانہ صدیقی، ناظمہ صوبہ سندھ محترمہ رخشندہ منیب، ناظمہ کراچی محترمہ اسماء سفیر، اور دوسری اعلیٰ سطح کی خواتین پابندی وقت کے ساتھ اپنی نشست پر تشریف فرما تھیں۔

کراچی نظم سے ثنا علیم اور جے آئی یوتھ کی نگراں اور سابق لیکچرار جامعہ کراچی ثریا ملک نے میزبانی کے فرائض انجام دیے تھے۔ ناظمہ کراچی کے استقبالی خطاب کے بعد، سابق ممبر قومی اسمبلی محترمہ سمیحہ راحیل قاضی، جو کسی تعارف کی محتاج

نہیں، شرکاء سے آن لائن خطاب کیا گیا۔ جس میں انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ خواتین، حجاب کے اس سفر میں قدم بقدم آگے بڑھ رہی ہیں۔ اسٹیج کے دونوں اطراف قد آور اسکرین مہمانوں کی سہولت کے لیے آویزاں تھیں۔ اب وقت تھا، نائب سیکرٹری جنرل محترمہ آمنہ عثمان کے ٹاک شو "بات یہ ہے" کا جس میں انہوں نے جماعت کی سرگرم خواتین شرکاء سے حجاب کے حوالے سے عام لوگوں کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات وخدشات کے فکر انگیز سوال اٹھائے۔ جن کا شرکاء نے تشفی بخش جوابات

خواہش پردلی رضامندی سے حکم ربی کو اپنایا اور یہ پردہ ان کے سرکاری امور کی انجام دہی میں قطعی کوئی رکاوٹ نہیں بن رہا۔ (اللہ پاک استقامت عطا فرمائے)۔

ابھی ہم نصرت صاحبہ کی گفتگو کے سحر میں مبتلا تھے۔ کہ زاویہ کے عنوان سے ایک اوپن فورم کا بھی اہتمام تھا، جس کو ڈائریکٹر میڈیا سیل عالیہ منصور صاحبہ نے کینڈکٹ کروایا اور جن کی معاونت ڈپٹی سیکرٹری جے آئی یوتھ عائشہ فہیم کر رہی تھیں۔ شرکاء سے "حیا اور پردے کے حوالے سے معاشرے پر اس کے اثرات، اور کیا پردہ ترقی کی

دیئے۔

ٹاک شو کے بعد ممبر صوبائی اسمبلی محترمہ نصرت سحر عباسی، جن کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ محترمہ نے حال ہی میں شرعی پردہ اختیار کیا ہے۔ جس کا احوال انہوں نے بڑے موثر اور دلچسپ طریقے سے سنایا۔ دوران گفتگو ہال میں سکوت طاری تھا۔ اور شرکاء پوری توجہ سے انہیں سن رہے تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے اور شوہر کی

راہ میں رکاوٹ ہے؟" پر ان کو اپنا موقف پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔ محترمہ سیما رضا نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ آج میڈیا پر کنٹرول ختم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں کنٹرول کرنے کی پالیسی اختیار کرنی چاہیے، کیونکہ، احتیاط علاج سے بہتر ہے، آپ کو اپنے بچوں کو بچانا ہے، سوال یہ ہے کہ میں نے کیا کیا؟ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کو دیانت سے پورا کرنا ہے۔ ہمیں خیر کے پیغام کو

عام کرنا ہے۔ زندگی آپ کے لیے آسان ہو جائے گی۔ اور یہی حجاب کا پیغام ہے۔ سیما صاحبہ نے بڑی خوب صورتی سے اپنا موقف موثر طریقے سے پیش کیا۔ چند دوسری خواتین نے بھی اظہار خیال کرتے ہوئے پردے کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ کو بالکل غلط قرار دیا۔ تقریب اپنے اختتام کی طرف گامزن تھی۔ اب وقت تھا ان خاص الخاص خواتین کو یادگاری اعزازی شیلڈ پیش کرنے کا جنھوں نے اپنے شعبہ میں بہترین خدمات انجام دیں، اور دے رہی ہیں۔ سیکٹری جنرل محترمہ دردانہ صدیقی نے جن خواتین کو شیلڈ دی ان میں

نرجس ملک، مدیرہ اوصاف یاسمین طہٰ، پروفیسر جہاں آرا، ممبر صوبائی اسمبلی ادیبہ حسن، سماء چینل کی کرن ناز، جرنلسٹ نگہت فاطمہ، ایس ایس پی کراچی شہلا قریشی، ارم بٹ، میڈیا پرسن فرحانہ اویس اور دیگر خواتین کو بھی اعزازی شیلڈ پیش کی گئی۔

محترمہ دردانہ صدیقی نے اپنے اختتامی خطاب میں حیا و حجاب کو اس احساس کا نام دیا جو معاشرے اور خاندان کو پاکیزگی دیتا ہے اور مستحکم کرتا ہے۔ جو اسلامی تہذیب کا بنیادی جوہر ہے۔ آخر میں امیر جماعت اسلامی حافظ نعیم الرحمٰن صاحب نے

مشہور براڈ کاسٹر، مصنفہ اور بے شمار فیلڈز میں اپنی قابلیت و صلاحیت کا سکہ جمایا، مشہور ماہ نامہ آنچل کی مدیرہ سیما رضا صاحبہ کا نام بھی شامل تھا، جن کی طویل خدمات کے ہم سب شاہد ہیں۔ اور جن کا نام کامیابی کی ضمانت ہے۔ سیما رضا صاحبہ نے حال ہی میں مدیرہ کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور وہ اس کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے رہی ہیں۔ ان کے علاوہ بانی حریم ادب عقیلہ اظہر، رکن اسمبلی نصرت سحر عباسی، مصنفہ اور بلاگر افشاں نوید صاحبہ، مدیرہ خواتین و شعاع ڈائجسٹ امت الصبور صاحبہ، مدیرہ پاکیزہ عذرا رسول، مدیرہ جنگ

مہمانانِ گرامی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پروگرام کو دنیا بھر کی ان تمام خواتین کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے نام کیا جو اسلام اور اسلامی تہذیب کے تحفظ کے لیے کسی نہ کسی طور مزاحمت کر رہی ہیں۔ دعا کے ساتھ ایک باوقار تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

سقوطِ ڈھاکہ

رفاقت جاوید

"اب سکون کی نیند سو جاؤ، خوامخواہ اتنے سال ایک سراب کی خاطر انتظار کی جان لیوا صعوبتوں کو سہتی رہیں۔ تم مجھے پہلے اس احمقانہ محبت کا انکشاف کر دیتی تو تمہاری کب کی شادی ہو چکی ہوتی۔" ماں نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا تو وہ رضائی میں منہ چھپا کر آنسو پینے لگی۔ امی افسردگی سے وہاں سے اٹھیں اور ٹی وی روم میں بیٹھ گئیں جبکہ ٹی وی تو کئی گھنٹوں سے خبرنامے کے بعد بند ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد نادرہ نے ٹی وی روم میں لائیٹ کھلی دیکھ کر اندر جھانکا تو ماں کو پریشان دیکھ کر اس کے قریب آئی۔

"امی اگر آپ نے میری محبت کی ناکامی کا سوگ منانا ہے ناں تو ہزار بار منائیں لیکن میں نے اپنی اس بقول آپ کے احمقانہ محبت کی فاتحہ خوانی کے بعد بخشش کی دعا بھی مانگ لی ہے۔ کل غریبوں کو کھانا بھی کھلا دوں گی اور محبت کی قبر پر پھولوں کی چادر بھی چڑھا دوں گی، خوش ہو جائیے۔" وہ شوخ لہجے میں بولی۔ حالانکہ اس کا دل تو بجھ گیا تھا کہ زندگی میں ایسے مقام بھی آتے ہیں کہ بے بسی کے سوا کچھ اور نظر ہی نہیں آتا تو فیصلے کرنا آسان ہو جاتا تھا۔ سوچتے ہوئے وہ پھر ماضی میں کھو گئی کہ کیا دن تھے کہ کوکو دماغ پر سوار رہتا تھا۔ وہ اسے بھولنے میں ناکام اور امی کامیاب ہونے پر نہال تھیں۔

آج ایم فل کا آخر پیپر تھا، جب وہ گھر واپس آئی تو اسے کچھ گہما گہمی اور رونق کا احساس ہوا۔ کچن میں چائے کے لوازمات تیار ہو رہے تھے۔ امی ڈائننگ ٹیبل کو اپنے جہیز کے قیمتی برتنوں سے آراستہ کر رہی تھیں۔ نادرہ کا ماتھا ٹھنکا، ہو نہ ہو امی مجھے دیس نکالا کے انتظامات کر رہی ہیں۔ آخر ایسا

تو ایک دن ہونا ہی تھا لیکن ہوا بہت جلد پرسوں رات ہی تو فاتحہ پڑھی تھی۔ ابھی تو میری احمقانہ محبت کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ رشتہ آ گیا۔ لگتا ہے امی ہاتھ کر گئیں۔ وہ خود کلامی کررہی تھی۔ خود سے ہی سوال کرنے لگی۔

"نادو وہ کیسے؟ جواب ہے کہ وہ ایسے کہ میری امی دوست نے اس رشتے کو کسی ٹھوس بہانے سے روک لیا ہوگا۔ امی میں آپ کو جانتی ہوں۔ دوست جو ہوئی آپ کی۔"

وہ دل ہی دل میں مسکرائی اور اسے اپنی ماں پر بے حد پیار آیا۔ تینوں بھائیوں حتیٰ کہ خالاؤں اور پھوپیوں کو ہماری دوستی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی لیکن میری پیاری امی کسی کے اعتراضات اور گلے شکوؤں کی پروا نہ کرتی تھیں۔ وہی کرتیں جس میں میری خوشی ہوتی تھی۔ وہ عموماً کہا کرتی تھیں مسکرانے سے مسکراہٹ ختم نہیں ہوتی بلکہ وہ قہقہوں میں بدل جاتی ہے۔ اپنی خوشی میں جب دوسروں کو شامل کرلیا جائے تو خوشیاں کم نہیں ہوتیں۔ بتدریج بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اور ایک دن قارون کا خزانہ اپنی خوشیوں سے بھر جاتا ہے اگر بانٹنے میں کوتاہی برتی تو وہ خالی ہوجائے گا۔ ہمیشہ مجھے خوش خلقی کا درس دیا کرتی تھیں۔

ایسی دوست پھر نہ ملی۔ نہ اسکول کالج میں اور نہ ہی ایئر فورس میں اور امی آپ کو تو میری جگہ تین عدد بہوئیں مل گئیں اور مجھے بھول گئیں۔ ورنہ ایک بار تو میرا حال دیکھنے آ سکتی تھیں۔ ہر ماں کی دلی خواہش ہوتی ہے بیٹی کو اپنے شوہر کے ساتھ خوش وخرم بستے ہوئے دیکھنے کی ایسی ہی حسین اور اطمینان بخش سوچیں جو احساس تنہائی میں اس کی ساتھ چلنے لگتی تھیں۔ آج بیٹی کو دیکھتے ہوئے اسے جانے کیا کیا یاد آنے لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے دامن بھر دیا تھا۔

اسے وہ وقت یاد آیا جب اس نے ماں کے سامنے وعدہ کیا تھا اور پھر نبھانے سے پہلے وہ خود کو تسلی و تشفی دینے لگی تھی کہ اب میں کیا کروں؟ وعدے سے مکر کر سپنوں کے شہزادے کا انتظار کروں اور اپنا مقابلہ امی دوست سے جاری وساری رکھوں۔ نہیں نادو، ایسا ستم اپنی امی پر مت ڈھانا، ویسے اگر عقل وشعور کی آنکھ سے دیکھوں اور پریکٹیکل سوچ کو اولیت دوں تو مجھے ایسے محسوس ہورہا ہے کہ میں نے فیصلہ غلط ہرگز نہیں کیا تھا۔ امی درست ہی تو فرما رہی ہیں، ان کی ناراضگی درست اور ان کی برہمی اور پریشانی جائز ہے۔ جس محبت کا وجود ہے نہ کوئی سرا تو اس کے حصول کی تمنا میں حقیقت کو مکمل طور پر فراموش کرنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ انتظار کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ کوکو کی طرف سے جدائی کے پہلے دن سے لے کر آج تک بے نیازی، لاپروائی اور طویل خاموشی ہے اور میں ہوں کہ اس کی اماں کی انگوٹھی سنبھالے بیٹھی ہوں۔ امی کی بے چینی اور ابو کی فکر مندی راتوں کی نیندیں اڑانے کے لیے کافی ہیں۔ اس کے باوجود وہ مجھ سے پانچ منٹ سے زیادہ خفا رہنے کا تصور بھی نہیں کرسکتیں۔ اس نے اسی لمحے تہیہ کرلیا تھا کہ ایک سال بعد جو بھی رشتہ آئے گا وہ ہاں کردے گی۔ اس دوران میں میرا ایم فل بھی کمپلیٹ ہوجائے گا۔ کالج میں لیکچرر شپ مل جائے گی اور اسی پرموشن کے ساتھ اپنا گھر بھی بسانے کا فیصلہ کرنا آسان ہوجائے گا، یہ سوچتے ہوئے وہ اپنے اندر کی بے چینی اور بے تابی سے باہر نکل آئی اور خوب صورت ماضی میں ہلکورے لیتی رہی۔ آج امی کی چھوٹی بڑی تمام باتیں دل بہلارہی تھیں۔

❁......❁......❁

اتوار کی صبح یعنی چھٹی کا دن نادرہ، ہسپتال میں رمیز، ریشم اور شہزادی کا بے چینی سے انتظار کررہی تھی۔ ہسپتال میں چھٹی کی وجہ سے خاموشی تھی۔ نہ شور شرابہ نہ ہی مریضوں کی آمد ورفت تھی جبکہ ملاقاتی اکا دکا بمعہ ناشتے کے آجارہے تھے۔

عبدالرحمٰن نے ناشتہ میز پر قرینے سے لگایا اور رمیز کو بلانے کے لیے کوریڈور سے گزر رہا تھا کہ خالہ سے ٹکراؤ ہوگیا۔

"خالہ بڑی اترائی ہوئی پھر رہی ہو، جیسے اس گھر کی مالکن تو تم ہی ہو۔" وہ طنز کے تیر چلاتے ہوئے بولا۔

"جا رے غدار، میرے منہ نہ لگ، میں بہت جلدی میں ہوں، ریشم اور شہزادی کے لیے دودھ لینے جا رہی ہوں۔ ہٹو آگے سے اور ہاں صاحب جی کا ناشتہ پیک کردو وہ ہسپتال اپنی بیگم کے ساتھ ناشتہ کرنا چاہتے ہیں۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"تم نے پہلے بتادیا ہوتا میں نے خوامخواہ میز پہ لگادیا۔ خالہ تمہاری نالائقی کی وجہ سے میرا ہر کام طول پکڑ لیتا ہے۔ صاحب ہے کہاں؟ آج تمہاری درگت نہ بنوائی تو نام عبدالرحمن نہیں۔" وہ بھی تنک کر بولا۔

"ٹھیک ہے تو ابھی سے سن لو اپنا نام۔" وہ بوتل کا ڈھکنا کھولتے ہوئے بولی۔

"نامراد رکھ دوں گی تمہارا نام، جاؤ صاحب سے شکایتیں لگاؤ میری وہ برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں۔" وہ بھنوئیں چڑھا کر بولی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"نامراد، بے اولاد ہوگی تو، جی تو چاہتا ہے اس کی چٹی مروڑ دوں، اس گھر میں اس کی گڈی چڑھی ہوئی ہے اور اس نامراد کی کٹی ہوئی پتنگ کبھی ادھر تو کبھی ادھر الجھ کر رہ گئی ہے۔ میرے جیسے غریب کی ہر بات الٹی اور غلط سمجھی جاتی ہے۔ جب بھی مشورہ دیتا ہوں اس نگوڑی کو تو کتنا مذاق اڑاتی ہے جیسے میں پاگل ہوں، دیوانہ ہوں، ویسے میں فلموں میں پاگل کا کردار ادا کرسکتا ہوں۔" وہ بیٹھے بیٹھے سر کو ہلانے لگا۔

ہائے یہ غربت بھی ایسی لعنت ہے کہ نیکیاں گناہوں میں بدل جاتی ہیں اور معصومیت اور شرافت تار تار ہونے لگتی ہے، سرسبز پھولوں سے لدی راہیں خاردار ہوجاتی ہیں اور جسم کا پور پور کانٹوں سے لہولہان ہونے لگتا ہے، یہ جو اس نامراد عبدالرحمن کا دماغ ہے ناں جو علامہ اقبال اور قائد اعظم سے بھی تیز اور بڑا ہے۔ اس غربت کی وجہ سے چیونٹی کے دماغ کی مانند سمجھا جاتا ہے اور پھر میری کسی بات کی وقعت رہتی ہے نہ ہی قدردانی کی جاتی ہے۔ ویسے خالہ نے نام خوب چن کر بولا ہے۔ نامراد...... نامراد، ہوں ناں نامراد، میں مالک سے ملازم اور یہ کلموہی ننھی سے نانی......

واہ جی۔" وہ خود کلامی کرتا ہوا کچن کی طرف بڑھ گیا۔ خالہ دودھ بوتلوں میں ڈال کر مڑی ہی تھی کہ پھر سے عبدالرحمن سے ٹکرا گئی۔ وہ منہ بسورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"نامراد چل اس دیس چلیں، جہاں تیری پہچان ہو، یہاں کیا رکھا ہے تیرے لیے۔" وہ سسکیاں بھرنے لگا۔

"عبدالرحمن تو رو رہا ہے، کیا ہوا؟" خالہ نے مڑ کر حیرت کے ساتھ ہمدردی سے پوچھا۔

"کیا صاحب نے درگت بنا ڈالی، میرے کہنے سے پہلے۔"

"ہاں خالہ تم نے میرا نام بہت خوب چنا نامراد۔" وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولا۔ "میں ہوں نامراد...... مگر کیوں نہیں جاتا کارخانے کا مالک، کوٹھی کار ہاکشی نامراد ہی رہا۔"

"پگلے...... وہ تو مذاق تھا تو کب سے ہوگیا نامراد، مجھے دیکھ نہ اولاد نہ سر سائیں، نامراد تو میں ہوں عبدالرحمن۔ غیر کی اولاد سے دل لگائے بیٹھی ہوں، کل یہ انہیں مجھ سے چھین کر چلتے بنیں گے، میرے دل کی انہیں کیا خبر؟ یہ کیا جانیں کہ پالنے والی آیا بھی ماں کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ اس کے دل میں یہ بچہ ممتا کی مشعل روشن کردیتا ہے لیکن یہ ظالم سماج اس بات پہ یقین نہیں رکھتا۔" وہ بھی آنسو گرانے لگی تھیں۔

"ہم دونوں ہی بدقسمت ہیں لیکن تو مراد ضرور پائے گا۔"

"مت رو تم ٹھیک کہتی ہو خالہ، ان بڑے لوگوں کے دل بہت سخت ہوتے ہیں، پتھر فٹ ہیں ان کے سینوں میں، انہوں نے تو یہاں سے آج نہیں تو کل چلے جانا ہے۔ تم اور میں ہی ایک دوسرے کے ساتھی بھی ہیں اور ہمدرد بھی۔" وہ ٹسوئے بہاتے ہوئے المناک لہجے میں بولا۔

"عبدالرحمن اگر میرا بیٹا ہوتا تو وہ تمہارے برابر کا ہی ہوتا، تم میرے بیٹے بن جاؤ، تمہیں پیار کرنے والی ماں مل جائے گی اور مجھے بڑھاپے کا سہارا۔" وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہمدردانہ لہجے میں بولی تو وہ آنسو صاف

کرتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔
"کیوں خالہ؟ اس نامراد کے مقدر میں یہ غریب دو ٹکے کی آیا ہی لکھی ہے، ارے میں امیر ماں کا بیٹا ہوں، تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟ کارخانوں اور فیکٹریوں کا مالک تھا میرا باپ، جاؤ اپنا رستہ ناپو، خبردار جو آئندہ ایسی گھٹیا بات کرنے کی تم نے جرأت بھی کی۔ تیری ناک کی ہڈی بٹھا دوں گا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔"
"او پاگل کی اولاد تم پر تو ترس ورحم کرنا بھی گناہ اور جرم ہے۔ دشمنی تو ہے کڑی سزا۔ اوہو میں اس جلیبی کو سلجھا نہ سکی آج تک۔ دفع ہو جا یہاں سے۔ پیتا ہے دودھ اور اگلتا ہے زہر۔ جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا۔ یہ ہے تمہاری اصلیت۔" وہ چیخ کر بولی اور بوتلوں کو ہلاتی ہوئی برآمدے میں آ گئی۔ جہاں شہزادی اور ریشم پش چیئرز میں بیٹھی زور و شور سے چوسنی چوس رہی تھیں۔ رمیز نے خالہ کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔
"دومنٹ کا کام اتنا لمبا کیسے ہو گیا؟ میری شہزادی اور ریشم بھوک سے نڈھال ہو رہی ہیں لیکن صبر دیکھو کیا مجال ہے کہ چوں بھی کی ہو۔ اپنی ماں پر گئی ہیں دونوں۔"
"صاحب جی یہ جو ہم نے گھر میں پاگل پال رکھا ہے ناں جھٹ میں تولہ جھٹ میں ماشہ والا مزاج والا رویہ ہے اس کا۔ ایسے لوگ بہت بے اعتبارے ہوتے ہیں۔ مجھے اس پر رتی بھر بھروسا نہیں۔ گستاخی معاف۔ نہ جانے آپ کو اس پر اتنا اعتماد کیوں ہے؟" وہ نظریں جھکا کر بولی۔
"خالہ...... ایسے کھرے، سچے اور بے باک لوگ کھلی کتاب کی طرح ہوتے ہیں۔ جس کے ہر ورق پر صاف و شفاف کندہ تحریر با آسانی پڑھی جا سکتی ہے۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔
"ٹھیک ہے صاحب۔" وہ منمنائی اور دونوں کو دودھ پلانے لگی۔
نادرہ ہاسپٹل میں تنہا اداس سی ہو کر اپنی امی دوست کو یاد کرنے لگی۔
"مجھے یاد ہے وہ دن...... کس قدر حسین تھے جو امی دوست کے ساتھ گزرے لیکن امی ان دنوں کو فراموش کیے بہوئیں لانے میں مصروف ہیں۔ اس کے بعد پوتے اور پوتیاں اور میں تو ان کی نظروں سے مکمل طور پر اوجھل ہو چکی ہوں گی۔ یہ سانحہ بھی مجھے دیکھنا پڑے گا، برداشت کرنا کتنا محال ہوگا۔ اس کے دل میں تاسف و حسد کی ہلکی سی رمق ابھری ہی تھی کہ وہ فوراً اپنی اصلاح کرنے لگی۔ اللہ تعالیٰ میری امی دوست کو دو جہاں کی خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔ ان کی بہوئیں میری بہنیں ہی تو ہیں پھر حسد و عناد کیسا؟" اسی لمحے اس نے پیڈ کھولا اور امی کو خط لکھنے لگی۔ زور اس پر ہی تھا۔
"میرے آنے کے بعد شادی کی تاریخیں مقرر کریں ورنہ ناراض ہو جاؤں گی اور پھر کبھی شکل نہیں دکھاؤں گی۔ ابھی بہوئیں اپنے میکے بیٹھی ہیں اور آپ کی اڑان اونچی ہے کل کیا ہوگا۔" وہ ان ہی خیالات میں غلطاں تھی کہ رمیز کے قدموں کی آواز سے سلسلہ ٹوٹ گیا۔
"رمیز آپ ہمیشہ آنے میں دیر کر دیتے ہیں۔" نادرہ نے انہیں دیکھتے ہی خفگی سے کہا۔
"ہاں نادو زندگی کے ہر موڑ پر ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ اتفاق ہی سمجھو نادرہ۔ آئی ایم سوری۔ خالہ اور عبدالرحمن کی بحث نے دیر کرا دی۔" وہ معمولی سا نادم ہو کر بولا۔
"چلیں ہمیشہ کی طرح آج بھی معاف کیا۔" وہ ہلکا سا مسکرائی اور پیٹ میں اٹھنے والے درد کے مرغولے نے اسے تڑپا دیا۔
"رمیز میں ٹھیک نہیں ہوں، رات بھر اسی درد میں گزار دی۔" وہ آہستہ سے بیٹھتے ہوئے بولی۔
"صبح ڈاکٹر نے بھی معمولی سی تشویش کا اظہار کیا تھا۔ آپ ہی تفصیل معلوم کریں۔" یہ سنتے ہی رمیز بوکھلا سا گیا۔ کچھ بولے بغیر باہر نکلا اور اگلے آدھے گھنٹے میں نادرہ آپریشن تھیٹر پہنچ گئی اور ایک گھنٹے کے بعد پری مچیور سیزر بے بی بوائے ان کیوبیٹر میں ہلکے سانس لینے لگا تھا۔ شہزادی اور ریشم ابھی اتنی چھوٹی تھیں کہ وہ سمجھ ہی نہ پائیں کہ ان کی جگہ پر کوئی اور قابض ہو گیا ہے۔ وہ پہلے ہی خالہ

کی نگہداشت میں پروان چڑھ رہی تھیں۔ اب تو وہ کئی کئی دن رمیز کی مصروفیت کی وجہ سے ماں سے ملنے نہ آ پاتی تھیں۔ مجبوراً نادرہ کی ہسپتال سے پوری طرح گلوخلاصی نہ ہوئی کیونکہ گلریز ان کیوبیٹر میں اہم دن پورے کر رہا تھا جو اس نے ماں کی کوکھ میں گزارنے تھے۔

❁......❁......❁

رمیز اپنے فرائض میں ایسا محو ہوا کہ اسے اپنا ہوش رہا نہ ہی بیوی بچوں کا۔ زیادہ تر وقت فلائنگ میں گزر رہا تھا۔ نہ سونے اور آرام کرنے کا وقت ملتا۔ نہ ہی ذہن میں کوئی ذاتی سوچ آتی۔ ایک محب الوطنی کا جذبہ اجاگر تھا کیونکہ اب دلوں کی کدورت اور نفرتوں کا غبار چار سو پھیل چکا تھا اور انتقام کی چنگاریاں بجھنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ آفیسرز میس میں تعین تمام بنگالی گارڈز اور میس میں کام کرنے والے تمام ملازمین کی جگہ ایسٹ پاکستان سے ورکرز منگوائے گئے کیونکہ اب ان پر اعتبار کرنا کسی خطرے سے خالی نہیں لگ رہا تھا۔ جب سے کشمیری مجاہدین نے بھارتی طیارے گنگا کو اغوا کر کے لاہور کے ہوائی اڈے پر اتارا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں مزید کشیدگی آ گئی تھی کیونکہ ہائی جیکرز، ہاشم اور اشرف نے گفت وشنید کے بعد طیارے کو واپس بھارت بھیجنے کے بجائے دھماکے سے اڑا دیا تھا۔ جس کا مورد الزام مغربی پاکستان کو ٹھہرایا گیا پھر مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان مواصلات کا سلسلہ ختم ہونے سے مسائل بتدریج بڑھ رہے تھے اور برصغیر کے دو ہمسایہ ملکوں کے درمیان پہلے ہی ٹھنی رہتی تھی۔ اب تو دشمنی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔ یہ حادثہ کوئی اتفاق نہیں تھا بلکہ ایک گہری سازش تھی کیونکہ یہ کشمیری مسلمان انڈین بارڈر سیکیورٹی فورس کا ملازم تھا۔ اسے ہی پاکستان بھجوا کر ہائی جیکنگ کی ٹریننگ دلوائی گئی تھی۔ ہندو ہمیشہ سے ایک دور اندیش قوم ثابت ہوئی ہے جو ہر کام کرنے سے پہلے خوب سوچ بچار کرتی ہے اور پراپیگنڈے کو مدنظر رکھ کر اس پر صبر وتحمل سے نقوش بناتی رہتی ہے اور پھر موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کام کو کر گزرتی ہے۔

پاکستانی قوم ناعاقبت اندیش اور دوسروں پر اعتماد کرنے والی قوم ہے۔ انہوں نے ہر موڑ پر اسی بھروسے کی مار کھائی۔ کیونکہ اس کی سوچ میں گہرائی نہیں۔ ایک لمحے کے لیے اہم کام کے بارے میں سوچتا ہے اور اگلے لمحے اس پر عمل کر دیتا ہے۔ سکھ تو بہت جذباتی قوم ہے۔ ہم سے دس ہاتھ آگے کہ وہ عملی طور پر بہت تیز اور جلد باز ہے۔ ناکامی کی صورت میں بعد میں سوچتا ہے۔ کامیابی پر خود کو عقلمند اور فیصلہ کرنے میں پراعتمادی کا نعرہ لگانے لگتا ہے۔ بھارت نے اس پاک وطن کے دو الگ ٹکڑے کرنے کے لیے ۱۹۷۱ء میں نہیں سوچا تھا۔ بلکہ جب ۱۹۶۲ء میں چین بھارت جنگ ہوئی تھی۔ اور صدر پاکستان جنرل محمد ایوب نے بھارت کو اپنی فوج آسام میں پہنچانے کے لیے مشرقی پاکستان کے رستے سے گزرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ تب سے بھارت نے اس ملک کو توڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اور یکے بعد دیگرے حالات مخدوش ہوتے گئے۔ اور علیحدگی کے بادل گھناؤنے تاریک اور گہرے ہونے لگے۔

اب تو ہر لمحے خطرے کی گھنٹیوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جو سب کو الرٹ کرنے کے لیے کافی تھا۔ مغربی پاکستان کی تمام سرحدوں پر جنگ کی تیاریاں نمایاں طور پر نظر آنے لگی تھیں۔ مشرقی پاکستان اپنے حکمرانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے تو سالہا سال سے اس کی زد میں تھا۔ اور اب مغربی پاکستان کو مورد الزام ٹھہرا کر نفرت کے شعلوں میں بھڑک اٹھا تھا۔ اور نادرہ تمام حالات کو نظر انداز کیے اپنے پھول سے بچوں میں مصروف تھی۔

❁......❁......❁

نادرہ گلریز کے ہمراہ گھر آئی تو یہاں کے ماحول کی تبدیلی نے اسے بری طرح چونکا دیا۔ خالہ گھر میں شہزادی اور ریشم کے ساتھ موجود تھی۔ عبدالرحمن دن بھر غائب رہتا تھا۔ جبکہ اصولاً اسے بھی بقیہ بنگالی ملازمین کے ساتھ ہی یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا اور خالہ کی تو یہاں رہنے کی سمجھ آتی تھی۔ مجبوری یا ضرورت جو بھی تھی مناسب اور جائز ہی تھی۔ رمیز بھی تین دنوں سے گھر نہ آیا تھا۔ وہ فلائنگ

کے بعد میس میں ہی اپنے کولیگز کے ساتھ بیٹھا گتھی سلجھاتا رہتا تھا۔ کہ اس بے یقینی کے ماحول سے کیسے نکلا جائے؟ شاید اسے پاکستان دو ٹکڑوں میں نظر آ رہا تھا اس کی اور تمام افسران کی نیندیں حرام ہو چکی تھیں۔

نادرہ ایک بیوی اور عورت ہونے کے ناتے ہمیشہ سے رمیز کی غیر حاضری سے، بہت اپ سیٹ رہتی تھی۔ لیکن اب اسے رکنے کی مجبوری نہ تھی اس کی غیر موجودگی میں ہی نادرہ نے واپس جانے کے لیے پیکنگ شروع کر دی۔ کیونکہ اب تو وہ سفر کے قابل ہو چکی تھی۔ گلریز کو سلانے کے بعد اس نے خالہ کو آواز دی۔ تو وہ فوراً اس کے کمرے میں آ گئی۔ بہت ادب کے ساتھ آنکھیں نیچی کیے لگاوٹ سے بولی۔

"بیگم صاحبہ! آپ آرام فرمائیں۔ گلریز بابا کو میں لے جاتی ہوں۔ آپ بے فکری سے سوئیں۔ بہت فکر مند اور تھکی ہوئی لگ رہی ہیں۔"

"نہیں خالہ! اب تو میں ٹھیک ہوں۔ دن بھر کام کرتی ہوں۔ اپنی شہزادی اور ریشم کو وقت دیتی ہوں۔ ان سے کھیلتی ہوں۔ وہ بہت دور ہو گئی ہیں مجھ سے قصور ان کا نہیں۔ اور میرا بھی ہرگز نہیں۔ ایسی مجبوری آڑے آئی کہ شہزادی تو تمہاری بیٹی دکھنے لگی ہے اور ریشم میری۔ آج سے دونوں ہی میرے پہلو میں رات گزارا کریں گی۔ اور یہ گلریز اپنی کاٹ میں سویا کرے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اب یہ بڑا ہو گیا ہے۔ دو مہینے اور دس دن کا۔"

"آپ نے درست فرمایا۔ لیکن سوچ لیجیے۔ وہ جس کی بیٹی دکھنے لگی ہے۔ اسے بھی تو نیند نہیں آئے گی۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کی عادت ہو گئی ہے۔" وہ ذرا سا جھجک کر بولی۔

"اب وہ وقت آ گیا ہے خالہ! کہ اب اسے میری اور مجھے اس کی عادت ہو جانی چاہیے۔ میں نے لاہور واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب میرے لیے یہاں رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو گیا ہے۔" وہ تاسف اور فرحت کے ملے جلے جذبات سے بولی۔ "ان بچوں کو ابھی تک نہ تو ننھیال نے دیکھا نہ ددھیال نے، نہ ان کا پیار انہیں مل سکا نہ توجہ۔ اب یہاں رکنے کا جواز نظر نہیں آتا خالہ، صاحب بھی کئی کئی دن گھر واپس نہیں آتے۔"

"بیگم صاحبہ...... کیا میں آپ کے ساتھ لاہور چل سکتی ہوں، عمر بھر آپ کی خدمت کروں گی، یہاں بھی تو میں بہاری ہوں، جس سے بنگالی ہمیشہ سے ہی نفرت کرتا آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم آج بھی یہاں بن بلائی ایک غیر قوم ہیں۔" وہ اس کے پاؤں دباتے ہوئے بولی۔

"میرا بھائی اور اس کی فیملی بھی میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے۔"

"یہ فیصلہ تمہارے صاحب ہی کریں گے خالہ۔" وہ سوچنے کے بعد بولی۔

"آئیڈیا تو بہت خوب ہے۔ آخر تم ان کی نینی نہیں نانی ہو۔"

"میں نے بیگم صاحبہ کا نمک کھایا ہے، آپ کی خدمت میں نہ دن دیکھا نہ رات، نہ اپنے یاد آئے نہ ہی یہاں سے ایک منٹ کے لیے قدم باہر رکھا۔ یوں سمجھیں کہ صرف اور صرف آپ کی ہو کر رہ گئی اور شہزادی میں ہی اپنا دل لگا لیا اور ریشم میں ہی بہل گئی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم نے جو بھی کہا ہے بالکل صحیح ہے۔ میں جانتی ہوں خالہ کہ تم ایک وفادار عورت ہو، اس لیے تو تمہیں ماں کا درجہ دیتی ہوں لیکن کچھ فیصلوں پر مرد کا اختیار ہوتا ہے اگر میرا فیصلہ سننا چاہتی ہو تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر کا فرد بنا سکتی ہوں لیکن اس پر میرا اختیار نہیں۔ میں مجبور بھی ہوں اور شوہر کے ہر فیصلے کو اہمیت دینے والی عورت بھی ہوں۔" وہ نرماہٹ سے بولی۔

"جی بیگم صاحبہ...... آپ صاحب سے بات تو کریں، ہوسکتا ہے وہ بھی آپ جیسی سوچ رکھتے ہوں۔" وہ جز بز سی ہو کر بولی۔

"صرف بات ہی نہیں بلکہ انہیں منوانے کی پوری کوشش کروں گی اگر وہ نہ مانے تو فکر کی کوئی بات نہیں۔ دو

تین مہینوں بعد میں یہاں واپس آجاؤں گی بلکہ میری غیر موجودگی میں صاحب کا خوب خیال رکھنا۔ عبدالرحمن کی تو اس وقت ہی چھٹی کردینی چاہیے تھی جب یہاں مغربی پاکستان کے فوجی گارڈز ہماری سیکیورٹی کے لیے مقرر کیے گئے تھے اور اپنے ہی ملازم وہاں سے منگوا کر میس کو تحفظ دیا گیا تھا۔ اب اس کا حال دیکھو کہ دن بھر غائب رہتا ہے اور رات ٹھرا پینے میں گزارتا ہے۔ کچھ عجیب اور غیر مناسب سی عادات ہوگئی ہیں اس کی۔ اب اس پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی چھٹی کا وقت آچکا ہے۔ کیوں خالہ میں نے درست کہا ہے ناں۔" نادرہ نے اس سے اپنے دل کی بات تفصیلاً کی۔

"جی بیگم صاحبہ، وہ ہمیشہ سے ہی بھروسے کے قابل نہیں تھا، نہ جانے آپ نے اسے کیوں برداشت کیے رکھا؟" خالہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور شہزادی کو لینے اس کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ کاٹ میں گہری نیند سو رہی تھی۔ چوسنی اس کے قریب ہی گری ہوئی تھی۔ خالہ نے چوسنی اس کے منہ میں ڈالی اور اسے ہلکے اور نرم ہاتھوں سے اٹھا کر سینے سے چپکا لیا اور کمرے تک پہنچتے ہوئے اس نے شہزادی کو بیسیوں بوسے دے ڈالے۔

"آج سے میری شہزادی اپنی ماما کے پاس سوئے گی اور ریشم اپنے بابا کے ساتھ اور گلو جان اپنی کاٹ میں۔" نادرہ نے اسے اپنے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"بیگم جی گلریز بابا میرے حوالے کردیں، اسے ماں اور نانی والا پیار دوں گی۔ جیسے ریشم اور شہزادی کو دیا تھا بلکہ ان سے بڑھ کر اس کا خیال رکھوں گی، آخر اولاد نرینہ ہے ناں۔" وہ گلریز کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"خالہ بیٹی تو بیٹے پر ہر لحاظ میں حاوی اور بھاری مانی جاتی ہے۔" پھر نادرہ نے بات کرتے ہوئے خالہ کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ "خالہ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو، بچوں کے اور بھی تو بے شمار کام ہوتے ہیں۔ وہ تمام کام تم ہی سرانجام دو گی۔ میں تمہیں نوکری سے نکالنے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ میری اور ان بچوں کی غیر موجودگی میں بھی تم اسی گھر میں رہو گی۔ فکر کیوں کرتی ہو؟ ہم اور تم ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہوچکے ہیں۔"

"اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے، بیگم جی گھر کی رونقیں عورت کے دم سے قائم ودائم رہتی ہیں اگر آپ اپنے مغربی پاکستان واپس چلی جائیں تو یہ گھر نہ ہوتا۔ یہاں کسی دوسرے افسر کی فیملی کا بسیرا ہوتا۔ گھر کا دروازہ عورت اپنے محبت وچاہت بھرے ہاتھوں سے وا کرتی ہے۔ مرد بیچارا کیا جانے جس نے یہ بھید پالیا وہ تو رہا فائدے میں۔ جیسے ہمارے صاحب ہیں، بہت سمجھدار اور آپ پر فدا اور بچوں پر جان نچھاور کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ ان کو رہتی دنیا تک سلامت رکھے۔ انسان کی وقعت کا اندازہ آزمائش کے دنوں میں ہوتا ہے۔ آپ دونوں ہی اس امتحان میں پاس ہوگئے۔" وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔

"بیگم جی، آپ دونوں کو دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کے والدین، بہنوں، بھائیوں اور اڑوس پڑوس سے ملاقات کروں۔ کیا مغربی پاکستان کے سب لوگ آپ جیسے ہیں؟ بیگم جی اس چار دیواری کے اندر میں نے بہت دیکھے اور پرکھے لیکن آپ جیسا کوئی نہ دیکھا۔" یہ سن کر نادرہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"خالہ...... خوشامد انسان کو آسمان سے زمین پر پل بھر میں منہ کے بل گرا دیتی ہے، مجھے آکاش پر ستاروں، چاند اور سورج کی ہمراہی میں رہنے دو۔ میری اتنی تعریفیں کیا مت کرو، کہیں دماغ ہی خراب نہ ہوجائے۔"

"بیگم جی اگر ایسا ہونا ہوتا تو کب کا ہوچکا ہوتا۔" وہ ہنستے ہوئے بولی تو نادرہ نے بھی اسے اپنی شگفتہ مسکراہٹ سے جواب دیا۔

❀......❀......❀

انتخابات کے بعد جنوری میں چار پائیلٹس مغربی پاکستان سے اٹیچمنٹ پر اٹھارہ اسکواڈرن ماری پور کراچی سے چار مہینے کی اٹیچ منٹ پر چودھا اسکواڈرن ڈھاکہ رخصت ہوگئے۔ وہاں کے حالات الیکشن میں عوامی لیگ کی فتح مندی کی وجہ سے دن بہ دن مخدوش ہورہے تھے۔

جنہیں مغربی پاکستان کے حکمرانوں نے ہر ممکن سلجھانے کی کوشش کی تھی۔ جس میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

فضائیہ کے جری اور دلیر ہوابازوں نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ فوراً جوش ولولے کے ہمراہ ڈھاکہ پہنچتے ہی فلائینگ شروع کردی۔ کچھ سینئر افسران وہاں پہلے سے پوسٹڈ بھی تھے اور اٹیچمنٹ پر بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ وہ بھی ان حالات میں شب و روز اپنے فرائض نہایت جذبہ و شوق سے ادا کررہے تھے۔

اس وقت چار افسران بیس ماری پور میں رسالپور کی ابتدائی ٹریننگ کے بعد ایف۔۸۶ طیارے پر ۵۸۰ گھنٹے فلائینگ کرچکے تھے۔ ان کا کونفیڈینس لیول اس قدر ہائی تھا کہ روزانہ اپنے لیڈر کی ہمراہی میں فلائینگ کے لیے نکل جاتے اور ان علاقوں کا جائزہ لیتے۔ جہاں مکتی باہنی کی اکثریت تھی۔ وہ مغربی پاکستان کے خلاف جلسے جلوس کرتے اور آرمی کے خلاف بنگالیوں کو ابھارا کرتے تھے۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں سے فوج سے غداری کرکے اپنی الگ فوج بنالی تھی کیونکہ چھ نکاتی پروگرام کے تحت وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی کرنسیاں علیحدہ کرنے کا مطالبہ، مغربی پاکستان سے ٹیکس لگانے کا اختیار چھیننے، بیرونی تجارت کے علیحدہ حسابات رکھنے کی خواہش اور صوبوں کو نیم فوجی اور علاقائی دستے رکھنے کا آئینی اختیار رکھنے کا مطالبہ اپنی ہر میٹنگ اور ہر جلسے میں کرچکے تھے۔ اس لیے اپنی فوج الگ تشکیل دینے میں بھی مجیب الرحمٰن نے جلد بازی سے فیصلہ کرکے اسے عملی جامہ پہنا دیا تھا۔ اس غداری کو مدنظر رکھتے ہوئے مشرقی اور مغربی پاکستان کی افواج سے تمام بنگالی افسران، سپاہیوں اور ایئر مینوں کو نکال کر کیمپوں میں بھیج دیا تھا۔

پاک فضائیہ کے بھی تمام بنگالی افسران گراؤنڈ کردیے تھے۔ جو مشرقی پاکستان فرار ہوگئے، کچھ افسران ابھی بھی گراؤنڈ کی ڈیوٹیز پر تعین رہے۔ جو خود کو مغربی پاکستان کا وفادار گردانتے تھے لیکن پاک فضائیہ ان کی گفتگو اور حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھنے کو اپنا فرض سمجھ کر نبھارہی تھی کیونکہ بنگالی پر مکمل طور پر بھروسا کرنا نادانی و کم عقلی کے زمرے میں سمجھا جاتا تھا۔

الیکشن کے بعد جب مجیب الرحمٰن کے چھ نکاتی پروگرام کی مسلسل مخالفت کی گئی تو مشرقی پاکستان کی عوام بپھر کر سڑکوں پر نکل آئی تاکہ ان کے ہیرو کو بھرپور یکجہتی کا احساس دلایا جائے۔ بھارت اپنی دشمنی کا اظہار ہر قدم پر کرتا آیا تھا۔ وہ بھی مشرقی پاکستان کا ہمدرد و غمگسار بن کر سامنے آگیا۔ جس کی وجہ سے مغربی پاکستان سے فوجی دستے اور پاک فضائیہ کے اسکواڈرن کے افسران بھی اپنی پاک فوج کو سپورٹ کرنے ڈھاکہ پہنچ چکے تھے کیونکہ اس صورت حال میں جنگ کا خطرہ قتل و غارت گری اور ظلم و تشدد کی شکل میں نظر آرہا تھا۔ جب مجیب الرحمٰن سے جنرل یحییٰ کی میٹنگ ناکام ہوئی تو اس کے بعد مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان میں فوج کی پیش رفت ہوئی تھی کیونکہ تمام حالات کھل کر ظاہر ہوچکے تھے۔ ورنہ کامیابی کی صورت میں مغربی پاکستان کو وافر مقدار میں فوجی افسران کے دستے ہرگز مشرقی پاکستان میں منتقل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اگر چھ نکاتی پروگرام کے تحت مشرقی پاکستان کو خود مختاری دے دی جاتی تو اس صورت میں بھی پرامن و سکون اور یکجہتی کی لہر دوڑ سکتی تھی۔ یہ اک خیال ہی تھا۔

جب جائیداد میں دو بھائیوں کا بٹوارہ صلح و صفائی سے ہوتا ہے تو وہاں نہ تو خونی رشتوں میں دراڑ آتی ہے نہ ہی ہمیشہ کے لیے علیحدگی ہوتی ہے۔ دشمنی تو کجا تقسیم کے باوجود یکجہتی رہتی ہے۔ دوسری صورت میں بٹوارہ تو ہونا ہی لازم ہے۔ وہ لڑ جھگڑ کر ظلم و تشدد کے سائے میں جب اختتام تک پہنچتا ہے تو ان بھائیوں کے درمیان جو لامتناعی فاصلہ حائل ہوجاتا ہے۔ وہ تاحیات مٹ نہیں پاتا اور یہ دشمنی پشت در پشت چلتی ہے۔ اس کا خسارہ یہی خاندان بھگتتا ہے کیونکہ ایک خاندان کے جب دو ٹکڑے زور آوری اور ناعاقبت اندیشی سے کئے جاتے ہیں تو دونوں خاندان ہر لحاظ سے کمزور اور لاغر ہوجاتے ہیں اور دوسرے غیر خاندان

کے لوگ ان کی کمزوری کا خوب فائدہ اٹھانے لگتے ہیں۔

بھارت نے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے معاملے میں ٹانگ اڑائی اور اپنی دشمنی کا نیا وار کر کے ہمیں ایک بار پھر جنگی فضا کی جانب دھکیل دیا۔ جب مکتی باہنی کو تتر بتر کرنے کے لیے ان پر حملہ آور ہونے کے آرڈر موصول ہوئے تو لیفٹیننٹ جنرل صاحبزادہ یعقوب اور ایئر کموڈور بیس کمانڈر ڈھاکہ مٹی مسعود نے انہیں اپنے بھائی گردانتے ہوئے ان پر اٹیک کرنے سے انکار کر دیا تو انہیں فوراً واپس بلا لیا گیا۔ جب وہ رخصت ہوئے تو رمیز نے بھی اپنی فیملی پاکستان واپس بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

خالہ بچوں کی نگہداشت کرنے میں مصروف ہوگئی۔ رمیز کی مصروفیات دن بہ دن بڑھتی چلی گئیں۔ خالہ، عبدالرحمن کے ساتھ مل کر پیکنگ میں مصروف ہوگئی۔ عبدالرحمن مسلسل اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کبھی ٹسوے بہانے لگتا کبھی قہقہے لگا کر نادرہ کو ہراساں و پریشان کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔

مسز بیس کمانڈر کے جانے کے بعد آہستہ آہستہ افسران کے گھر بھی خالی ہونے لگے تھے۔ فوجی چھاؤنیوں سے بھی فیملیز مغربی پاکستان روانہ ہونے لگیں اور جو مشرقی پاکستان میں سویلین رہائشی تھے۔ انہوں نے اپنا کاروبار چمکانے کی کوشش کی اور پان کی اسمگلنگ شروع کر دی جو مغربی پاکستان میں وافر مقدار میں فراہم ہونے لگا تھا۔ یہاں سب کو اپنا ملک بچانے اور جان و مال اور عزت و ناموس بچانے کے لیے لالے پڑے ہوئے تھے۔ جب کہ طمع و لالچ میں ملوث افراد اپنی جیبیں بھرنے سے مصروف تھے۔

یہ ہے ایک انسان کی اصلیت اور حقیقت کہ جو ذمہ دار اور فرض شناس ٹھہرا۔ اس نے نہ اپنی جان کی پروا کی نہ ہی پیسے کا لالچ کیا اور جو بددیانت اور غدار نکلا۔ اس نے فقط اپنی حیثیت کو بہتر سے بہتر بنانے کے سوا اور کچھ نہ سوچا۔ مشرقی پاکستان کے ہر کونے میں بلوائے شروع ہوئے دو مہینے کا عرصہ گزر چکا تھا۔ پاک فضائیہ کے افسران فلائنگ کے دوران مانیٹرنگ کرتے ہوئے انہیں بھگانے کے لیے فائرنگ کرتے۔ جس میں جانی نقصان تو نہ ہوتا تھا لیکن جلسہ گاہ میں موجود افراد اپنی جگہ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ جب مکتی باہنی گوریلا فوج کے ظلم و تشدد پر قابو پانا مشکل ہوگیا۔ جنہوں نے دن دھاڑے فوجی افسران کی عورتوں کو ریپ کیا۔ انہیں موت کے گھاٹ اتارا اور بچوں پر ماؤں کی آنکھوں کے سامنے گولیاں برسا کر شہید کیا۔ ان کے گھروں پر دھاوا بول دیا۔ مال و اسباب لوٹ کر ان کے گھروں کو آگ لگا دی تو جنرل یحییٰ نے اکیس مارچ کو مکتی باہنی کے خلاف ایکشن لینے کا آرڈر دے دیا۔ جس میں پاک فضائیہ کے افسران نے دلیرانہ مظاہرہ کیا۔ اس ایکشن کی کامیابی کے بعد ڈھاکہ شہر خالی ہوگیا۔ جن بنگالی فوجیوں کا تعلق پنجاب، سرحد، سندھ اور بنگال سے تھا۔ وہ بھی خوفزدہ ہو کر فوج سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے اور انہوں نے گوریلا مکتی باہنی فوج کو جوائن کر لیا۔ شیخ عبداللہ مسلمان ہونے کے باوجود گاندھی ہی نکلے اب سمجھ آئی ہے کہ بھارتی طیارے گنگا کے اغوا ہونے کے پیچھے کون سی سازش تھی۔

بھارت کے اخبار انڈین ایکسپریس میں ۳۱ جنوری کو ایک خط شیخ عبداللہ کی طرف سے شائع ہوا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہائی جیکرز کا سرغنہ بھارتی بارڈر سکیورٹی کا ملازم سازش کے تحت ایک ساتھی کے ہمراہ جہاز میں سوار ہوا اور طیارے کو زبردستی لاہور میں اتار لیا کیونکہ اس کشمیری مسلمان کو ہائی جیکنگ کی باقاعدہ تربیت کے لیے پاکستان بھجوانے والے شیخ عبداللہ ہی تھے۔ جنہیں سب مخلص اور وفادار سمجھتے رہے۔ وہی دغا دے گئے۔ رمیز کھانے کے لیے جب ڈائننگ روم میں آیا تو وضاحت سے حالات کے بارے میں بتانے لگا۔

”۱۹۶۷ء میں جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تو اس وقت انہیں اغوا کرنے اور قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی جو ناکام رہی جسے، اگرتلہ، سازش کیس کا نام دیا گیا۔ بھارت کے فرسٹ سیکرٹری اوجھا

کا عوامی لیگ کے حلقوں میں خاصا اثر ورسوخ تھا۔ مجیب الرحمٰن سے گہرا رابطہ اس کی بیوی کی وجہ سے تھا۔ جو جیل میں بھی مجیب الرحمٰن سے ملنے جایا کرتی تھی۔ ایک ملک کے دو حصے کرنے کے لیے انہوں نے بھارت سے اسلحہ اور مالی امداد کے لیے بات چیت کی تھی۔ یہ سازش بہت پارینہ ہے۔ جس کے نتائج اب کھل کر ہمارے سامنے آ گئے تھے۔ اس میں شک نہیں رہا۔ آج کی رپورٹیں اسی یقین کا اظہار کرتی ہیں۔" رمیز نے کھانا کھاتے ہوئے گہری تشویش کا اظہار کیا تو نادرہ کے ہاتھ رک گئے اور نوالہ بمشکل حلق سے اتارا اور ناامیدی سے گویا ہوئی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں کے حالات سدھرنے کے بجائے روز بہ روز ناساز ہو رہے ہیں۔"

"ہاں نادو، اس کے باوجود خوش قسمتی ہے ہماری کہ ہم لاکھوں قربانیوں کے بعد پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اب لاکھوں شہادتوں کے بعد بھی اسے کھونہ دیں۔ امید کرتا ہوں کہ ہماری فوج کے جری جوان انہیں تگنی کا ناچ نچا دیں گے۔" لہجہ امید وبیم میں جکڑا ہوا تھا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟ اب تو مجھے سفر کرنے میں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں رہا لیکن ایک مسئلہ ہے گمبھیر اور الجھا ہوا، مجھ سے سلجھ نہیں رہا۔" وہ پانی کا گھونٹ پی کر بولی۔

"مجھے بتاؤ کہ اب کون سا مسئلہ کھڑا کر لیا ہے اپنے سامنے۔" وہ ہلکا سا مسکرا کر بولا۔

"مسئلہ فقط ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مسئلہ درپیش نہیں۔ سیاسی حالات کس سمت جا رہے ہیں لیکن میں گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہوں۔ امی اور اپنے شہر سے کوسوں دور ہوں۔" وہ کہتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

"تو پھر ایک کون سا مسئلہ ہے جو تمہیں باور کر رہا ہے۔" وہ حیرت میں بولا۔

"آپ کے اختیار میں نہیں ہے، اس کا حل ہوتا تو کیوں بتاتی؟" وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"مجھے نادان اور بے وقوف سمجھتی ہو ناں، میں سب جانتا ہوں۔" وہ دل کھول کر ہنس دیا۔

"اگر آپ جانتے ہیں تو پھر اسے حل کرنے کے لیے مجھ سے مشورہ لینا چاہیے تھا یا نہیں، مجھے کب لاہور بھیج رہے ہیں۔"

"وہ تو مذاق تھا، ایسے ہی جا رہی ہو، میری اجازت کے بغیر امی کو فوراً اطلاع کر دوں گا۔ وہ تمہیں گھر میں گھسنے نہیں دیں گی اور میری ممی تمہیں دوبارہ یہاں آنے نہیں دیں گی۔ اس لیے گھر سے قدم نکالنے سے پہلے ذرا سوچ لینا۔" اس کے لہجے میں دھمکی کی جھلک نمایاں تھی۔

"اچھا بابا۔" اس نے ہنستے ہوئے ہاتھ جوڑے اور منمناتا ہوا چلا گیا۔

"رمزی بابا، آپ کیا جانیں؟ عورت کا اپنا گھر اس کی ریاست ہے، جس کی وہ حکمران کہلاتی ہے۔ جب حکمران سے اس کی ریاست چھین لی جاتی ہے تو وہ بہت جلد مر جاتا ہے۔ بے شک اس کا جسم کہنے کو زندہ ہوتا ہے لیکن اس کے وجود کے تمام اعضا کمزور ہو کر ختم ہو جاتے ہیں۔ وہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ میں اپنی اجارہ داری اور حکمرانی کو خیر باد کیوں کہوں گی۔ اتنی اذیتیں اور تکلیفیں سہنے کے بعد پہلی مرتبہ اپنی کرسی کا مزا لینے لگی ہوں۔" وہ بیٹھے بیٹھے سوچتی رہی۔

"رمزی بابا کیا بتاؤں کہ آپ کی غیر موجودگی ہی بہت بڑا مسئلہ ہے، میرے رب آپ کو رہتی دنیا تک سلامت رکھے۔ رمزی بابا گلو جان، ریشم اور شہزادی کھانا نہیں کھا رہے ہیں۔ آپ کی راہ تک رہے اور نادو تو اب انتظار نہیں کرتی۔" وہ محبت آگیں لہجے میں بولی۔

"بہت دیر سے اس کار خیر کی طرف آئی ہو۔ ویری گڈ تم کھانے پر میرا انتظار مت کرنا۔ آج میرے تین کولیگز اٹیچمنٹ پر یہاں آئے ہیں۔ ان کے ساتھ ڈھاکہ کلب جانے کا پروگرام بن رہا ہے۔" رمیز خوشگوار لہجے میں بولا تھا۔

"تو کیا کورآل سے ہی ڈھاکہ کلب جائیں گے۔" وہ

بوکھلاہٹ سے بولی۔
"ہرگز نہیں نادو گھر سے ہو کر اپنی نادو کو ٹل کر جاؤں گا۔" وہ پھر شگفتگی سے بولا۔
"میں لیٹ بھی ہوسکتا ہوں کیونکہ سب تمہارے شوہر کی طرح جلدی کھانا کھانے والوں میں سے نہیں ہیں۔ پوچھو کہ کیوں؟ خیر چھوڑو۔" پھر مسکرا کر بولا بہرحال میں آدھے گھنٹے کے لیے گھر آؤں گا۔ جلدی سے کپڑے تیار کرادو۔"
"رمیز آپس کی بات ہے۔ آپ انتظار کا کرب واذیت دینے سے باز نہیں آتے۔ جب سے آپ میری زندگی میں آئے ہیں۔ انتظار، صبر، شکر اور پھر انتظار۔" لہجہ دوستانہ تھا۔
"انتظار زندگی کی بہترین ٹریننگ کرتا ہے۔ اس ایک لفظ کے در پردہ اک خزانہ ہے۔ جس نے انتظار کرنا سیکھ لیا وہ تو اک مکمل انسان بن گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میری نادو اک مکمل عورت ہے۔ جس پر مجھے بہت فخر ہے۔" وہ سرشارانہ انداز میں بولا تو دوسری جانب نادرہ بھی اس کی محبت کے فسوں میں کھو گئی۔ کال کٹ گئی اور وہ اسی حالت میں بیٹھی امی دوست کی یاد میں گم ہو گئی تھی۔ اس کے کانوں میں اپنی ہی آواز کی بازگشت گونج رہی تھی۔
"عجیب سی بات ہے کہ میں لاہور جانا چاہتی ہوں لیکن دل مان کے نہیں دیتا۔ کچھ نہ کچھ گھر بھی سمیٹ لیا ہے لیکن جانے کی خوشی نہیں۔ رمزی بابا مجھے بھیجنا بھی چاہتے ہیں اور دیر بھی کر رہے ہیں جیسے ان کا دل اجازت نہیں دے رہا۔ جب جانے کا کہتی ہوں تو اداسی کو چھپاتے ہوئے مائنڈ کر جاتے ہیں۔ ہم دونوں ہی دو طرح کی کیفیات کا شکار ہو چکے ہیں۔ کبھی اقرار تو کبھی انکار، کبھی ہاں اور کبھی نہ ہی جاؤں تو بہتر ہے۔" وہ پھر ماضی کو ہاں کرنے لگی۔

❁......❁......❁

"امی کیا مہمان آ رہے ہیں؟ تیاری تو ایسے ہو رہی ہے جیسے ہمارے آنگن میں بھیا کی برات سجنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"
"بھیا کی برات سجنے میں ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ خیر سے میری سہیلی کی برات اترنے والی ہے۔" ماں معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے بولی۔
"تو یہ پہیلی بوجھنے سے قاصر نہیں ہے آپ کی سہیلی کہ میرے لیے کیا حکم ہے؟" وہ ماں کے گرد دو بازوؤں کا دائرہ بنا کر بولی۔ "سج بن کر ہرگز نہیں آؤں گی۔"
"یہی حکم ہے میرا، نہا دھو کر فریش ہو جاؤ۔ میری جان چاند کا ٹکڑا ہی تو ہے۔ ہر حال میں چمکتا دمکتا نظر آتا ہے۔" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولی۔
"امی ایسی بھی بات نہیں، آپ خوشامد کر رہی ہیں ناں اس ڈر سے کہ میں کہیں بدک ہی نہ جاؤں ہمیشہ کی طرح۔ امی بے فکر ہو جایئے ایسا نہیں ہوگا۔ آپ سے جو وعدہ کیا ہے۔ میں اسی پر قائم و دائم ہوں۔" وہ عمدہ طریقے سے جواب دیا تھا۔
"آج میرا دل مطمئن اور خوش ہے۔ نہ جانے کیوں؟ یہ پہیلی آپ بوجھیں ناں۔"
"میں نے تو فوراً بوجھ لی تھی کیونکہ تم نے میری بات سنی اور مانی بھی، اللہ تعالیٰ اس کا اجر دینے والا ہے۔ یاد رکھو کہ تمہیں زندگی میں کبھی پچھتاوا نہیں ہوگا۔" ماں نے دعائیں دینا شروع کردیں تو نادرہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ غسل سے فارغ ہو کر اس نے گلابی رنگ کا سوٹ پہنا۔ لمبے بالوں کو خشک کر کے کھلا چھوڑ دیا اور آنکھوں میں ہلکا ہلکا کاجل لگا کر اس نے اپنا جائزہ لیا۔
"چہرے پر طمانیت و مسرت کی پرچھائیاں دیکھ کر وہ چونکی۔ شاید امی کی نصیحت پر سر تسلیم خم کرنے کا نتیجہ ہے کہ آج نہ کوئی ڈر ہے نہ خوف، نہ ہی قلق ورنہ میں رشتہ آنے پر تلملا جایا کرتی تھی۔ امی سے خفا بھی ہوتی اور کھری کھری سنا کر کمرے میں بند ہو کر رونا معمول بنا لیا تھا۔ آج ایسا نہیں ہے۔" وہ خود کلامی کرتی ہوئی بار بار خود کو آئینے میں دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ "اچھی شکل بھی بہت اعلیٰ عرفا ہے، خوش خلق اور مضبوط کردار [illegible] اللہ کی اس سے بھی اعلیٰ

ترین نوازش ہے۔ حسن و جمال کیا کمال کا ہتھیار ہے کہ ایک وار سے اپنی دھاک جمالیتا ہے۔"

نادرہ ملازمہ کے ساتھ مل کر ٹیبل پر چائے کے لوازمات رکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"آج امی کا بلاوا نہیں آیا ممکن ہے انہیں لڑکا اور اس کا خاندان پسند ہی نہ آیا ہو۔" اسی لمحے امی ڈائننگ روم میں آئیں، ان کی آنکھیں ایک خوب صورت کہانی پیش کررہی تھیں۔ ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ اندرونی کیفیت کی غمازی کررہی تھی اور چال میں ٹھہراؤ بتارہا تھا کہ امی کو رشتہ پسند آ گیا ہے۔

"نادو...... یہ کام ماسی کرے گی تم ڈرائنگ روم میں آ کر سب سے مل تو لو۔ سب تمہارا انتظار کررہے ہیں اور تمہیں ملنے اور دیکھنے کے لیے بے تاب ہیں۔" ماں نے نادرہ کے ہاتھ سے ڈش پکڑ کر خوش ہوتے ہوئے کہا تو نادرہ دوستانہ اندازہ میں رعب سے بولی۔

"خبردار جو جھٹ پٹ فیصلہ کیا۔ میں گائے، بھینس اور بکری ہرگز نہیں ہوں۔ میرے جذبات ہیں، پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے۔ آپ کی مسکان چغلی کھا رہی ہے کہ آپ کو رشتہ پسند آ گیا ہے، میری شادی کے لیے میرے مزاج کے مطابق لڑکا ڈھونڈنا پیچیدہ ترین شوق ہے۔" اس کے لہجے میں نرم اور دھیما احتجاج تھا۔

"ہرگز نہیں۔ ایسے لوگوں کو تو میں اپنی بیٹی کا بال بھی نہ دکھاؤں۔ تم مجھے سمجھ ہی نہیں پائیں۔ افسوس صد افسوس۔ اپنی مزاحمت اپنے تک ہی محدود رکھو۔ میں جو بھی کروں لیس سر کہتی جاؤ۔"

"تو پھر یہ میری رونمائی کیوں؟ اگر آپ کو رشتے سے انکاری ہے۔" اس نے سرزنش کی۔

"یار سمجھا کرو ناں۔ ذرا وہ دیکھیں کہ اس ہیرے کے لیے ان کا کالا بجنگ بیٹا ہمیں قطعاً منظور نہیں۔" ماں بے رحمانہ اور ظالمانہ انداز میں بولیں۔

"تو پھر اتنی خاطر و مدارت کیوں ہورہی ہے۔ امی دوست سمجھ نہیں پائی۔" نادرہ حیران لہجے میں بولی۔

"یار...... مجھے اچھی طرح سے جانتی تو ہو کہ رشتے آسمانوں پر جڑتے ہیں اور اسی زمین پر ٹوٹتے بھی ہیں۔ یہ تو مقدر کے کھیل تماشے ہیں۔ گھر آئے مہمان کی قدردانی اور مہمان نوازی کرنا ہمارا فرض ہے۔ مہمان چاہے کیسا ہی کیوں نہ ہو؟" وہ مسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں تلے دباتے ہوئے بولی۔

"بات تو سمجھ آتی ہے۔" وہ صلح جو ہوکر بولی اور امی کے پیچھے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں آئی قدم رکھتے ہی ٹھٹکی۔ سامنے صوفے پر کوکو کی امی اور دو بڑی بہنیں بیٹھی ہوئی تھیں اور بازو والے صوفے پر کون ہے؟ اس نے غور سے دیکھا۔ یہ تو وہی ہے جو ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا ہے۔ کیا یہ کوکو ہے؟ میرا پیار۔ بالکل ہی بدل گیا۔ تیرہ چودہ سال کی عمر میں اس کا جسم فربہ تھا۔ شاید ٹین ایج فیکٹر تھا۔ قد و قامت بھی ایسی نہ تھی۔ اب سر کے بالوں کا اسٹائل خاصہ مضحکہ خیز ہے۔ جیسے سر شاپر میں سے نکل کر آیا ہو۔ وہ بھی بے اختیاری میں کھڑا ہو کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہا تھا کہ یہ تو وہی ہے۔ جس سے میں ٹکرایا تھا۔ یہ بھی تو کتنی بدل گئی ہے۔ کیا رنگ روپ نکالا ہے اور بچپن کی چربی جس میں وہ گولا مولا لگتی تھی۔ اب سروسا قد اور پتلی کمر جیسے گٹار ہو۔ وہ معصوم گوری چٹی موٹو کہاں چلی گئی؟ وہ بھی سوچ میں تھا۔ اس لیے تو اسے لبرٹی میں پہچان نہ سکا۔

"یہ کوکو ہی تو ہے۔" وہ بڑبڑائی جو ٹکرانے کے بعد کالج کے گیٹ پر نظر آتا تھا۔ اسے پہچان ہی نہ سکی۔

"آپ نادو......" وہ بھی بڑبڑایا۔ "پہچاننے میں غلطی ہوگئی۔" سب دونوں کو دیکھ کر محظوظ ہورہے تھے۔ توقف کے بعد دونوں چونکے۔

"میرے خوابوں کا شہزادہ۔" دل نے سرگوشی کی۔

"میرے دل کی ملکہ۔" اس کے دل نے بھی گواہی دی اور وہ شرما کر اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ اس کارِ خیر کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ کوکو کی پوسٹنگ ڈھاکہ ایئر بیس ہونے کے چانسز ہیں۔ اس کی چھٹی ایک مہینے کی

ہے۔ہم اس کی شادی جلد از جلد کرنا چاہتے ہیں۔'' آنٹی نے خوشی سے مغلوب ہوکر کہا تھا۔ ''ایک ہی تو میرا بچہ ہے۔اپنے تمام ارمان اسی سے پورے کروں گی۔''

''ایک تو ہمارا بھائی ہے۔دل کی تمام حسرتیں اس کی شادی پر ہی تو پوری ہوں گی۔'' بہنوں نے بھی باری باری کہا۔

''اور ایک ہی تو میرا داماد ہے۔ اللہ عمر دراز عطا فرمائے۔ میں نے بھی تو تمام چاؤ، لاڈ و پیار اسی سے حاصل کرنے ہیں۔'' امی نے خوشدلی سے کہا تو آنٹی نے مٹھائی کا ٹوکرا سائیڈ سے کھولا اور لڈو نکال کر اپنی بہو اور بیٹے کا منہ میٹھا کرتے ہوئے بولی۔

''اسے ہی منگنی سمجھیں اور بھائی صاحب کو بھی بلا لیجیے تاکہ شادی کی تاریخ طے کی جائے۔ ہمیں بہت جلدی ہے اس کی خوشی دیکھنے کی۔'' نادرہ نے ایک بار بھی نہ سوچا کہ کوکو کرتا کیا ہے؟ بزنس یا جاب۔ ڈھاکہ پوسٹنگ کس لیے ہو رہی ہے۔ اسے ان باتوں سے کوئی مطلب نہ تھا۔

اسی اثنا میں امی وہاں سے اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ تھوڑی دیر بعد واپس آ کر انگوٹھی جس سے نادرہ نے رشتہ توڑ دیا تھا، مسز شیرازی کی طرف بڑھا کر بولیں۔

''اس انگوٹھی کو پہچانیے کہ یہ کس کی ہے؟''

''یہ تو میری گمشدہ ڈائمنڈ کی انگوٹھی ہے۔آپ کو کہاں سے ملی؟ یہ میری منگنی کی انگوٹھی ہے۔'' وہ اسے انگلی میں ڈالتے ہوئے بولی۔

''آپ تک کیسے پہنچی؟''

''کوکو سے پوچھیے۔'' امی مسکرا رہی تھیں اور کوکو ماں سے نگاہیں ملانے سے قاصر تھا۔ نادرہ شرم سے پانی پانی ہوکر رہ گئی۔ یہ دو معصوم بچوں کی سچی محبت کی بہت خوب صورت سرگزشت ہے۔

''ممی......آپ نہیں جانتیں۔ صرف میں جانتی ہوں اور میرا رمیز۔'' بڑی بہن نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

''آپ یہی انگوٹھی نادو کو پہنا دیجیے ممی۔ جو رمیز نے بارہ سال قبل اپنی منگیتر کو خفیہ طور پر پہنائی تھی۔''

''رمیز نام ہے جناب کا۔'' نادرہ نے دل میں ہی سرگوشی کی یعنی کوکو زمانے کی ساعتوں میں سرائیت کر گیا اور اب یہ رمیز صاحب ہیں۔ اب اسے آنٹی کا جملہ یاد آیا۔

''رمیز کی پوسٹنگ ایئر بیس ڈھاکہ ہونے والی ہے۔ مطلب کہ جناب پائلٹ ہیں۔ واہ یہ تو لاٹری نکل آئی بیٹھے بٹھائے۔'' اس کا دل بلیوں اچھلا۔

''میرا خیال ہے انگوٹھی کی رسم چائے کے بعد ادا کی جائے۔ میں اپنی دو نندوں کو تو اطلاع کر دوں ورنہ مقدمہ میری ساسو ماں کے کورٹ میں چلا جائے گا اور پھر ہمارا ہوگا سر اور ان کے ہوں گے جوتے۔'' امی نے یہ الفاظ بھی شوخی میں کہے تھے۔ سب چائے کے لیے ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ رمیز اور نادرہ ڈرائنگ روم میں خاموش بیٹھے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے گفتگو کا آغاز کیسے کریں؟ دونوں ہی الفاظ ڈھونڈ رہے تھے کہ امی مسکراتی ہوئی اندر آئیں۔

''میری دوست رمیز سے وہ باتیں کرو جو تم مجھ سے کیا کرتی تھی۔ لگتا ہے آج گونگے کا گڑ کھا لیا ہے تم نے۔''

''دوست......؟'' رمیز نے حیرت سے ان کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں رمیز، ہم ماں بیٹی تو ہیں ہی لیکن ہماری دوستی کا رشتہ بہت گہرا ہے۔'' وہ فخریہ لہجے میں بولی۔

''اس لیے آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ یہ ایسی ثابت قدم رہی کہ کیا مجال کہ کسی رشتے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ جاتی۔ اس نے ہمیں بہت پریشان کیے رکھا لیکن ضد سے باز نہ آئی۔ بچپن کی منگنی سے بھی انکار کر دیا۔''

''تھینک یو سو مچ نادو۔ میں بھی اپنا وعدہ بھولا نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ نادو میرا انتظار کر رہی ہوگی۔'' وہ نرمی کے ساتھ لگاوٹ سے بولا۔

''لیکن اتنی دیر کیوں؟'' نادرہ قوت ارادی کو مجتمع کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

''اگر دیر سے نہ پہنچتا تو تم مجھے ہرگز نہ ملتیں۔ اب میں فلائٹ لیفٹیننٹ ہوں۔ رسالپور سے کراچی ٹریننگ کے لیے گیا اور پھر فلائنگ ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد اب

ڈھا کہ پوسٹنگ ہو رہی ہے تو پھر ہوش آیا اور تم سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا۔" وہ لگاوٹ سے بولا۔

"تو وہ لبرٹی والا کیا چکر تھا؟ اور کالج کے باہر انتظار۔" یہ کہتے ہوئے نادرہ خوشی کے ہنڈولے جھول رہی تھی۔

"کیا زندگی میں ایسے معجزات بھی وارد ہوتے ہیں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ نیت درست ہو تو مقدر بدل جاتے ہیں۔ بچھڑے ساتھی مل جاتے ہیں اور زندگی شاندار اور شاہانہ ہو جاتی ہے۔" وہ حیرت و مسرت میں غرقاں سوچ رہی تھی۔

"شاید یہ میری محبت کی کشش تھی کہ کوکو ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گیا تھا۔ کیا یہ اتفاق تھا کہ وہ مجھ سے ٹکرا گیا۔ اور میری لعنت، ملامت بیزاری و خفگی کے باوجود یونیورسٹی کے گیٹ پر منتظر ملا۔"

❁ ❁ ❁

"ماشاء اللہ دلہن تو چودھویں کا چاند ہے۔" برات میں شامل ہونے والی خواتین نے مسز شیرازی سے پوچھا۔

"یہ رشتہ آنا فانا کہاں سے ڈھونڈ نکالا؟" رشتہ دار خواتین نے قیاس آرائی کی۔

"ہم سے چھپانے کے لیے اس رشتے کو راز میں رکھا گیا ہے۔ بھلا دو ہفتے میں اتنا بڑا کام کیسے ہو سکتا ہے لیکن بھابی مان کے نہ دیں گی۔"

"ارادے کی پکی اور ضدی جو ٹھہریں۔"

"ہاں بھئی غیروں کو اپنے رزق پر عیش کرائے گی۔" چھوٹی بھابی نے طویل آہ بھری۔

"تم تو بچپن سے کوکو پر آنکھ دھرے بیٹھی تھی۔ یہ تمہاری غلطی نہیں تھی بلکہ تمہارا حق تھا۔" بڑی نے اس کے زخم کو کریدا۔

"قسمت کی بات ہے جوڑ لکھا ہوتا تو پھر دیکھتی کہ یہ سر کے بل چل کر آتی۔" وہ بھنوئیں چڑھا کر بولی۔

"ویسے میں دل کی بات بتاؤں۔ پائیلٹ مجھے بے حد پسند ہیں لیکن بیٹی کا رشتہ طے کرتے ہوئے دس بار سوچتی کیونکہ پائلٹ کی آخری آرام گاہ تو ہر وقت انتظار میں ہوتی ہے۔ ہمارے لیے اچھا ہی ہو گیا کہ نہ رشتہ آیا نہ سوچنے کا موقع ملا نہ ہی اپنا سمجھ کر فیصلہ کرنے کی مجبوری ہوئی۔"

"انگور کھٹے ہیں کیونکہ وہاں تک اس کی رسائی جو نہیں۔" دیورانیوں نے کانا پھوسی کی اور وہاں سے اٹھ کر نادرہ کی ماں کے پاس پہنچ گئیں۔

"بھئی ہمارے تصور میں نادو کا دلہا تو کوئی اور ہی تھا۔ کھودا پہاڑ تو نکلا چوہا کے مصداق کچھ اور ہی پایا۔" نادرہ کی بڑی پھوپی نے آنکھیں گھما کر کہا۔

"بھابی جہاں بچوں کی قسمت لکھی ہوتی ہے وہاں رشتہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ میری زندگی کا یہ پہلا تجربہ مجھے بہت بڑا سبق سکھا گیا۔" نادرہ کی ماں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا سبق سیکھ لیا تم نے غیروں میں رشتہ دے کر۔ بھلا ہم بھی تو سنیں۔" بڑی بھابی نے تنک کر کہا۔

"بھابی یہ سبق سیکھا ہے کہ بیٹیوں کی طرف سے بھی بے فکر ہو جاؤں۔" وہ صلح جو انداز ہیں بولی۔ "جہاں ان کے مقدر لکھے ہیں۔ وہی ہو کر رہے گا پھر پریشانی کیسی؟ کیوں بھابی ٹھیک کہا ہے ناں۔"

"تمہاری دیورانیاں آس لگائے بیٹھی ہیں۔ اب پھر غیر کے دروازے کو سجدہ گاہ مت بنا لینا۔ بیٹی تو غیروں میں دے ڈالی تم نے۔ اس کا مزا بہت جلد چکھ لو گی۔ میرے ابا کہا کرتے تھے۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے کہ کبھی بھی وکیل کے ساتھ رشتے اور پیسے کا لین دین مت کریں۔ وہ تمہیں کنگلا کر دیں گے۔ اور یہ تو ہے بھی جج۔ اللہ خیر ہی کرے۔" بڑی بھابی نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"ارے بھابی کیسی باتیں کرتی ہیں آپ؟ میرے پاس نہ تو بے حساب دولت ہے کہ کوئی اس کو ہتھیانے کی کوشش کرے گا۔ نہ ہی یہ لوگ لالچی ہیں۔ جہیز کے لیے ایک سوئی تک تو لی نہیں۔ انسان کے کردار کا علم اس کے عمل سے ہوتا ہے۔ دوسروں کی پیشن گوئیوں پر کان دھرنے سے پہلے اپنے دل کی گواہی پر کان دھریں۔" وہ بے پروائی سے بولی اور مہمانوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ خود کلامی کرتی ہوئی عالم متذبذب میں گھر گئیں۔ جب اسٹیج پر نظر پڑی تو

دل باغ باغ ہوگیا۔ سب حسد و عناد سے جل کر راکھ ہوگئی ہیں۔

"ذرا دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس جوڑے کو فرصت کے وقت میں اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اللہ نظر بد سے محفوظ رکھے۔ ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ۔"

کوئی بھی تجھ سا حسین اور نہ دیکھا ہم نے
ورنہ تو خدا نے اک مخلوق تراشی ہے

بہ گانی سے بھرپور طعنے اور نامناسب سوالات بھول کر نصرت مہمانوں میں کھو گئیں۔ رات کے گیارہ بجے نادرہ اپنے پیاروں کی دعاؤں کے سائے میں گلبرگ سے ماڈل ٹاؤن رخصت ہوگئی۔

ماں اپنی بیٹی اور گہری دوست کے بغیر کس بجھے دل کے ساتھ بستر پر لیٹی تھی۔ دکھ، درد اور خوشی و اطمینان کے حسین امتزاج کو فقط وہ ہی جانتی تھی۔ اس کے گھر کی رونق غیروں کے گھرانے کی زینت بن گئی۔ یہ جدائی اور دوری تو ہر ماں کا مقدر ہے۔ وہ خود کو بہلاتی رہی۔ آج میاں صاحب بھی بیڈ پر مسلسل کروٹیں بدل رہے تھے۔ میرے دل کا ٹکڑا کس زور آوری سے غیر چھین کر لے گئے اور میں مجبور و بے بس دیکھتا ہی رہ گیا۔

❁......❁......❁

"نادو...... پیکنگ کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھنا کہ غیر ضروری کپڑے اور زیور ساتھ لے جانا قطعاً ضروری نہیں۔ زیور تو اپنی امی کے حوالے کر دو اور یہ بھاری بھرکم چمکیلے بھڑکیلے کپڑے یہاں ہی چھوڑ جاؤ۔ مجھے اس کا اندازہ ہے کہ ان کی وہاں ضرورت نہیں پڑے گی۔" رمیز نے اپنی پیکنگ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے بھی ایسا ہی سوچا ہے۔" وہ خوش دلی سے بولی۔

"کوکو ہم تو ساڑھیوں کے دیس جا رہے ہیں۔ ایک سے ایک بڑھ کر خوب صورت ساڑھی خریدوں گی۔"

"ہاں...... مجھے یاد ہیں وہ دن۔ جب تم باجیوں کے دوپٹوں کی ساڑھی بنالیا کرتی تھی اور وہ تم پر غصہ کرنے کے بجائے تمہیں پیار کرنے لگتی تھیں۔" وہ شگفتہ لہجے میں بولا۔ "میں جانتا ہوں۔ تمہیں ساڑھی بہت پسند ہے۔"

"کوکو مجھے وہ دن یاد ہے۔ جب نمو باجی نے میرا میک اپ کر کے مجھے نادانستگی میں تمہارے پہلو میں بٹھا دیا تھا۔" وہ محبت سے لبریز لہجے میں بولی۔

"بالکل...... مجھے بھی یاد آ گیا ہے وہ سین۔ تم نے باجی کے لال دوپٹے کو ساڑھی بنا رکھا تھا۔ میں اس وقت ابو کے ساتھ جمعہ کی نماز کے لیے تیار کھڑا تھا۔ میں نے پاجامہ اور کرتا پہن رکھا تھا۔ جب باجی نے صوفے پر ہم دونوں کو بٹھا کر فوٹو کھینچی تھی۔ تب سے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں شادی نادو سے ہی کروں گا اگر نمو باجی یہ حرکت نہ کرتیں تو میرے ذہن میں یہ خیال ہرگز نہ آتا۔" وہ مزے لے کر بولا۔

"تھینکس ٹو باجی۔" نادو نے ذرا سا شرما کر کہا۔

"کہ تم مجھے مل گئی۔ آخر تم نے بھی تو میری خواہش کی لاج رکھ لی۔" وہ اسے گلے لگا کر بولا۔

"کوکو تمہیں بے یقینی کیوں تھی؟ جبکہ پہل تم نے ہی کی تھی۔" وہ مسکرا کر بولی وہ بھی ہنسنے لگا۔

"دراصل جب میں جوان ہوا، عقل و شعور بھی وقت کے ساتھ بڑھتا گیا تو مجھے اپنی بچگانہ اور بے وقوفانہ حرکت پر بہت ہنسی آنے لگی تھی کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دس سالہ لڑکی کو چودہ سالہ لڑکا ماں کی انگوٹھی چرا کر پہنا دیتا ہے۔ اور واپس آنے کا وعدہ اور اسے انتظار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہ حادثہ ایسا تمسخرانہ تھا کہ میں دل ہی دل میں سوچ کر نادم بھی ہوتا رہا اور کسی کو بتا بھی نہ سکا۔ بڑی باجی یہ جانتے ہوئے خاموش رہیں۔ جب ممی نے میرے لیے لڑکی ڈھونڈنا شروع کی۔ بلکہ دو تین سے ملوایا بھی گیا تو مجھے اپنا پرانا وعدہ یاد آتا رہا اور اپنی معصومانہ حرکت بھی۔ میں نے نمو باجی سے اپنی پارینہ حرکت کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے حوصلہ دیا کہ نادو کو ڈھونڈنا کون سا مشکل ہے۔ اگر اس کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تو وہ تمہاری ہی دلہن بنے گی۔ اسی پرانے گھر میں ہی اسے جا پکڑیں گے...... اس کے

بعد انہوں نے نجانے تمہارے بارے میں کہاں سے معلومات حاصل کیں کہ میرے وارے نیارے ہوگئے۔ اس کامیابی کا سہرا تمہارے حصے میں آتا ہے کہ تم نے محمود سے رشتہ توڑا اور اس کے علاوہ بھی تم نے بیسیوں رشتے ٹھکرائے اور میرا انتظار مستقل مزاجی سے کرتی رہیں۔ میری محبت کی انتہا بھی اک معجزہ ہی ثابت ہوئی۔" وہ اس کے لمبے بالوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔

"اس تمام کام میں میری امی دوست کا کردار بہت اعلیٰ رہا۔" وہ سرشارانہ ہوکر بولی۔

"اگر گھر میں ماں اور بہنیں بہترین دوستی کا رشتہ استوار کرلیں اور پھر اسے نبھانے کے لیے ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھیں تو پھر باہر کی دنیا میں دوستی ڈھونڈنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔" وہ اس کے جواب میں بولا۔

"میری کوئی بہن نہیں تھی، جس کا مجھے بہت قلق تھا۔ امی سے میری ایک ہی فرمائش رہتی کہ مجھے ہسپتال سے بہن لاکر دیں۔ جب ہمارے سامنے والے گھر میں چار عدد لڑکیاں آئیں تو میں انہیں اندر باہر آتا جاتا دیکھ کر حسرت سے سوچا کرتی تھی کہ کاش میری دس بہنیں ہوں تو کتنا مزا آئے پھر میں ہر وقت آپ کے گھر آنے لگی تو امی اس قدر فکر مند ہوئیں کہ انہوں نے مجھ سے دوستی کا آغاز کردیا لیکن میں نے باجیوں کے پاس آنا نہ چھوڑا۔ امی اپنی تگ و دو میں لگی رہیں لیکن انہوں نے مجھے باجیوں سے ملنے سے کبھی روکا نہ تھا۔ جب ایک سال بعد تم لوگ وہ گھر چھوڑ گئے تو وہ امی کی دوستی ہی تھی کہ میں سنبھل گئی۔ اس کے بعد میرے دل سے دوستی کی جستجو ایسی ختم ہوئی کہ تمہاری یاد اور تمہارا پیار اور لگاؤ امی کی دوستی کی ہمراہی میں چلنے لگا۔ اسے بچپنا سمجھو یا نادانی کہ تمہارا انتظار کرنے لگی۔" دونوں نے طمانیت کے ساتھ بھرپور مسکراہٹ سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پیکنگ کرنے لگے۔

"نادو ایک بات کہوں۔" وہ سوٹ ہینگر کرتے ہوئے بولا۔

"جی بولو کوکو، کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ اٹیچی کو بند کرتے ہوئے بولی۔

"آج سے لوگوں کے سامنے میں رمیز ہوں اور تم نہیں آپ ہوں۔" وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ "تم نے اپنے اور میرے خاندان میں یہی دیکھا ہے ناں کہ شوہر کے معاملات خاصے گمبھیر ہوتے ہیں۔ بیوی کے لیے لیکن ہماری بیک گراؤنڈ میں مماثلت کی وجہ سے ہمیں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"کوکو بالکل درست کہا، دراصل میں ابھی تک ماضی کے کوکو کی قربت میں کھوئی ہوئی ہوں، اور اس کی رفاقت میں بے یقینی سے رہ رہی ہوں۔ رمیز آپ نے بہت اچھا کیا، یاددہانی کا شکریہ۔ میں تو ایک اتفاق کے معجزے پر ابھی تک حیران اور بے یقین ہوں اور آپ کی محبت بھری باتوں میں تمام مینرز ہی بھول گئی۔" وہ کھلکھلا کر بولی۔

"ہمارے کلچر کی کچھ روائتیں اور رواج بہت اعلیٰ وعرفا ہیں ان کو اپنانے سے محبتوں میں کمی نہیں آتی۔" وہ بھی شگفتہ لہجے میں بولا۔

"ایگری..... اینڈ آئی لو یو رمیز۔" دونوں کے قہقہے کمرے میں گونج اٹھے۔

❁ ❁ ❁

نادو ابھی تک نائیٹی میں ہی بیٹھی گریز کو بریسٹ فیڈ کرا رہی تھی اور اس معصوم کو لوری سنا کر سلانے کی کوشش میں تھی۔ ریشم اور شہزادی نے نیا نیا چلنا سیکھا تھا۔ اب تو وہ کسی کے ہاتھ نہیں آتی تھیں۔ خالہ کی عمر ایسی بھی نہ تھی کہ وہ ان کے پیچھے بھاگ نہ سکتی لیکن غربت کی صورت اس کے بدن اور چہرے پر وقت سے پہلے ہی عیاں ہوچکی تھی۔ حالانکہ جب سے وہ نادرہ کے پاس آئی تھی۔ وہ صحت اور لباس کے لحاظ سے بہت بہتر ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود بچیوں کے پیچھے بھاگنا کہ وہ کہیں خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لیں لازمی ہوگیا۔ عبدالرحمن اس کی حالت زار پر اس کا خوب تمسخر اڑاتا اور اسے نوکری چھوڑنے کا مشورہ بھی دینا ہر روز کا معمول بن گیا تھا۔

وہ بچیوں کے ساتھ لان میں موجود تھی۔ نادرہ نے اسے دو تین بار اونچی آواز میں بلایا تو عبدالرحمن نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ موقع غنیمت جانا اور دستک دیئے بغیر کمرے میں آ گیا۔ نادرہ بے اختیار ہو کر چیخی۔

"میں نے آواز تمہیں نہیں دی کہ منہ اٹھائے سوچے سمجھے بغیر ہی آ دھمکے۔ تمہیں اتنی جرأت کیسے ہوئی؟" وہ بستر کی چادر میں خود کو لپیٹتے ہوئے بولی۔

"عبدالرحمن خالہ کو بھیجو، وہ کہاں چلی گئی ہے؟ بچیوں کے ساتھ مجھے فکر ہو رہی ہے۔ جاؤ میرے بھیا اس کو ڈھونڈ لاؤ۔" وہ پہلے تو اسے کمرے میں آتے دیکھ کر لرزی پھر اپنی آشفتہ ہمت کو بحال کرتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"وہ باہر لان میں ہے۔ مجھے کام بتایئے۔ بیگم صاحبہ مجھے آپ لوگوں کی عقل و سمجھ کا اندازہ نہیں ہو رہا کہ خالہ بھی اس گھر کی نوکرانی ہے اور میں بھی خدمت گار ہوں۔ اسے مجھ سے تنخواہ بھی زیادہ دے رہی ہیں اور کام مجھ سے بے حساب لیا جاتا ہے جبکہ وہ آپ کی لاڈلی اور چہیتی خالہ اور بچیوں کی نانی کا رتبہ حاصل کر چکی ہے۔" وہ نخوت سے بولا۔

"یہ انصاف کے دائرے سے خارج ہے کہ آپ مجھ سے بات تک نہیں کرتیں اور وہ منحوس اسی کا فائدہ اٹھا رہی ہے۔"

"عبدالرحمن اس وقت تم یہاں سے جاؤ۔ اگر تمہیں کچھ شکایتیں ہیں ہم سے تو بعد میں بات کر لیں گے۔ صاحب ہی اس مسئلے کا حل سوچ سکتے ہیں۔ میرے اتنے اختیارات نہیں ہیں۔" وہ بمشکل بولی۔

"چلو میرے بھیا یہاں سے فوراً چلے جاؤ اگر صاحب نے تمہیں میرے کمرے میں دیکھ لیا تو وہ تمہیں ایئر فورس سے نکال کر ہی دم لیں گے۔ تم ان کے غصے کو نہیں جانتے۔"

"بیگم صاحبہ...... آپ ابھی تک بنگالی کے مزاج کو سمجھ نہیں پائیں۔ یہ قوم غیرت کی سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہ ہوتی تو آج تم لوگوں کو ناک سے چنے نہ چبوا رہی ہوتی۔ اس لیے آئندہ مجھے یہ دھمکیاں اور تڑیاں دینے سے پہلے سوچ لینا کہ سامنے کون کھڑا ہے۔"

"عبدالرحمن جو کبھی سیٹھ کی اولاد تھی، تمہاری قوم نے بھکاری بنا دیا۔ لوٹ کر لے گئے سب کچھ اپنے ملک میں۔ اب تو ہم ان حرام خوروں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ ایک ایک کو چن چن کر نہ مارا تو پھر ہم بنگالی کہلانے کے قابل تو نہ ہوئے۔" غصے سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ نادرہ نے خاموش رہنے میں ہی اپنی عافیت جانی تو فتح مندانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔

"لیکن بیگم صاحبہ آپ سے وفا ہی کروں گا۔ پانچ انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں۔ لائیں اپنا ہاتھ دکھائیں۔ ذرا دیکھوں کہ آپ کے ہاتھوں کی انگلیاں کتنی ہیں۔" وہ گلریز کو سینے سے چپکا کر بولی۔

"عبدالرحمن، میرا خیال ہے تم اس گھر کے اصولوں کو بھول چکے ہو۔ دہرائے دیتی ہوں۔ تمہارا کام کچن، برآمدے اور ڈائننگ روم تک محدود ہے۔ اندرونی حصے کا کام خالہ کی ذمہ داری ہے تمہاری نہیں۔ کان کھول کر سن لو اور ان دیدوں کو نیچا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہیں گولی سے اڑا دوں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ چیخ رہی اور وہ ڈھیٹ بنا اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا۔ وہ بے بسی کے عالم میں چیخیں مارنے لگی اور گلریز نے بھی استحقاق سے رونا شروع کر دیا۔

یک دم اسے پستول کا خیال آیا۔ اس نے جونہی سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی تو عبدالرحمن نے جھپٹا مار کر دراز سے پستول نکال لیا۔

"تم مجھ پر گولی چلاؤ گی۔ یاد رکھو کہ اللہ نے پاکستانی عورتوں، مردوں اور بچوں کے لیے عزرائیل مقرر کر دیا ہے۔" بستر پر پستول کو پھینک کر وہ دندناتا ہوا باہر نکل گیا۔

"او مائی گاڈ...... یہ تو پاگلوں کا بھی باپ نکلا۔ آج مجھ پر گولی چلا سکتا تھا۔ خالہ بے چاری سچی تھی۔ اس نے آج مجھ میں اور خالہ میں کوئی تمیز ہی نہیں کی۔" وہ خود کلامی کرتی ہوئی بیڈ سے اٹھی اور تیزی سے دروازے کی چٹخنی چڑھا کر

گلریز کی طرف پلٹی وہ رو رو کر نڈھال ہو چکا تھا۔ اس نے اسے اپنی چھاتی سے لگا کر بوسہ دیا۔ "مجھے آج یہ پاگل بہت فائدہ مند درس سکھا گیا ہے۔"

"مجھے بچوں سمیت یہاں سے چلے جانا چاہیے، وہ وقت آ گیا ہے کہ رمیز کو مجبوراً یہاں اکیلا ہی چھوڑنا پڑے گا لیکن آج سے اس پاگل کا دانہ پانی اس گھر سے اٹھ گیا۔" وہ گلریز کو کاٹ میں لٹا کر باتھ روم میں چلی گئی۔

"آج میری نجات دہندہ بھی مجھ تک نہ پہنچ سکی، اتنی سی سکیورٹی ہے یہاں کہ اپنے گھر کی چار دیواری میں غیر محفوظ ہیں ہم۔" وہ تیار ہو کر رمیز کو بازوؤں میں سمیٹے ہوئے باہر نکلی تو عبدالرحمٰن سامنے ہی نظر آ گیا۔

"عبدالرحمٰن تمہیں میں پاگل سمجھتی رہی اور خالہ کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کرتی رہی۔ میں تم پر رحم اور ترس کھاتی رہی جبکہ تم تو گھر کے اندر رکھنے کے قابل ہی نہیں ہو۔ غصہ، پاگل پن اور بے باکی تو دوسروں کے لیے بھی تباہی اور بربادی کا باعث بن سکتی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یا تم اس گھر میں رہو گے یا میں۔ تمہارے صاحب نے تمہیں خوب سر پر چڑھا رکھا ہے۔ یہ اسی کے نتائج ہیں کہ تمہاری یہ ہمت کہ تم میرے کمرے میں اجازت کے بغیر آ گئے۔"

"بیگم صاحبہ...... معاف کر دیں۔ دراصل مجھے جن پڑ جاتا ہے۔ مجھے خود پر اختیار نہیں رہتا۔" وہ اس کے پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا اور دھاڑیں مار کر رونے لگا۔

"میرے پاؤں چھوڑ دو عبدالرحمٰن۔ تم نے اپنا اعتماد کھو دیا ہے۔ تم اسی وقت میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔" وہ غیظ و غضب اور تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

"بیگم صاحبہ، جب تک معاف نہیں کریں گی آپ کے پاؤں پر گرا رہوں گا۔ میری ماں کہا کرتی تھی کہ مجھ پر بچپن میں ہی جن عاشق ہو گیا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہیں۔ دم درود سے جن کو بھگائے رکھا۔ اب میری جان پھر اس کی گرفت میں ہے۔ وہ جب بھی مجھ سے خفا ہوتا ہے میری زبان کو ریل کار کی مانند تیز کر دیتا ہے۔ آپ میری بہنوں جیسی ہیں۔ دم درود سے مجھے شانت رکھ سکتی ہیں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر کسی مجرم کی طرح التجائیہ لہجے میں بول رہا تھا۔

"اچھا اٹھو یہاں سے۔ آج کے بعد تم کچن سے باہر نکلے تو اسی وقت چھٹی کرا دوں گی۔ بھرتی چاہے پکی ہے یا کچی ایئر فورس سے نکلوانا بہت آسان ہے۔ یہ مت بھولنا۔" وہ نرماہٹ میں دھمکی دینے کے انداز میں بولی۔

"تم نے مجھے بہن نہ کہا ہوتا تو تمہاری آج کی رات جیل میں ہی گزرتی۔"

"آپ کا شکر گزار ہوں۔ آئندہ ایسی غلطی سرزد نہیں ہو گی۔ میرے لیے دعا کیجیے کہ رب مجھے جن سے آزاد کرا دے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"یہ سب بکواس ہے، تمہارا وہم ہے، جس گھر میں قرآن اور صوم و صلوٰۃ کی جائے وہاں کسی بھوت پریت کا سایہ تک نہیں پڑتا۔ انسان کے وجود میں بس جانا تو ہے ہی ناممکن جاؤ اپنے لیے چائے بناؤ اور باہر کی کھلی فضا میں پی کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرو۔ خبردار جو خالہ سے بات کی۔ تم نے تو آج اس کی پیشن گوئی سچی کر دکھائی ہے۔ تمہارا رویہ ہے تو باعث فکر اور قابل ملامت۔ سوچنا پڑے گا۔" وہ فوراً اس کے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر سسکنے لگا تھا۔ وہ نرم لہجے میں سمجھانے لگی۔ "دیکھو میں تمہاری بہنوں جیسی ہوں ناں۔ تم نے خود ہی یہ مقدس رشتہ مجھ سے استوار کر لیا ہے۔ اب اس رشتے کی لاج رکھنا۔"

"آپ حکم کریں بیگم صاحبہ۔" وہ ہاتھ جوڑے اور سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"جو مرد اپنے اہل خانہ کی ذمہ داریاں اٹھانے کے بجائے نشہ کرتا ہو، تمام تنخواہ نشہ آور چیزوں پر ضائع کرے تو اس کو ایک نہیں ہزاروں جن چمٹ سکتے ہیں۔ ابھی تو ایک جن کے قبضے میں ہے تمہاری جان تو یہ حال ہے کہ نہ چھوٹے بڑے کا لحاظ رہا نہ اچھے برے میں تمیز رہی نہ لفظوں کے چناؤ کا طریقہ، سلیقہ رہا نہ اپنی فکر نہ دوسروں کا غم رہا تو تم جن نہیں ایسی صورت میں جانور کہلانے کے قابل ہو وہ بھی کوئی آوارہ گلیوں کا کتا۔" وہ آہستگی سے سخت

الفاظ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مجھے معاف کرنے کا شکریہ بیگم صاحبہ۔"

"جاؤ مجھے اپنے ہاتھ کی مزے دار کافی پلاؤ۔" وہ مسکرا کر بولی تو وہ کچن کی جانب بڑھ گیا۔

"میں ہوں ہی ایسی۔ رمیز آپ کو اب تک تو مجھے سمجھ جانا چاہیے ناں۔" وہ کروٹ بدلتے ہوئے خود کلامی کرنے لگی۔

"میں تو وہ لڑکی ہوں کہ کمزور اور بے بس لوگوں کی مسیحا و مربی بن جانے والی۔ کالج میں ہمیشہ ہاری ہوئی ٹیم کی طرف داری میں حدیں کراس کر جایا کرتی تھی۔ جن کلاس فیلوز کے پاس پہننے کے لیے اچھے کپڑے نہیں ہوتے تھے۔ انہیں اپنے نئے کپڑے تحفے کی صورت میں پیش کر کے خوشی و سکون کے ہلکورے لینے لگتی تھی۔ جب مالی اپنے لان میں پودوں کی گوڈائی کرتا تو میں وہاں سے تمام گھونگھے برتن میں جمع کر دیا کرتی تھی۔ میرا مقصد ان کی جان بچانا ہوتا تھا کیونکہ امی دوست عموماً کہا کرتی تھیں کہ کیاریوں میں نمک کا چھڑکاؤ کرنے سے گھونگھے مر جاتے ہیں اور پودے تیزی سے بڑھنے لگتے ہیں میں ہمیشہ مالی کو یہ ظلم کرنے سے منع کیا کرتی تھی۔ گھونگھے مجھے بے حد مرنجاں مرنج، مجبور اور پامال معلوم ہوا کرتے تھے اور یہ کیسے ممکن تھا کہ میں ان کی جان کی سلامتی کے لیے چاق و چوبند نہ رہتی۔ برسات کے موسم میں کینچوئے زمین پر نقش و نگار بناتے ہوئے مجھے خوب فیسی نیٹ کیا کرتے تھے لیکن میرے بھائیوں کا یہ حال تھا کہ ان سے بے پناہ نفرت کرتے انہیں ان سے گھن آیا کرتی تھی۔ وہ انہیں پاؤں تلے کچلتے ہوئے گزر جایا کرتے تھے۔ جو مجھے بہت ناگوار گزرا کرتا تھا۔ میں تو کسی چیونٹی کی قطار کو بگاڑنے والی لڑکی نہیں ہوں۔ کچل دینا تو در کنار انہیں چینی کھلانے کے لیے تیار ہو جاؤں...... عبدالرحمن تو انسان ہے۔ اسے کیسے بے گھر، بے روزگار کر دوں؟ جبکہ وہ ایک بیمار غریب اور زمانے کا ستایا ہوا انسان ہے۔ اس کا علاج کرانے کے بجائے اسے در در کی ٹھوکریں کھانے اور گلیوں، بازاروں میں بھیگ مانگنے کے لیے چھوڑ دوں۔ ایسا ظلم و ستم کرنا میرے بس کا روگ نہیں میں نے میڈیکل کو اللہ حافظ کیوں کہا تھا؟ اس کی وجہ امی کے سوا کوئی نہ سمجھ سکا لیکن بدقسمتی سے ہر ایک نے میری پیشانی پر لیبل چسپاں کر دیا تھا کہ میں اپنی نالائقی کے در پردہ رحم دلی کا ڈھونگ رچا رہی ہوں حالانکہ ایسا ہرگز نہ تھا۔ مجھے بائیولوجی کی کلاس میں طرح طرح کے جانوروں کی چیر پھاڑ سے نفرت تھی اور میرے نظریہ کے مطابق یہ زیادتی اور تشدد کے زمرے میں آتا تھا۔ میں عموماً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرتی تھی کہ میرے رب نے مجھے ایک عورت بنا کر اس دنیا میں اتارا۔ بے شک میں غیر حقیقی اور ایک تخیل کی پیداوار سہی۔ میرا نام بھی پھولوں کی مہک بکھیرتا ہوا اور مجھے ناز و انداز سے پالا بھی گیا۔ آرائش و زیبائش کا حق بھی مجھے پیدائش سے ہی سونپا گیا اور مجھے دنیا کے حسن و جمال کا خطاب بھی بخشا گیا، مجھے پراسرار سمجھ کر میری شخصیت کو کھوجنے کی اس کی تہہ تک پہنچنے کی کس کس دانشمند و دور اندیش مرد نے کوشش نہیں کی لیکن وہ اسے سمجھنے سے قاصر ہی رہا۔ اس لیے اسی مرد نے انتقام کی صورت میں مجھے غیر یقینی و غیر حقیقی کا توہین آمیز رتبہ دے کر مجھے اس معاشرے میں گرا دیا۔ یہی تو وجہ ہے کہ جہاں مرد سے سامنا ہوتا ہے۔ چاہے وہ استاد ہو یا حکمران، باپ ہو یا بھائی، مالی ہو یا ڈرائیور اور چاہے عبدالرحمن ہو۔ مجھے حقارت بھری نظروں سے گھورتا ہے۔

کیونکہ وہ مجھے اللہ کی مخلوق نہیں سمجھتا یقیناً وہ مجھے جنس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتا؟ آج کی یہ حرکت جو عبدالرحمن نے مجھے کمزور اور خود کو مضبوط سمجھ کر کی ہے۔ ناقابل معافی ہے لیکن پھر میری نرم دلی آڑے آنے لگی ہے۔ کہ اس نے معافی مانگ لی اور میں نے اسے معاف کر دیا۔ اتنی آسانی سے آنا فاناً۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر رمیز کو بتا دیا تو وہ اس کی تو چھٹی کرنے میں پل بھر کو بھی سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے لیکن ساتھ ہی مجھے کل ہی واپس لاہور رخصت کر دیں گے۔ یہی تو رونا ہے کہ نہ ہی مجھے میری

مرضی اور پسند پر اختیار ہے۔ نہ ہی فیصلہ کرنے پر عبور حاصل ہے۔ مجھے آج رمیز پر بھی گلہ ہونے لگا ہے کہ ان کے حکمرانہ اور اجارہ دارانہ رویے کو یہ دو ٹکے کا پاگل انسان بھی خوب سمجھتا ہے اور مجھے اپنی بیگم صاحبہ کے بجائے اک عام عورت نہ سمجھتا تو اس قدر بدتمیزی پر نہ اتر آتا۔ رمیز یہ سن کر بہت پریشان ہو جائیں گے۔ میں انہیں فلائنگ کے دوران پریشان کیوں کروں۔ اس پاگل کا تو نقصان نہیں ہوگا۔ میں گھاٹے میں اور میرے یہ معصوم بچے خسارہ بھگتیں گے۔ میں ایسی غلطی ہرگز نہیں کروں گی۔ عبدالرحمن کو ایک بار معاف جو کر دیا ہے پھر کیوں ڈبل مائنڈڈ ہو رہی ہوں۔" وہ خود کو سمجھانے لگی۔

کچھ گم صم سی، کچھ کھوئی ہوئی اور کچھ ناخوش سی وہ آنکھیں موندھے سونے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی خمار آلود آنکھیں اس قدر خوب صورت تھیں کہ کاجل کی دھار میں بھی حسین اور اس کی لکیر کے سوا بھی پرکشش جو پلکوں کے پردے میں چھپی ہوئی بادام کی مانند ابھری ہوئی تھیں۔ اپنے ساتھی کا انتظار کرتے ہوئے اس کی کہیں آنکھ لگی ہی تھی کہ رمیز نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر آ گیا۔ گلریز کو نرماہٹ سے ہاتھ لگا کر اس نے چھوا اور بیڈ کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے جھک کر نادرہ کی بند آنکھوں کو نرمی سے چوما تو نادرہ کو محسوس ہوا جیسے عبدالرحمن حملہ آور ہو گیا ہے۔ وہ چیختی ہوئی بیٹھ کر کمرے کی دھیمی سے روشنی میں رمیز کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف و ہراس تھا۔ رمیز نے اسے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

"نادو...... میں ہوں تمہارا رمزی بابا۔ کیا ہوا؟ ہوش میں آؤ اور چیختا چلانا بند کرو جان، تمہاری آواز باہر تک جا رہی ہے۔ بولو جان کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے یا دن بھر کسی پریشانی نے تمہارے ذہن کو جکڑے رکھا ہے؟" وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر اس کی پشت پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوالات کر رہا تھا تو نادرہ کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ ایک مضبوط قلعے میں محفوظ ہے اور اس کے شوہر کا میٹھا اور سریلا پیار اسے مدھر اور پرلطف نغمہ سنا رہا ہے اور وہ اس میں دھیرے دھیرے مدہوش ہوتی جا رہی ہے اور اس کے ہاتھوں کی نرماہٹ ریشم کی مانند ملائم اس کے وجود کو اپنے اندر سما رہی ہے۔ وہ بے خودی کے عالم میں اس سے دیر تک چمٹی ہوئی سکون و اطمینان کے گہرے سانس لیتی ہوئی خوف و ڈر کے بوجھ سے نکلنے لگی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے تخیل کا ایک گوشہ جہاں اس کی محبت و پسندیدگی اور وفا و ایثار کی سرحدیں ملتی ہیں۔ وہاں احساس تحفظ میٹھی سرگوشیاں کر رہا ہے۔ ذہن میں یکبارگی موسیقی کی جگہ شور نے لے لی اور دن کا اپی سوڈ خوف و خدشے کی صورت میں ابھرا اور نادرہ نے اسے بھینچ لیا۔ دل کی تیز دھڑکن کی آواز کو رمیز نے محسوس کیا۔ اس کے ذہن میں طوفانی لہروں کو آتے جاتے پایا تو رمیز نے فکرمندی اور حیرت سے ہاتھ بڑھا کر سرہانے رکھے ہوئے ٹیبل لیمپ کا بٹن دبا کر کمرے میں روشنی کر دی۔ اس نے نادرہ کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں لیا جو پیلا سرسوں کی مانند اور پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھرے ہوئے اس کے اندرونی جذبات کی غمازی کر رہے تھے۔

اس کے نرم اور مخروطی انگلیوں سے مزین گورے ہاتھوں میں تھرتھراہٹ تھی۔ وہ اضطراری کیفیت میں اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ نادرہ نے آنکھیں کھول کر رمیز کو نظر بھر کر دیکھا تو اسے محسوس ہوا۔

"جیسے اپنے ساتھی کے ہاتھوں کی حدت اور اس کی چاہت کی گرمی تو میرے لیے آب حیات ہے پھر اس قدر احساس خوفزدگی کیوں ہے؟" دل میں سرگوشی کرتے ہوئے اس نے اس کے چہرے کو چھوا کس قدر پرسکون اور اطمانیت سے بھرپور عافیت اس کے وجود کو چھونے میں ہے اور اس کی تسلی بخش نگاہوں میں اک سندیسہ ہے عشق و دیوانگی اور چاہت کا۔ سمجھ گئی کہ کتنا ہی گہرا گھاؤ کیوں نہ ہو؟ اس کی توجہ اور محبت کی چاشنی سے پھاہا بن جاتا ہے اور احساس تحفظ تو مسرت و فرحت، راحت و طمانیت کو جنم دے کر مجھے مال دار بنا دیتا ہے پھر اس قدر ڈر اور خوف کیوں ہے؟

اس کے سوچتے ہی اس کے ٹھنڈے کپکپاہٹ ہاتھوں میں ٹھہراؤ آ گیا اور بھاگتے دوڑتے ہوئے دل کی رفتار بھی مدھم پڑ گئی اور اس نے عالم سپردگی میں رمیز کے سینے سے لگ کر آہستگی سے کہا۔

”رمزی بابا آئی ایم سوری، آپ کو خوامخواہ ہی پریشان کردیا۔ گھر آتے ہی کیسا نرالا اور ڈراؤنا ویلکم کیا، سوری رمزی بابا۔“

”مجھے یہ بتاؤ کہ تم خواب میں کیا دیکھ رہی تھیں؟ میں جانتا ہوں کہ تم نے دن بھر ریڈیو پاکستان سے خبریں سنی ہوں گی۔ خالہ کی پیشن گوئیاں اور قیاس آرائیوں کو سن کر اندازہ لگایا ہوگا کہ میرا رمیز تو شہید ہوگیا، ہائے میں کیا کروں گی، زندگی کیسے بتاؤں گی؟ کیوں نادو تم نے ایسا ہی سوچتے ہوئے جھپکی لی ناں اور پھر خواب میں بھی ایسا ہی سب کچھ دیکھا ہوگا اور وہی خواب تمہاری جان کے درپے تھا کہ میں آ گیا۔ تم نے سمجھا کہ موت کا فرشتہ اب مجھے بھی لینے آ گیا ہے۔“ وہ مزاحیہ انداز میں بولا تھا۔ تو وہ اسی حالت میں سوچنے لگی۔

”میری جان، میری روح تمہیں میری زندگی لگ جائے۔ تم کیا جانو کہ تم سے دیوانوں جیسی محبت اور قربت چاہتی ہوں۔ میرا بس چلے تو تمہیں اپنی نظروں سے ایک پل کے لیے دور نہ ہونے دوں۔ یہ میری محبت کی انتہا سمجھو کہ میں نے مشکل ترین حالات میں بھی تمہیں یہاں اکیلے چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کیا۔ ورنہ دھمکی کی غرض سے سب کچھ پیک کرچکی ہوں۔ کیا کروں؟ انتظار بہت بڑا امتحان ہے۔ ذرا سوچو کہ میں امی دوست کی لاڈلی ان کی قربت میں خاندان بھر کی محبتیں اور چاہتیں سمیٹ رہی ہوتی لیکن افسوس کہ وہ سب رائیگاں جاتیں۔ جب میں تمہاری جدائی میں ان کے پیار اور خلوص کو بے قیمت کردیتی اور تمہارے پاس آنے کی رٹ لگا دیتی تو میں نے سوچا کہ تمہاری جدائی کی اذیت سے یہاں کی آزمائش ہزار درجہ کم ہے۔“ یہ سوچتے ہی وہ سنبھل گئی۔

اسے اسی سورۃ آل عمران کی آیت ۔ سے سو فیصدی اتفاق تھا کہ ”جہاد بھی نماز روزے کی طرح عبادت ہے۔ جس کے ساتھ دعا بہتر ہے۔“ دوسرے یہ کہ دعا سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہیے۔ جیسے حمد الٰہی اور درود شریف پڑھنا کہ یہ سب دعا کے آداب ہیں۔ تیسرے یہ کہ جہاد میں اپنے سامان اور فوج کی تعداد پر بھروسا نہ کرے۔ رب کے کرم پر کرے۔ وہی ہار کو جیت میں بدلنے والی ہستی ہے۔ جس کی عظمت اور بڑائی کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ نادرہ نے جب سے یہ خوب صورت سورہ پڑھی تھی۔ اس نے نماز کی پابندی شروع کردی تھی۔ بیٹے کو اپنا شیر پلاتے ہوئے قرآن کریم کی تلاوت کرتی اور ہر لفظ کے معنی میں کھو کر دیر تک سوچتی رہتی اور جب بھی رمیز واپسی میں کچھ دن لگاتا تو وہ روزہ رکھ کر اس کی جان کی سلامتی کی دعا مانگا کرتی تھی۔ وہ رمیز کے جذبہ اور جہاد کو اس کی شخصیت میں کی موجودگی کو بخوبی جانتی تھی اور ہمیشہ اسی ذات پر بھروسا رکھتے ہوئے اس کی عبادات کا مربوط تسلسل ہر لمحے اسے رب کے قریب کررہا تھا اور دل اس سے چین وسکون کی بانسری بجانے لگتا تو وہ الماری کھول کر رمیز کی تمام یونیفارمز پر عقیدت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے ان پر دم کرتی اور اپنے رب سے ایک ہی التجا کرتی۔

”میرے رب میرے رمزی بابا کو سرخرو رکھنا۔ کبھی شرمندہ نہ کرنا۔ کبھی خلش اور پچھتاوے کی جان لیوا دنیا کا باسی نہ بنانا اور انہیں عمر دراز عطا فرمانا۔ اس حقیر وناچیز ساتھی کی زندگی کا ہر لمحہ ان کی تقدیر کی لوح پر کندہ کردینا۔ میں ان کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ میرے رب مجھے ہمت اور حوصلہ دینا۔ آخر میرے بھی تو کچھ فرائض ہیں۔ بچوں کی تربیت کے ہمراہ مجھے بھی تو اپنی عزت وتکریم، خاندانی وقار اور اس پاک وطن کی بیٹی ہونے کے ناتے اپنی جان کو اس قدر عزیز اور اہم رکھنے کی ضرورت ہرگز نہیں کہ میرا وطن، میرا خاندان، میرا شوہر اور میری یہ نئی نسل ندامت وافسردگی اور پچھتاؤں میں گھری دنیا والوں کو اپنا چہرہ نہ دکھا سکے۔ میرے رب مجھے ہمت وحوصلہ دینا۔ میری عزت میرے وطن سے ہے اور میں اپنی اسی دھرتی کا مان اور غرور

ہوں کیونکہ پاکستانی نسل مجھ سے چلتی ہے۔"

"نادو...... مجھے یہ بتاؤ کہ آج کی ہیر اور ماضی کی ہیر کے عشق میں کیا فرق ہے؟" وہ ناشتہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تو نادرہ اس سوال سے ایک دم چونکی۔

"کیا فرق ہے؟ ذرا سوچنے دیجیے۔" توقف کے بعد گویا ہوئی۔

"رمیز، زندگی میں ہر وقت خوشی اور غمی، ہجر و وصال اور محبت و نفرت ایک دوسرے کی ہمراہی میں چلتی ہیں۔ آج کی ہیر میری طرح اپنے بڑوں سے اپنی محبت پر ہاں کی مہر ثبت کروانے کی ہمت بھی رکھتی ہے اور ان کے اوصاف سے بھی واقف ہے۔ کل کی ہیر بالکل آج کی ہیر کے برعکس ڈیپریشن کی ماری ہوئی ذہنی مریض کہ خودکشی کرلو یا اپنے عاشق کے ساتھ فرار ہو جاؤ۔" وہ ہنستے ہوئے لوٹ پوٹ ہوتی ہوئی رمیز کے لیے چائے بنانے لگی۔ اتنی دیر میں خالہ بھی بچیوں سمیت وہاں آ گئی اور انہیں ڈائننگ چیئرز میں بٹھانے لگی۔

"تھینک یو ریشو اور زادی۔ آج تو پہلے نوالے کے ساتھ آپ کی ماما کو امتحانی پرچہ تھما دیا گیا تھا۔ ایک سوال ہی حل کر پائی تھی۔ بقیہ پرچہ کل سہی۔" وہ خوش دلانہ لہجے میں بولی تو رمیز بھی شوخی میں بولا۔

"تمہارا ایک جواب ہی تمام سوالات پر حاوی ہو گیا۔ اس لیے اب ہم اپنی پیاریوں اور دلاریوں سے دل کی باتیں کرتے ہیں۔"

"خالہ میرا ایک معمہ تو حل کرو۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ میری شہزادیاں مجھ سے باتیں کب کریں گی؟ انتظار میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرا خیال ہے گلریز کے آنے کے بعد ان سے ماما کی گفتگو کم ہو گئی ہے جو زبان کی گرہ نہیں کھل رہی۔" رمیز نے خالہ سے بات کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"رمیز جب انہوں نے باتیں شروع کیں تو پھر ان کی زبان کو روکنا محال ہو جائے گا۔ ابا حضور پھر ہم اپنی راگنی تو سنانے سے رہے۔ ان ہی کی موسیقی سننی پڑے گی۔ کیوں خالہ ایسا ہی ہوگا ناں؟" نادرہ نے دونوں کے پیالوں میں پراٹھے کے باریک ٹکڑے رکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"بیگم جی...... آپ نے درست سمجھا۔ بالکل ایسے ہی ہوگا۔ نہ ہمیں آپس میں بات کرنے دیں گی نہ ہمارا دوسروں سے بات کرنا انہیں پسند ہوگا۔ صرف اپنی اپنی سنائیں گی پھر دیکھیے گا کہ گھر میں جو گہما گہمی اور رونق ہوگی اور مجھے تو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ آپ کا پیارا اور لاڈلا یہ گلو جان تو دونوں سے ہی پٹے گا بیچارا۔" خالہ نے بھی خوشی سے کہا۔

"خالہ ایسی بھی خوش فہمی میں مت رہو۔ پہلے ان سے مار کھا کر تربیت لے گا اور ذرا اسے بڑا ہو لینے دیں۔ دونوں کی ایسی ٹھکائی کرے گا کہ یہ دونوں اس سے کوسوں دور بھاگیں گی۔" رمیز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن رمیز ہمارا گلریز ان بہنوں کا بھائی جب جوان ہوگا اور یہ دونوں اپنے سسرال سدھار جائیں گی تو یہ گلو جان ہی اپنی بہنوں کی عیدیں اور شبراتیں بھی تو ان کے گھروں تک پہنچائے گا۔ جیسے میرے بھائی اللہ سلامت رکھے اور آپ خود اس دوری کے باوجود بہنوں کو نہیں بھولے۔ ہر تہوار کے موقع پر والدین کے بعد یہ بھائی ہی تو ہوتے ہیں جو بہنوں کا سر اونچا رکھتے ہیں۔" نادرہ نے ریشم اور شہزادی کو گدگدی کرتے ہوئے کہا تو کمرے میں معصوم قہقہوں کی جھنکار نے وہاں کے ماحول کو مزید حسین و خوشگوار بنا دیا تھا۔ اسی لمحے عبدالرحمن نگاہیں جھکائے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں گرما گرم پراٹھا تھا۔ وہ اسی انداز میں چلتا ہوا نادرہ کی کرسی کی طرف آ کر پراٹھا اس کے سامنے پلیٹ میں رکھ کر بولا۔

"بیگم صاحبہ، آپ کے لیے بیس پرتوں والا پراٹھا بنایا ہے۔ کھائیں گی تو انگلیاں چاٹتی رہ جائیں گی اور پھر بار بار فرمائش کریں گی۔"

"واہ یہ خوب رہی تین دنوں کے بعد میں گھر آیا ہوں اور خاطر و مدارت گھر والوں کی۔ ارے ہم نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟" رمیز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی تو ایسا

ہی پراٹھا چاہیے عبدالرحمٰن۔"

"صاحب یہ تو میری بہنوں جیسی ہیں، آپ تو میرے مالک، حاکم اور سردار ہیں۔ آپ کو نظر انداز کرسکتا ہوں لیکن بیگم صاحبہ کو تو اسپیشل سمجھتا ہوں ناں۔ آخر میں پڑھا لکھا ہوں۔ پہچان تو رکھتا ہوں ناں لیکن کیا کروں کہ سب پاگل سمجھتے ہیں۔" وہ نظریں جھکائے ہوئے بولا اور وہاں سے واپس کچن کی طرف بڑھ گیا۔ خالہ حیرت میں پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

"ارے او پاگل کی اولاد تو بیگم جی کو اپنی نیچ کی کمین بہنوں سے ملا رہا ہے۔ اپنی حیثیت پہچانو ورنہ صاحب تمہیں چلتا کردیں گے۔" خالا نے تنک کر کہا۔

"تو نانی بن سکتی ہے نینی سے تو میں بھیا کیوں نہیں کہلا سکتا۔ کان کھول کر سن لو۔ میرے رستے میں آنا چھوڑ دو اگر اپنی بہتری چاہتی ہو۔ اللہ کی قسم تمہیں یہاں سے چلتا کروا کر ہی سکھ کا سانس لوں گا۔" وہ بھی تڑاخ سے بولا۔

"چل رے تو یہ بھی کوشش کر دیکھ۔ ایسی منہ کی کھائے گا کہ اپنا چہرہ کسی کو دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔ آیا ہے مجھے دھمکیاں دینے والا۔ میں کسی تڑی اور دھمکی سے ہرگز نہیں ڈرتی۔ کان کھول کر سن لو جو آئندہ ایسی غلطی کا تصور بھی کیا۔" وہ بھنوئیں چڑھا کر بولی۔ "اپنے کام سے مطلب رکھ۔ یہ نئی رشتہ داریاں بنانے اور جتانے کی غلطی مت کرنا ورنہ بہت گھاٹے میں رہو گے۔"

"یہ بھی دیکھ لیتے ہیں کہ گھاٹے میں کون رہتا ہے تو کہ میں۔" وہ نتھنے پھلا کر بولا اور پراٹھا بنانے لگا۔

"خالہ یہ اسپیشل پراٹھا اپنے لیے لیتی جانا، کیا یاد کرو گی کس حاتم طائی، نفاست پسند اور نرم دل عبدالرحمٰن سیٹھ جی سے پالا پڑا ہے تمہارا۔ بھئی تو مجھے بے حد پیاری لگتی ہو ناں۔ میری بات کا برا منانے سے پہلے سوچ لیا کرو کہ جو سب سے زیادہ وفادار وہی مار دھتکار کا وارث۔"

"ہیں...... قسم سے تو پاگل ہی نہیں سردار ہے پاگلوں کا۔ خوامخواہ تم سے متھا مارنے لگتی ہوں۔" خالہ نے سر پر دونوں ہاتھ مارے اور ڈائننگ روم میں چلی گئی۔ وہ خود کلامی کرتی ہوئی بچیوں کے قریب چلی آئی۔

"خالہ تم دونوں کی چپقلش ختم نہ ہوئی۔ توبہ استغفار۔ ماسوائے اس کے دونوں ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔" نادرہ ہنستے ہوئے بولی۔

"بیگم جی، اسے آپ سمجھتی ہی نہیں۔ لالچی اور فریبی ہے۔ پاگل نہیں ہے۔ مرچو ہے۔ اپنے غصے، حسد اور جلن پر قابو نہیں پاسکتا۔ پل میں پہاڑ پر چڑھ جانا اور اگلے لمحے کھائیوں میں گر جانا اسے خوب آتا ہے۔ پہلے بدتمیزی اور بے لحاظی کرتا ہے پھر معافی تلافی پر اتر آتا ہے۔" وہ نخوت سے بولی۔

"لیکن ہے ناقابل اعتبار۔ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ میں تو کب کا چلتا کرچکی ہوتی۔"

"خالہ ایسے ہی لوگوں کو پاگل کہتے ہیں۔ فریبی، دھوکے باز اور جھوٹے لوگ قطعاً پاگل نہیں ہوتے۔ شاطر اور چالباز ہونے کی وجہ سے خود کو حسین لبادے میں چھپا کر رکھتے ہیں۔"

"رمیز کیا یہ ممکن نہیں کہ اسے کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جائیں؟ شاید اس کے مزاج کی گرمی قدرے کم ہو جائے اور یہ جو ہر وقت ہائپر رہتا ہے ذرا دھیما پڑ جائے۔" وہ ہمدردانہ لہجے میں بولی۔ یہ سنتے ہی خالہ کے وجود میں پھریری دوڑ گئی۔ جھٹ سے بولی۔

"یہ تو کہتا ہے کہ اس کے وجود میں ایک بہت بھیانک اور ڈراؤنا جن بسیرا کررہا ہے بچپن سے، کیا اس علاج کی بات کررہی ہیں۔"

"خالہ اس کا علاج تم ہی ڈھونڈو۔ نہ جانے ان لوگوں میں ہر فرد جن بھوت اور پریت کے قبضے میں کیوں ہے؟" وہ الجھ کر بولی۔

"خالہ ہم سے یہ جن بھوت ڈرتے ہیں۔ آخر ہم بھی تو انسان ہیں۔ اس کلمو ہے دھان پان مرد پر اگر کوئی پری عاشق ہوتی تو بات بھی بنتی۔ یہاں جن پر جن عاشق کیسے ہوگیا؟ عجیب ہی توہمات اور خدشات ہیں اس کے۔"

"یار...... عجیب ہرگز نہیں۔" رمیز نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"آج کا وقت حضرت لوط کے دور کی عکاسی کررہا ہے کہ جن پر جن عاشق ہے یہ بھی خوب رہی۔"

"رمیز اللہ کے لیے کبھی تو سیریس ہوجایا کریں۔ میں اس کی حرکتوں سے پریشان ہوں اور آپ کو مذاق سوجھ رہا ہے۔ وہ بیچارا ذہنی بیمار ہے۔ بہت مشکل میں ہے۔ تمام بیماریوں کی جڑ ہے یہ بیماری۔ آپ تو جانتے ہیں ناں۔" وہ رحملانہ لہجے میں بولی تو رمیز کی پیشانی پر فکر مندی کے قطرے چمکنے لگے۔

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ اس کا کچھ کرتا ہوں۔"

❁......❁......❁

"خالہ...... آج کی تازہ خبر سنو۔" وہ چپاتی بناتے ہوئے چہک کر بولا۔

"عبدالرحمن تم سے بھلی خبر کی تو امید رکھنا ہی بے وقوفی ہے۔ کچھ بری اور تکلیف دہ خبر ہی سناؤ گے۔ میں نے کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے کہ ایسی خبریں اپنے پاس ہی رکھا کرو۔ اچھی خبریں اپنے دل میں چھپائے رکھتے ہو۔ یہ تو زیادتی ہوئی۔" خالہ نخوت سے بولی۔

"خالہ میرے پاس بیان کرنے کو ہر طرح کی خبریں ہر وقت موجود ہوتی ہیں۔ اس لیے مجھے سب دیکھتے ہی پکار اٹھتے ہیں۔ 'آہا خبر نامہ آگیا' خالہ یقین جانو بے بنیاد خبروں سے میں محتاط رہتا ہوں۔ یہ عبدالرحمن وہ ریڈیو پاکستان ہے جس کی نشریات کی ہر خبر پائیدار اور حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ تم ایک بھی جھوٹی ثابت کردو تو تمہیں ڈھاکہ لون کی ساڑی انعام میں دوں گا۔" وہ سینے پر ہاتھ مار کر فخریہ انداز میں گردن تان کر بولا۔

"ساڑی دے اپنی بیوی کو۔ مجھے تیری کمائی کی ساڑی سے کوئی غرض نہیں، اپنے منہ میاں مٹھو بننا تو کوئی تجھ سے سیکھے۔ خاموشی سے اپنا کام کرو رنہ تیری مدد ہرگز نہیں کروں گی۔ خود ہی کھانا نکال کر ڈش میں رکھو۔ میز لگاؤ اور ڈائننگ روم اور کچن کے درمیان بھنگڑا بھی خود ہی ڈالنا۔" وہ نیپکن شیلف پر پھینکتے ہوئے بولی۔ "عبدالرحمن میں عمر میں تم سے بڑی تو ہرگز نہیں لیکن عقل اور تجربے میں تم سے دس گنا بڑی ہوں۔" وہ مدبرانہ لہجے میں بولی تو وہ جل بھن گیا۔ اس کا بازو زور سے دباتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔

"اگر اس وقت مہمانوں کی آمد نہ ہوتی تو پھر تم سے خوب نپٹ لیتا کہ مجھ سے چھوٹی ہونے کے باوجود مجھ سے عقل مند کیسے ہوگئی؟ تمہاری زبان دو دھاری تلوار ہے۔"

"ہائے عبدالرحمن دو دھاری تلوار۔ وہ کیسے؟ ذرا یہ بکواس بھی اگل ہی دو۔" وہ آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔

"خالہ اس وقت خاموشی سے کام کرو۔ اس کا جواب بعد میں دوں گا کہ دودھاری تلوار کسے کہتے ہیں۔" وہ کھی کھی کرنے لگا۔ اسی ثانیے ریشم اور شہزادی بھاگتی ہوئی کچن میں آدھمکیں تو خالہ نے دونوں کو بازوؤں کے دائرے میں لے کر ان کے رخساروں پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

"بچوں کا کچن میں داخلہ منع ہے۔ چلو جی باہر ماما کے پاس چلتے ہیں اور کھلونوں سے کھیلتے ہیں۔"

"خالہ بہت بے ایمان اور جھوٹی عورت ہو۔ بیگم صاحبہ بچوں کو بوسے دینے سے منع کرتی رہیں۔ میں ابھی تمہاری درگت بنواتا ہوں ناں۔ اسے ہی تو کہتے ہیں دو دھاری تلوار۔ یہ فیصلہ تو پل بھر میں ہی ہوگیا۔ خالہ کیسا لگا؟"

"عبدالرحمن اگر میں تمہیں ننگا کرنے لگوں تو اسی شرمناک حالت میں قبر میں اتر جاؤ گے۔ مجھے علم ہے کہ تم کن لوگوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ہو اور یہ جو تمہاری پوشاک ہے ناں یہ بھی تمہارے کردار کی چغلی کھا رہی ہے لیکن خاموش ہوں کیونکہ میں غدار، ظالم اور فریبی کا طوق تمہارے گلے میں پھندے کی صورت میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ تم میری معمولی غلطیوں کو پکڑو۔ میں تمہاری غیر معمولی غلطیوں کا ڈھنڈورا پٹواؤں گی۔" وہ دھمکی دے کر باہر نکل گئی اور وہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

"خالہ...... تم گھر کے ہر کونے کھدرے میں ٹھونسی ہوئی چیزوں کو جانتی ہو۔ میں تو صاحب کی بندوق ڈھونڈتے ہوئے ہی خرچ ہوگئی ہوں۔ اب تم تلاشی شروع کرو۔ شاید تمہارے ہاتھ لگ جائے۔" نادرہ نے ادھر ادھر متلاشی

نظریں گھمائیں۔

"بیگم جی بندوق سوئی تو ہے نہیں کہ نظر کا چشمہ لگا کر ڈھونڈنا شروع کردوں۔ مجھے تو اس حرام خور پر شک ہے۔ خود تو اس قابل ہے نہیں کہ کسی کو نشانہ بنا سکے لیکن مجھے اسی پر شک تو کیا یقین ہے۔" وہ بھی مضطربانہ انداز میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگی۔

"اگر یہ گولی نہیں چلا سکتا تو بندوق کیوں چرائے گا؟ خالہ تم بھی حد ہی کرتی ہو۔ بڑبولا ہے یہ پاگل۔ صابن کی جھاگ کی مانند اس کا غصہ، اکڑ اور غیرت بیٹھ جاتی ہے۔" وہ گلریز کو کاٹ سے نکال کر بستر پر بیٹھ گئی اور اسے بے حد محبت و لگاوٹ سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دودھ پلانے لگی اور خالہ پریشانی کے عالم میں دروازے سے باہر جھانک کر تسلی کرنے لگی کہ عبدالرحمن کہیں آگے پیچھے تو نہیں منڈلا رہا جو اس کی پرانی اور بے حد بیہودہ عادت ہے۔

"بیگم جی وہ بندوق چرا کر بیچ بھی تو سکتا ہے کسی مکتی باہنی کے ہاتھ۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"خالہ اب مشرقی پاکستان میں اسلحے کی کمی نہیں رہی۔ ہمارا سب سے بڑا دشمن ملک انہیں دھڑا دھڑ اسلحہ بھیج رہا ہے۔ ایسے تو قتل عام کی خبریں سننے میں نہیں آرہیں۔ یہاں مغربی پاکستان سے آنے والے ورکرز، مختلف اداروں میں ملازمت کرنے والے افراد، فوجی افسران ان کے زیرِ عتاب ہیں۔ حالات تو دن بہ دن خراب ہی ہوتے جارہے ہیں۔ جب سے بھارتی طیارے گنگا کا اغوا ہوا ہے اور پھر اسے دھماکے سے اڑانے کا تمام الزام مغربی پاکستان پر لگانے کے نتائج سامنے آچکے ہیں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان سول اور فوجی جہازوں کی ہندوستانی علاقے سے گزرنے والی پروازوں پر پابندی عائد کرنے سے پاکستان کے دونوں حصوں کا آپس میں رابطہ نہیں رہا اور اس میں فائدہ شیخ مجیب الرحمن کا ہوا کہ وہ مرکزی حکومت کو کمزور کرنے کے لیے ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے لگے ہیں۔" وہ فکرمندانہ لہجے میں بولتے ہوئے گلریز کو سینے سے لگا کر بلک اٹھی۔

"خالہ مجھے محسوس ہورہا ہے کہ ہم نے واپس جانے میں دیر کردی، وہاں سے خط و کتابت اور فون کا سلسلہ بھی فی الحال منقطع ہوگیا ہے۔ ہمارے خاندان کے ہر گھر میں کہرام مچ گیا ہوگا۔ رمیز تو اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے اور بہنوں کے ایک ہی بھائی ہیں۔"

"بیگم جی آپ تو اک عام خاتون نہیں ہیں۔ مردوں کی طرح بہادر اور دلیر ہیں۔ یہاں سے تقریباً تمام بیگمات کب کی مغربی پاکستان جاچکی ہیں۔ آپ نے تو کمال کا ساتھ دیا ہے صاحب جی کا۔ میں نے ایسی تابعدار اور محبت نچھاور کرنے والی بیوی آج تک نہیں دیکھی۔"

"تم نے غلط کہا۔ ہمارے بیس کمانڈر کی بیگم کم دلیر نہیں ہیں۔ میں کوئی نرالی عورت نہیں ہوں۔ خالہ فوجیوں کی بیویاں دلیر اور نڈر نہ ہوں تو ان کے شوہر سرحدوں کی حفاظت کرنے کے بجائے اپنی فیملی کے تحفظ کے لیے گھر سے باہر قدم نہ نکال سکیں۔ سرحدوں کی حفاظت کرنے میں عورت کا بھی اہم رول ہے۔ مجھے تو فخر ہے کہ میں ایک فائیٹر پائلٹ کی بیوی ہوں اور انہیں ہر طرح کا سکون مہیا کرنا میرا فرض ہے۔" وہ پھر توقف کے بعد بولی۔ "یہی وجہ ہے کہ میں اپنی فکرمندی اور پریشانی ان پر ظاہر نہیں کرتی۔ عبدالرحمن کی حرکتیں اور باتیں ان کے گوش گزار کرکے انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی کیونکہ ان کا پیشہ مکمل طور پر ذہنی سکون اور دلی طمانیت کا مرہون منت ہے۔ فلائنگ کوئی کھیل تماشہ نہیں ہے۔ پائلٹ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ٹیک آف کرتا ہے۔ اللہ خیر ہی کرے۔"

"بیگم جی یہ تو جنتی پیشہ ہے کہ شہادت ملی تو جنت کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں شہید کے لیے۔ غازی بن کر لوٹے تو اس کا مقام بھی جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے صاحب کو غازی کا رتبہ عطا فرمائے۔"

"آمین، خالہ فوجی تو جنگ کے علاوہ بھی جنگ میں ہی ملوث رہتا ہے۔ ابھی کی مثال تمہارے سامنے ہے کہ ہم

جنگ سے بہت دور ہیں لیکن دشمن کی سازشوں میں بری طرح گھرے ہوئے ہیں۔ ان کی چالوں سے نکلنے کے لیے ہم، صبح وشام دشمن کا مقابلہ کرنے کی تیاری میں برسر پیکار ہیں۔ افسوس کہ بھارت دو بھائیوں میں پھوٹ ڈالنے میں کافی حد تک کامیاب ہوچکا ہے۔ بھارت پاکستان کے بننے کے دن سے لے کر آج تک تمام معاندانہ سرگرمیوں میں سرگرم عمل رہا ہے۔ اس سے بڑا دشمن ہمارا اور کوئی نہیں۔"

"بیگم جی، ہم بھارت کو قصور وار ٹھہرانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانکیں کہ ہم نے دشمن ملک کو موقع ہی کیوں دیا کہ وہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی کرتے۔ ہم خود لالچ اور اپنے مفاد کی خاطر بے حد کمزور اور لاغر ہوچکے ہیں۔ جس کی وجہ سے مجیب الرحمٰن اس قوم کا ہیرو بن گیا۔ بیگم جی مجھے فوجیوں کے گھروں میں کام کرتے ہوئے سالہا سال ہوگئے ہیں۔ میں سات سال کی تھی جب ماں کے ساتھ یہاں آیا کرتی تھی اور ماں کے کام میں ہاتھ بٹایا کرتی تھی۔ میرے جوڑ جوڑ میں کام کی تھکن رچ بس گئی ہے لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا کہ مجھے آج کے بگڑتے ہوئے حالات کی شدبد ہونے لگی ہے کہ یہ سب عذاب الٰہی ہے جو ہم پر نازل ہوچکا ہے ہمارے اپنے اعمال اور کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔"

"نہیں خالہ ایسا ہرگز نہیں۔ ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے اور ابھی بھی ہار نہیں مانی کہ ہم میں علیحدگی کے بجائے مسئلے کا حل ہو۔ یہ جو انا ہوتی ہے۔ ایک بار اس کا سفر شروع ہوجائے تو پھر کبھی اختتام پذیر نہیں ہوتا۔ طویل سے طویل تر ہوتا جاتا ہے۔ ہماری کاوش کے باوجود مشرقی پاکستان اس سفر کی شروعات کرچکا ہے۔ جس میں گھاٹا مشرقی اور مغربی پاکستان کو بھگتنا پڑے گا اور فائدہ اٹھائے گا بھارت۔"

"اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ میرے منہ میں خاک۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔

"بیگم جی...... بات شروع ہوئی تھی بندوق کے گم ہو جانے سے وہ وہیں رہ گئی اور ہم الجھ گئیں اس گندی سیاست میں جو ہمارے بس کا روگ نہیں۔"

"ہاں خالہ...... دراصل ہر وقت میرا ذہن خدشات میں گھرا رہتا ہے۔ اپنی تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ جان بے شک چلی جائے، عزت نہ جائے۔ ان معصوم بچوں کی فکر ہر وقت ستائے رکھتی ہے۔ رمیز کا دھڑکا تو تب سے ہی لگ گیا تھا جب نکاح نامے پر دستخط کیے تھے۔ اب تو اس کی عادت ہی ہوگئی ہے۔ یہ جہازوں کے انجن اسٹارٹ ہونے کا شور، گڑگڑاہٹ اور آکاش کی وسعتوں میں ان کا آنکھ مچولی کھیلنا، میاں کا دیر سے گھر آنا غرضیکہ سب کی ہی عادی ہوگئی ہوں۔ اس کے باوجود دل سہار رہتا ہے کہ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ اس کی عادت نہ ہو پائی کہ اسے خوف سمجھ کر دل سے نکال دوں۔"

"بیگم جی جو بھی ہونے والا ہے۔ بہت اچھا اور بھلا ہی ہوگا۔" خالہ اپنی دانست میں سمجھاتے ہوئے بولی۔ "آپ خود ہی تو کہا کرتی ہیں کہ اگر انسان کی سوچ حسین ہو تو زندگی کا ہر لحہ خوب صورت ہونے پر مجبور ہوجاتا ہے تو پھر اپنی سوچ سے ڈر اور وہم نکال کر خود کو خوش رکھنے کی کوشش کیا کریں۔"

"ہاں خالہ، شاید کہنے اور کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہم زبان تو بے مقصد بھی چلاتے رہتے ہیں۔ عمل کے لیے تو دماغ اور دل کو موڑنا پڑتا ہے۔ دونوں ہی ڈھیٹ اور اڑیل کہ کیا مجال ہل کردیں؟ بدلنا تو ہے ہی ناممکن۔ نہ سوچ بدلتی ہے نہ دل مائل ہوتا ہے لیکن یہ تین انچ گوشت کا لوتھڑا کیسے کیسے جھوٹے وعدے وعید کرتا ہے۔ بے وجہ گالی گلوچ، الزام تراشی اور چغل خوری اور سب سے بڑھ کر دوسروں کو بے وقوف بنانے میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دینا، بے مقصد اور بے تکی باتیں کرتے جانا، دوسروں کو اپنی قوت وطاقت سے متاثر کرنا اسی کا کام ہے۔ یہ نامراد بے لگام اور ذہن وقلب ضدی اور ہٹ دھرمی کہ سمجھ ہی نہیں پاتا۔"

"بیگم جی آپ کی تقریر کچھ سمجھ آئی کچھ پلے نہیں

پڑی۔" وہ سنجیدگی سے منہ بنا کر بولی اور وال کلاک کی طرف دیکھ کر کھڑی ہوگئی۔

"ریشم اور شہزادی کے جاگنے کا وقت ہوا چاہتا ہے میں ان کے لیے دودھ بنانے کچن میں جارہی ہوں۔ آپ فرمایئے کہ کوئی چائے یا مشروب چاہیے؟"

"شکریہ، نہیں خالہ ان کے دودھ کی مقدار اب کم ہونی چاہیے۔ اب ہمیں ان کے سالڈ کھانے پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کبھی کبھار مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں انہیں وقت نہ دے سکی اور نہ ہی ان کے بچپن کے حسین دنوں سے لطف اندوز ہوسکی۔ بس گلوجان ذرا سنبھل جائے تو پھر یہ تمہاری گود میں اور میری پریاں میری غوش میں آجائیں گی۔" وہ خوش آگیں لہجے میں بولی۔

"بیگم جی، وہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے بھی تو ان کی عادت ہوگئی ہے، چاہے مجھے کتنا ہی تنگ کریں کھانے پینے میں، کھیلنے اور بھاگنے دوڑنے میں، سونے اور جاگنے میں، میں اسی کی عادی ہوچکی ہوں لیکن خوش قسمتی سے عادت نہیں ہوئی تو اس نامراد پاگل کی۔ جیسے آپ کو بھی اس کی عادت نہیں ہوئی۔ نہ جانے اسے کیسے برداشت کرلیتی ہیں آپ۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"نہ خالہ مجھے تو ہوگئی ہے۔ اسی کی عادت ورنہ تمہاری طرح ہر وقت جنگ وجدل کا بازار گرم رہے۔ بکواس کرنا اس کی عادت ہے۔ اس لیے اسے تم بھی معاف کردیا کرو میری طرح سکھ میں رہو۔" وہ ہنس پڑی۔

"آپ کو اس پر بے تحاشا بھروسا ہے، مجھے تو رتی بھر ایک پل کا اس پر اعتماد نہیں۔ پہلے دن سے ہی یہ مجھے مشکوک دکھتا تھا۔ کوئی جاسوس یا بنگالی دھوکے باز۔" وہ نخوت سے بولی۔

"کیسی عجیب باتیں کرتی ہو خالہ؟ اگر وہ پاگل نہ ہوتا تو ہمارا ملازم کیونکر ہوتا۔ جس کی صبح، دوپہر شام تم سے درگت بنتی ہے۔ وہ پھر بھی اسی گھر میں بیٹھا ہوا ہے۔ ذرا صبر سیکھو خالہ۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"بیگم جی، وہ ہے ہی اسی کے لائق۔ یہ میری وجہ سے ہی آپ سے کنی کتراتا ہے اگر میں نہ ہوں تو یہ بدتمیز، بے لحاظ اور بے مروت انسان ہر وقت آپ سے منہ ماری کرے۔ اس پر بھروسا کرنا بچاسی کا گھاٹا۔ آپ بہت نرم دل ہیں بیگم جی۔ مجھے آپ کی فکر ہی لگی رہتی ہے۔ اللہ خیر ہی کرے۔"

"خالہ کسی پر تو بھروسا کرنا ہی پڑتا ہے اور میں تو سمجھتی ہوں کہ بھروسے اور اعتماد کے بغیر زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ جیسے اک تپتے ریگستان میں ننگے پاؤں چلنا، بیابانوں اور جنگلوں میں سرگرداں پھرنا۔ خوف ودہشت میں تنہائی کو گلے لگالینا اور زندگی کی تمام رنگینیوں سے کنارہ کشی اختیار کرلینا اور پھر اس کا انجام کس قدر بھیانک اور جان لیوا ہے کہ جسم کے انگ انگ میں اداسی اور مایوسی سرائیت کر جاتی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ چشم پوشی کی جائے۔ دوسروں کی غلطیوں سے اور خود کو چاہے دھوکہ ہی دینا پڑے وہ بھی قابل قبول ہے کیونکہ رشتہ چاہے خونی ہو یا دنیاوی اسے استوار رکھنے کے لیے چشم بندی بہت ضروری ہوتی ہے۔ تم بھی اس کی غلطیوں کو درگزر کیا کرو۔ ایسا کرنے سے تم اس کی نظروں میں بہت اعلیٰ ہوجاؤ گی اور اس کے بعد وہ تم سے کبھی بدتمیزی نہیں کرے گا۔ سمجھ گئی کہ نہیں۔"

"لیکن بیگم جی، مجھ میں نہ تو آپ جیسا حوصلہ اور ہمت ہے نہ ہی میرا دل وسیع ہے کہ اس کے بے ہودہ طنز اور پھر مجھے ہر وقت نیچا دکھانے کی عادت کو نظر انداز کرجاؤں۔ ہم میں ایسا نہیں ہوتا۔ آپ ذرا غور کریں۔ جہاں غربت ہوتی ہے۔ وہاں ہی جھگڑے فساد اور قتل وغارت کا بازار گرم رہتا ہے لیکن میرے خاندان میں یکجہتی ہے۔"

"ہاں خالہ یہ تو ہے، اب جیسے تمہاری مرضی، ویسے عبدالرحمن تمہاری طرح خدمت گار بہت ہے لیکن ہے عقل سے پیدل۔ زندگی جب نئی جانب کروٹ لیتی ہے تو اس میں تم جیسے وفادار اور قابل اعتبار لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ جن کی تعداد بہت کم ہوتی ہے اور زیادہ تر لوگ عبدالرحمن جیسے ہی خوش آمدید کہہ رہے ہوتے ہیں۔ ہم اس معاملے میں اس قدر بے بس ہیں کہ اپنے مزاج کے

برخلاف لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنا بھی چاہیں تو ناکام ہی رہتے ہیں کیونکہ ایک کو برطرف کرنے سے اس کی جگہ کو پر کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی تو آئے گا جبکہ ہم نہیں جانتے کہ وہ مزاجاً یا طبعاً کیسا نکلے گا؟ اس لیے ہم اپنی زندگی سے کتنے لوگوں کو نکال کر نئے لوگوں کو شامل کر لیتے ہیں۔ کیا بہتر نہیں کہ جو سامنے موجود ہے اس کی خوبیوں کی گنتی کریں؟ میں نے تو اپنی امی سے یہی سیکھا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ رہنے کا سلیقہ و طریقہ آنا چاہیے۔"

"آپ کی باتیں دل کو لگتی ہیں۔ بیگم جی عقل نہ ہو تو پھر کس بات کی فکر ہے۔ عبدالرحمن اس لیے تو بے فکر رہتا ہے جو زہر من میں پیدا ہوتا ہے منہ کے ذریعے نکال دیتا ہے۔ خود ہلکا پھلکا ہو کر گنگنانے لگتا ہے۔ میری جیسی دکھی اور نعمتوں سے محروم عورت گھٹنوں تک کھولتی رہتی ہے۔" وہ آہ بھر کر بولی۔

"خالہ...... دل کو مطمئن رکھو، صاحب آنے والے ہیں میں بچیوں کو دودھ پلائے دیتی ہوں تم صاحب کی بندوق ڈھونڈ دو، گھر میں قدم رکھتے ہی ان کا پہلا سوال ہوگا کہ بندوق ڈھونڈی کہ نہیں۔ زور کس پر ہوا ڈھونڈنے پر ملنے پر نہیں۔"

"بیگم جی اب تو میں بھی صاحب کی شکل دیکھتے ہی پہچان جاتی ہوں کہ کون سا سوال کرنے والے ہیں، میں بچیوں کو آپ کے ساتھ ہی لٹا کر دودھ لے آتی ہوں ذرا اپنے لاڈلے کو دیکھیں انگڑائی لیتے ہوئے دوہرا ہو گیا ہے اور اگلا کام ہوگا اک بلند نعرہ کہ دودھ میں دیری کیوں ہوگئی۔" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"میری زندگی کی رونقیں ہیں یہ بچے، ورنہ یہاں اتنے سال ہرگز نہ رکتی اب تک کم از کم تیس چکر تو لاہور کے لگ چکے ہوتے۔ تم نے بھی ماں بن کر نہ دکھایا ہوتا تو پھر میں ہرگز واپس نہ آتی۔" نادرہ گلریز کو اٹھا کر اسے پیار کرنے لگی۔

❁......❁......❁

"صاحب جی، اندرون خانے خالہ کی اجارہ داری ہے مجھے مکمل یقین ہے کہ یہ کام خالہ کا ہے۔ اپنے نمبر بنانے کے لیے کسی نہ کسی اپنے بھائی یا بھتیجے بھانجے کو دے آئی ہوگی۔ مجھے تو بندوق کو دیکھ کر غش آ جاتی ہے۔ اسے ہاتھ کیسے لگا سکتا ہوں؟" عبدالرحمٰن خود اعتمادی سے بولا۔

"دیکھو بھیا تمہیں پولیس کے حوالے کرنا پڑے گا، نوکری بھی چھوٹے گی، ذلیل بھی ہو جاؤ گے۔ عبدالرحمٰن ایسے کرو اپنے رب کی قسم اٹھاؤ تو تمہیں چھوڑ دوں گا۔ چلو وضو کرو اور مسجد چلو ابھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔" رمیز توقف کے بعد بولا۔

"مجھے ہر حال میں بندوق ڈھونڈ کر دو۔ مجھے تم پر ہی شک اور یقین ہے۔"

"صاحب جی، کیا ہمارا رب صرف مسجد کے اندر ہی قید ہے، ایسا نہیں ہے، میں تو اسے ہر گھڑی ہر دن ہر رات اور ہر صبح اپنے سامنے دیکھتا ہوں تو ابھی قسم اٹھا لیتا ہوں آپ کی تسلی کے لیے۔ بندوق میں نے نہیں چرائی ایک نہیں ہزار قسمیں اٹھوالیں۔" وہ وثوق سے بولا۔

"اپنے رب کو تم نے کہاں کہاں دیکھا ہے؟ ذرا تفصیلاً سمجھاؤ پھر قسم کا انتظام کرتے ہیں۔" رمیز سنجیدگی سے بولا۔

"اسے میں نے آپ میں دیکھا، گلریز بابا کی آنکھوں میں دیکھا پھر چاند، سورج اور تاروں میں دیکھا، پھولوں اور پھل دار درختوں میں دیکھا، دریاؤں، سمندروں اور ندی نالوں میں دیکھا نہیں دیکھا تو اس خالہ میں اسے نہیں پایا۔ صاحب جی جو اللہ کے قریب ہوتے ہیں راسخ عقیدے اور پکے ایمان والے نہ ہوں تو وہ رب ان کی طرف سے پیٹھ موڑ لیتا ہے۔ جیسے خالہ سے اس نے منہ موڑ لیا ہے کیونکہ یہ دوغلی عورت ہے، گناہ گار اور مجرم جن لوگوں میں یہ تین خاصیتیں ہوتی ہیں۔ قناعت، عاجزی اور انکساری اور اس کی عبادت گزاری میں مزا ہی مزا تو پھر وہ اس کا نیک، پاکیزہ اور پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ بے شک مجھ میں یہ تین خاصیتیں ہیں لیکن اس کا پیارا بندہ نہ بن سکا۔ نہ جانے کیوں؟" وہ مرونی شکل بنا کر بولا۔

"عبدالرحمن میرا دماغ خراب مت کرو، فوراً بندوق لے کر آؤ ابھی اور اسی وقت، شرطیہ تم اسی لمحے اپنے اللہ کے پیارے بندے بن جاؤ گے دیکھو اگر وہ انسان کی غلطیوں کو معاف کرسکتا ہے تو میری وقعت ہی کیا ہے کہ تمہاری غلطی معاف نہ کروں۔ میں بھی تمہیں ہنس کر معاف کردوں گا۔ تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" رمیز نے نرماہٹ سے کہا۔ "جاؤ شاباش۔"

"ویسے بات تو آپ نے لاکھوں کروڑوں کی کردی ہے۔ ابھی گیا اور ابھی آیا۔" وہ طمانیت سے بھرپور لہجے میں بولتا ہوا باہر نکل گیا تو رمیز وہیں بت کی طرح ایستادہ ہوگیا۔ عبدالرحمن کی آواز پر ایک دم اچھلا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا اور ہاتھ آگے بڑھا کر بولا۔

"آپ مجھے معاف فرمادیں، یہ لیں اپنی بندوق، کچن میں گردھری کی الماری میں محفوظ تھی، میں نے خالہ سے چھپا کر رکھی تھی کہ کہیں کسی کے ہاتھ بیچ ہی نہ دے، وہاں خالہ کی نظروں سے اوجھل رہی، صاحب جی مجھے اس پر رتی بھر اعتبار نہیں ہے، نہ جانے آپ نے آنکھیں کیوں بند کر رکھی ہیں، ہماری قوم اپنی ماں کی نہیں تو آپ کی کیسے ہمدرد ہوگئی؟ اس سے بچ کر رہیں لیکن آپ پھر بھی مجھے ہی چور کہیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" وہ مجبوراً بولا اور بندوق کو کندھے پر لٹکا کر گھر کے اندر آ گیا۔ آج کی گفتگو نے اسے چکرا دیا تھا۔ وہ اس کی کس بات پر یقین کرے؟ اور اس کے کن دلائل کو جھوٹ اور فریب سمجھے۔ "اگر اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے تو مجھے ہر حال میں اسے معاف کرنا پڑے گا کیونکہ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا لیکن ہمیں اس سے محتاط رہنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ معاف کرنا بہت بڑا ثواب کا کام ہے لیکن ایسے مجرم کو بخش دینا تو گناہ عظیم ہے۔"

"رمزی بابا آج بہت گہری سوچ میں غرق ہیں، کیا ہوا؟" نادرہ حیرت سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "کیا ملکی حالات مزید پیچیدہ ہوگئے ہیں جو آپ کے چہرے پر پریشان کن سوچوں نے ڈیرے جمالیے ہیں؟ مجھے واپس بھیجنے کا فیصلہ تو نہیں کرلیا۔"

"بیگم ملکی اور سیاسی حالات سدھر ہی جائیں گے، مجھے اپنے گھریلو حالات کی فکر ستانے لگی ہے، یہ دیکھو بندوق مل گئی، کیا یہ حیرت اور تاسف کی بات نہیں، سوچنے کا مقام ہے۔" وہ بے اختیارانہ بولا۔

"کہاں سے اور چور کون تھا؟" وہ اچھلی۔

"نہیں معلوم کہ سچ کیا ہے؟" رمیز نے دونوں کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو اس کے گوش گزار دی۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ اس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے جس نے تمہارے بیڈروم میں پہنچ کر تمہارے اسٹور سے بندوق نکالنے کی جرأت کی، اس نے چابی کہاں سے لی ہے، تمہارا کیا خیال ہے کہ ایسا شاطر انسان ہم پر کل گولی نہیں چلاسکتا؟ میں اس کی اس حرکت کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ یہ تو کسی دشمن کے معمولی سے اشارے پر ہمیں قتل کرسکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے رمیز وہ وقت آ گیا ہے کہ ہمیں عبدالرحمن کے بارے میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا پڑے گا۔ ایسا نہ ہو کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے کے مصداق ہم کسی ایسے امتحان کا شکار ہوجائیں جس سے نکلنا محال ہو۔"

"رمیز آپ کی خبر کے مطابق حالات بہتر ہوجائیں گے لیکن میں ریڈیو پاکستان اور خبرنامے میں تو اس کے برعکس سنتی ہوں، کس پر یقین کروں؟ آپ ہی بتائیے۔" نادرہ نے متذبذب لہجے میں پوچھا۔ "آپ پر یا میڈیا پر۔"

"فی الحال بے یقینی کی فضا چار سو اضطراب اور بے چینی پھیلا کر ماحول کو پراگندہ کررہی ہے۔ میں سوچنے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ عبدالرحمن کی چھٹی کردینی چاہیے یا ٹمیس سے ہی فارغ کردینا بہتر ہے۔ اس کی بے روزگاری کا ڈر ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بولا۔

"آج میں بھی انکشاف کرنا چاہتی ہوں کہ اس نے مجھ سے جو بدتمیزی کی تھی وہ ناقابل معافی ہے لیکن اس نے میرے پاؤں پر سر رکھ دیا تو میں اللہ کے خوف سے کانپ

اٹھی تھی۔ اسے معاف کردینا مجھے بہتر لگ رہا تھا۔ اس لیے آپ کو بتانا ضروری نہ سمجھا کہ خواہ مخواہ آپ کو بھی پریشان کر ڈالوں گی۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "فلائنگ میں پائلٹ کو ٹینشین فری ہونا چاہیے۔"

"فارگاڈ سیک نادو، یہ تمہارے نہ بتانے کے نتائج ہیں کہ عبدالرحمن کی لڑائیاں، آوارہ گردیاں اور دیدہ دلیری و بے باکی کو بڑھتا ہوا محسوس کررہا تھا۔ مجھے اے ٹو زیڈ پورا واقعہ بتاؤ۔ خبردار جو ایک لفظ کا بھی ہیر پھیر کیا۔ اس لحاظ سے قابل اعتماد تو تم بھی نہیں رہیں کہ اس کم بخت کی بکواس کو مجھ سے چھپالیا...... تم نے تو مجھے بہت بڑا شاک دے ڈالا ہے۔" وہ غصے میں بھرا اور کانوں تک انگارہ بن کر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"اگر آپ مجھ سے خفا ہوں گے اور میری مجبوری کو نہیں سمجھیں گے تو کچھ نہیں بتاؤں گی۔" وہ روٹھنے کے انداز میں بولی۔

"میں ناراض نہیں ہوں، میری پریشانی اور فکر مندی کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ اضطراری کیفیت میں بولا تو نادرہ نے آنسوؤں کی جھڑی میں تمام واقعہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا۔

"اتنا بڑا حادثہ ہوگیا اور تم نے مجھ سے چھپالیا، میں عبدالرحمن کی چھٹی تو ابھی کیے دیتا ہوں بلکہ اسے گارڈ روم میں بند کرواتا ہوں۔ تم بھی اپنا بوریا بستر سمیٹو اور یہاں سے چلتی بنو تم یہاں رہنے کے قابل نہیں ہو۔" وہ تقریباً چیختے ہوئے بولا۔

"اور یہ جو ہر وقت 'خالہ خالہ' کا ورد پڑھا جاتا ہے وہ بھی اس احاطے سے نکلے گی۔ مجھے کسی پر اعتماد نہیں رہا۔ خبردار جو اس کی سفارشی بنیں۔ آٹے کے ساتھ گھن تو پستا ہے یہ تو ایک عام سا عمل ہے۔"

"صاحب جی، کیا آپ میرا قصور بتائے بغیر ہی میرا نوالہ چھین لیں گے، آپ مجھ بیوہ، یتیم اور مسکین ولاوارث پر اتنا بھاری ظلم نہیں کرسکتے۔ میری اس خدمت، بے لوث محبت اور لگاوٹ کے بدلے آپ مجھ پر رحم کریں، میں شہزادی کے بغیر مرجاؤں گی، جب تک میں حیات ہوں میں آپ کی خدمت گزاری میں کمی نہیں آنے دوں گی۔" خالہ نے کام چھوڑ کر رمیز کے قریب آ کر ہاتھ جوڑ کر کہا کیونکہ آج وہ پہلی بار رمیز کو غصے میں چیختے ہوئے سن کر دہل گئی تھی۔ اسے اپنا مستقبل خاصا تاریک نظر آرہا تھا۔ تیزی سے وہ نادرہ کے پاؤں میں بیٹھ کر التجائیہ لہجے میں بولی۔

"مجھ پر بھروسا کریں بیگم جی۔" نادرہ نے اسے اٹھا کر گلے لگالیا۔

"رمیز...... انصاف کیجیے، خالہ کو کس گناہ کی پاداش میں سزا دینا چاہ رہے ہیں، آپ مجھے ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ جس پر غصہ ہو وہ اسی پر اتارنا چاہیے نہ کہ گھر کے ہر فرد پر شعلوں کی مانند برسنے لگے۔ یہ بے انصافی اور زیادتی کے زمرے میں آتا ہے۔"

"آئی ایم سوری...... خالہ آپ مطمئن رہیں، یہاں سے جائیں اپنا کام کریں۔" رمیز کی پیشانی پر عرق ندامت کے قطرے ابھرے اور آنکھیں جھک گئیں۔ خالہ دعائیں دیتی ہوئی بچیوں کی طرف بڑھ گئی اور نادرہ بھی ڈری سہمی ہوئی کمرے میں پہنچ کر زاروقطار رونے لگی، اسے ماں کی نصیحت یاد آئی۔

"بیٹا اپنے شوہر سے کبھی بھی کسی بات کی پردہ داری مت رکھنا کیونکہ بھید ایک دن افشا ہو کر رہتا ہے جلد یا بدیر حالات اس کی پردہ کشائی کردیتے ہیں اور پھر شوہر بیوی پر اعتماد اور بھروسا کرنا چھوڑ دیتا ہے، اس کے بعد چاہے وہ کھرا سونا ہی کیوں نہ بن جائے عمر بھر کے لیے وہ بے یقین ہوجاتی ہے، بے اعتباری میں ہی زندگی کاٹنا اس کی مجبوری بن جاتی ہے۔"

"اب رونا دھونا بے سود ہے بیگم جو ہونا تھا وہ ہوچکا۔ عورت کا اعتماد امتحان میں ہی آزمایا جاتا ہے۔ تمہاری نرم دلی عبدالرحمن کے لیے اور فکری مندی میرے لیے اس کا سبب بن گئی۔" وہ اس کے قریب آ کر بولا لیکن وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ آنسو ساون کی بارش کی طرح برس رہے تھے۔

"تم نہیں جانتی کہ تمہاری عصمت اور جان کی موت

میں ایک لمحے اور ایک انچ کا فاصلہ باقی رہ گیا تھا اور یہ پھر بھی گھر میں دندناتا پھر رہا ہے۔ تم نے خود کو اس کی موجودگی میں کیسے محفوظ سمجھ لیا؟ میں بہت حیران ہوں۔" وہ اپنائیت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بول رہا اور آہستہ آہستہ اسے قرار آ گیا تھا۔

"عبدالرحمن تم اسے ہی معافی سمجھو کہ تمہیں یہاں سے خاموشی سے نکل جانے کا کہہ رہا ہوں ورنہ تمہارے جرم ہرگز قابل معافی نہیں ہیں، تم نے سچ کر دکھایا ہے کہ بنگالی پر بھروسا کرنے والا نادان اور بے وقوف ہی ہوتا ہے۔" رمیز سختی اور کرختگی سے بول رہا تھا۔

"اتنی دور دفع ہو جاؤ کہ مجھے کبھی نظر نہ آنا ورنہ تمہیں جیل بھیج دوں گا۔"

"صرف ایک بار صاحب جی۔" وہ دھاڑیں مارنے لگا تھا۔

"میں یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گا؟"

"یہ پاگل پن کا دورہ نہیں ہے، یہ تمہاری ایکٹنگ ہے، میں اب تمہیں سمجھ پایا ہوں۔ تم نہ تو قابل رحم رہے نہ ہی قابل اعتماد۔ اس لیے تم فوراً میرے حکم کی تعمیل کرو اور یہاں سے اگلے دس منٹ میں غائب ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ میں پولیس بلانے پر مجبور ہو جاؤں۔ تم پڑھے لکھے ہو۔ تمہیں نوکری دلا دے گا تمہارا مجیب الرحمٰن آخر تم اس کے حمایتی اور اس کے جاسوس ہو ناں۔ گیٹ آؤٹ۔"

"صاحب جی حمایتی ضرور ہوں، ان کا جاسوس نہیں ہوں۔ ایسا بھی نمک حرام تو نہ سمجھیں، آپ کو کیا معلوم کہ میرا خاندان عرش سے فرش پر آ گرا۔ ہم نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے کیا کچھ نہ کیا؟ لیکن ہماری شنوائی نہ ہوئی، نوکری تو در کنار ہمیں تو اس سرزمین نے پہلے دن سے قبول ہی نہ کیا۔" وہ ہاتھ جوڑ کر منمنا رہا تھا۔

"حالانکہ وہ اس کا مورد الزام تو ہمیشہ مغربی پاکستان کو ٹھہرایا کرتا تھا۔"

"برخوردار اس لیے تو تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کر رہا کیونکہ حالات نے تمہیں سوچنے سمجھنے سے بے بہرہ کر دیا ہے اور تمہارے دل اور دماغ مفلوج ہو چکے ہیں ورنہ تم اس کردار و مزاج کے ہرگز نہ ہوتے۔ قصور ان حالات کا ہے جو تم پر مسلط ہوئے سالہا سال ہو گئے لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جنگلی درندے بن جاؤ۔" رمیز نے قدرے نرمی سے کہا اور والٹ سے سو سو کے دس نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے تو وہ رمیز کے پاؤں پر دونوں ہاتھ رکھ کر سر جھکا کر سسکیاں بھرنے لگا۔ اسی ثانیے خالہ برآمدے میں بچیوں کی انگلیاں پکڑے ہوئے پہنچ گئی۔ صورت حال کو بھانپتے ہوئے وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

"صاحب جی، اس کو آخری موقع دے دیجیے۔"

"تاکہ جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ پوری کر سکے، خالہ ایسا کرو تم بھی بوریا بستر سمیٹو اور یہاں سے چلتی بنو۔" وہ غصے میں بولا۔

"مت کرو ایسے نمک حرام اور غدار کی طرف داری۔"

"جی صاحب جی...... جیسے آپ کا حکم اور مرضی۔" وہ ان ہی قدموں پر واپس پلٹ گئی۔

"خالہ نہیں جاؤں گا یہاں سے، میری پکی نوکری سے تیرا صاحب مجھے برطرف نہیں کر سکتا۔" وہ تنک کر بولا۔

"میں ان کے گھر سے تو جا سکتا ہوں۔ مجھے میس میں ساپچی بننا منظور ہے لیکن یہاں سے قدم باہر نہیں نکالوں گا جب تک میرا ہیرو اس ملک کو بنگلہ دیش منوا نہیں لیتا۔"

"عبدالرحمن تُو، تو نرا الو ہی رہا۔ فی الحال یہاں سے غائب ہو جاؤ۔ جب تمہاری مراد بر آئی تو پھر یہ میس تمہارا ہے، واپس آ جانا۔" وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"خالہ میری سوچ یہاں تک تو پہنچی ہی نہیں لیکن یہ افسر پائلٹ بھی عمر بھر یاد ہی رکھے گا کہ کسی غریب کا رزق بند کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟" وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"جا عبدالرحمن، بھڑکیاں اور تڑیاں مت دو، اس قابل ہوتے تو آج یوں ذلیل و رسوا ہو کر یہاں سے نکالے نہ جاتے۔" وہ دل میں ہی بولی اور اس کے کوارٹر سے تیزی میں باہر نکل گئی۔

"نام کا غنڈہ اور بدمعاش بننے کے شوق نے اس کا منہ ہی کالا کر دیا ہے۔ ہمیشہ سے جو بھی بزدل اور ڈرپوک ٹھہرا وہ ہی بدمعاش، غنڈہ اور دہشت گرد بنا کیونکہ اس کی مردانگی کی چیخ و پکار، آہ و بکا، لعن طعن کسی دن تو رنگ لائے گی۔ یہی تو اس کی دلی تسلی ہے۔ کم بخت تمہارا معاملہ بھی یہی ہے۔ ایک طرف بھیگی مسکین بلی۔ دوسرے ہی لمحے طناز اور جابر۔" وہ جونہی کمرے میں داخل ہوئی تو نادرہ نے پژمردگی سے کہا۔

"تم واپس آ گئی۔ میں تو سمجھی تھی کہ تم بھی عبدالرحمن کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی ہو گی۔"

"بیگم جی، آپ نے یہ کیسے سوچ لیا؟ مجھے آنے میں اس لیے دیری ہو گئی کہ عبدالرحمن کوارٹر کے باہر بیٹھا بیڑی پی رہا تھا۔ بے حد پرسکون اور خوش کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم ابھی تک یہاں ہی ہو۔ تمہیں تو آج منہ اندھیرے یہاں سے نکل جانا چاہیے تھا تو کہنے لگا کہ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ میں نہ تو چور ہوں نہ ہی بھاگا ہوا قیدی تو میں اسے سمجھانے لگی۔ آخر اسے میری بات سمجھ آ ہی گئی۔ آج رات یہاں سے دفع ہو جائے گا۔ اس نے تو میری وفاداری پر بھی شک کی مہر لگا دی ہے۔" وہ سر پکڑ کر بولی۔

"شکر الحمدللہ، میں تمہاری بات مان لیتی تو آج مجھے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا خالہ، صاحب تو مجھ سے پہلی بار خفا ہوئے ہیں۔ نہ جانے ان کی یہ ناراضگی کتنے عرصے تک چلے؟ مجھ سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ انہوں نے رات کارپٹ پر ہی کروٹیں بدلتے گزار دی اور صبح فلائنگ کے لیے بھی نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جہاز کو سلامت رکھے۔ جہاز حیات ہے تو رمیز بھی زندہ رہیں گے۔ بس دعا کرو کہ آج فلائنگ میں کوئی غلطی نہ کر دیں۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"لیکن پھر بھی واپس نہیں جاؤں گی۔ وہاں ہر وقت بے چین رہنے سے بہتر ہے یہاں ہی رمیز کی آنکھوں کے سامنے مر جاؤں۔ چاہے مجھ سے عمر بھر بات نہ کریں۔ کمبل ہوں جو ان کی جان نہیں چھوڑے گا۔ انہوں نے شادی کو کھیل تماشہ سمجھ لیا تھا کہ بات بات پر مجھے واپس بھیجنے کی دھمکی دینے لگتے ہیں۔"

"بیگم جی...... آپ معمولی سی ناراضی کو پریشانی بنا بیٹھیں۔ میں تو اٹھتے بیٹھتے اپنے شوہر سے جوتے، مکے اور دھکے کھایا کرتی تھی پھر بھی زندہ رہی اور اسی نامراد کی لمبی زندگی کی دعائیں مانگتی رہی لیکن مجھ مظلوم کی دعا قبول نہ ہوئی۔" وہ دلخراش آہ بھر کر بولی۔

"جب اس دنیا سے وہ سدھار گیا تو مجھے ایسے محسوس ہوا جیسے میرے سر سے پلو اتر گیا ہو اور مجھے ہر ایک بری نظروں سے دیکھنے لگا ہے، میں سر جھکائے آنکھیں نیچی کیے اپنی نوکری کرتی رہی۔ بڑی ہی مشکل زندگی ہو جاتی ہے شوہر کے بغیر ورنہ ہر ایک کو جواب دہ ہونا پڑتا ہے کہ کہاں سے آئی ہو، کہاں جا رہی ہو، کس گھر کام کرتی ہو؟ وہاں ملازم کتنے ہیں، صاحب کی عمر کیا ہے؟ وہ بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں یا اکیلے، اللہ تعالیٰ صاحب کو عمر دراز عطا فرمائے اور آپ ان کی ہمراہی میں خوش و خرم رہیں۔ مرنے کی باتیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ یہ تو ناشکری اور ناامیدی ہوئی ناں۔"

"ہاں خالہ تم نے کہا تو ٹھیک ہے لیکن دل بڑا ہی نازک اور حساس ہو گیا ہے۔ صاحب نے مجھے پیار بھی تو بے تحاشا کیا ہے ناں۔ آج محسوس ہوا ہے کہ رمیز کی ناراضی نے تمام ہمت و استقلال کو نگل لیا ہے اور یہاں کے حالات مجھے پہلی مرتبہ پریشان کرنے لگے ہیں ورنہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی ہواؤں کے دوش پہ اڑ رہی تھی۔"

"بیگم جی، صاحب جب دو دن بعد گھر واپس آئیں گے تو بھول چکے ہوں گے کہ وہ آپ سے ناراض تھے۔ یہ جو بچے ہوتے ہیں ناں ایک فولادی زنجیر کا کام کرتے ہیں۔ ایک سرا آپ کے پاؤں میں اور دوسرا سرا صاحب جی کے پاؤں میں۔ اگر یہ زنجیر ٹوٹ جائے تو سب سے زیادہ نقصان بچوں کا ہوتا ہے کیونکہ وہ ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں۔ ایک بار وہ بکھر جائیں تو پھر نہ سوتیلی ماں اور نہ ہی

باپ اس ٹوٹی ہوئی زنجیر کو جوڑنے کی شد بدر کھتے ہیں اور نہ ہی وہ اس ٹوٹی ہوئی زنجیر کو اپنے پاؤں میں ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ ماں کے بغیر اولاد باپ کے پیار سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔ اسے اپنی نئی بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد سے والہانہ محبت اپنی بیوی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ آپ تو بہت عقل مند ہیں۔ صاحب جی کی ڈانٹ کو بھول کر ان کے گھر میں قدم رکھتے ہی گھی شکر ہو جائیں۔"

"خالہ مجھے یہ بتاؤ کہ تم ان پڑھ خاندان کی پروردہ ہو۔ یہ باتیں، اشارے کنائے، قیاس آرائیاں، پیشن گوئیاں اور کہاوتیں تم نے کہاں سے سیکھی ہیں، میں تو صاحب کو ناراضی کا مزا چکھانے کا پروگرام بنائے بیٹھی تھی اور تم نے طولانی تمہید باندھ ڈالی۔" وہ پژمردگی سے بولی۔

"بیگم جی یہ باتیں زندگی کے تجربوں اور کٹھے بیٹھے حالات کے مشاہدوں نے دل اور ذہن پر نقش کردی ہیں۔ میں سات سال کی عمر میں اسی بیس پر ماں کے ساتھ آتی تھی۔ افسروں کے بچوں کے ساتھ پکڑن پکڑائی، چور سپاہی، پٹھو گرم، بلی چوہے کا کھیل، چھپن چھپائی، بادشاہ ملکہ، جنرل سپاہی، ڈاکٹر نرس کے کھیل کھیلتی ہوئی ذرا بڑی ہوئی تو بیگمات نے ڈیوٹی اپنی معمر ساسوں کی خدمت گاری کی لگادی۔ ان سے میں نے بہت سیکھا۔ قرآن پڑھنا، دستخط کرنا اور تھوڑی بہت بنگلہ، اردو اور انگریزی زبان کی شدبد ان عمر رسیدہ نے صدقۂ جاریہ سمجھ کر سکھادی۔ ہر وقت ان کی بخشش کی دعائیں کرتی ہوں۔ حیوان سے انسان بنایا۔ ستر پوشی تو ایک بیس کمانڈر کی بیگم نے سکھادی۔ بھلا سا ان کا نام تھا یاد نہیں آرہا۔ انہوں نے اس کے فوائد اور نہ کرنے کے نقصانات سمجھا دیئے۔ اس ماحول ہی نے مجھے اپنوں سے مختلف بنادیا۔ جیسے میرا بھائی بھی ورنہ ہم تو بغیر چولی کے ساڑھی پہننے والی عورتیں ہیں، میرے خاندان کی عورتیں آج بھی اپنے رواج کے مطابق جسم کے ارگرد ساڑھی لپیٹ لیتی ہیں لیکن ستر کھل کھل کر نظروں میں آتا ہے اور میں پانی پانی ہو جاتی ہوں۔" وہ نادم سی ہو کر بولی۔

"یہ تو ہندو دھرم میں ہے بے حیائی اور بے پردگی۔ اب تمہارا خاندان مسلمانوں کے ساتھ رہائش پذیر ہے تو پھر ابھی تک ایسا کیوں ہے؟" وہ حیران کن لہجے میں بولی۔

"بیگم جی، ہم رسم و رواج، رہن سہن اور زبان کے لحاظ سے لکیر کے فقیر ہیں۔ میری بستی میں سب مجھے انگریزنی کہہ کر پکارتے ہیں۔ کیا مجال کہ میری ایک سن جائیں۔ ان کے مرد اتنے چھوٹے دل و دماغ کے ہیں کہ اپنی عورتوں کو میرے سائے سے بھی دور رکھتے ہیں۔" وہ تاسف بھرے لہجے میں بولی۔

"یعنی معاملہ گمبھیر ہے۔ خالہ مجھے یہ تو بتاؤ کہ صاحب کو راضی کر کے اپنا اعتماد کیسے بحال کروں؟" وہ متذبذب لہجے میں بولی۔

"بیگم جی، چھوٹا منہ بڑی بات۔ آپ کو ایک ماں کے ناتے بھی سمجھانا بھلا نہیں لگتا۔ اعتماد اور بھروسا تو اک آئینے کی مانند ہوتا ہے، ٹوٹ جائے تو جڑتا نہیں، دراڑ آجائے تو وہ بدستور قائم رہتی ہے چاہے ہزاروں حربے استعمال کرلیں۔ اگر آپ مجھے اسی وقت عبدالرحمن کی یہ بے ہودہ اور خطرناک حرکت بتا دیتیں تو آج آپ کو اتنی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی۔" وہ اس کے بازو دباتے ہوئے بولی۔

"خالہ اس غلطی کی تلافی کا طریقہ بتاؤ طولانی تمہید کے بجائے مختصراً بتاؤ۔"

"بیگم جی، قطعاً پریشان مت ہوں۔ یہ میاں بیوی کا رشتہ کیا عجیب انوکھا ہے کہ صبح ایسی لڑائی کہ نوبت طلاق تک لیکن شام ہونے سے پہلے ایک ہلکی سی مسکراہٹ سے ایسی صلح صفائی کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" وہ آہ بھر کر بولی۔

"خالہ آج میرے ہاتھ سے شیشے کا گلاس ٹوٹ گیا تو جانتی ہو کہ میں نے حرکت کون سی کی۔ سنو گی تو میرے دل کی حالت زار تک فوراً پہنچ جاؤ گی۔" وہ کہتے ہوئے سر پکڑ کر بولی۔

"میں نے فوراً بھاگنا شروع کردیا اور لان میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ بچے تو وہاں پہنچ کر یاد آئے کہ وہ تو کمرے میں ہیں۔ ان ہی قدموں سے بھاگ کر واپس آئی۔"

"ہائے بیگم جی ایسا آپ نے کیوں کیا؟ آئے دن

گلاس، پیالیاں اور پلیٹیں ٹوٹتی رہتی ہیں۔"
"عبدالرحمن کے ہاتھوں میں تو رعشہ تھا۔"
"نہیں خالہ اس کے ہاتھوں میں قطعاً رعشہ نہیں تھا، آج نہ ہی میرے ہاتھوں میں لرزش تھی۔ البتہ مجھے ایسے گمان ہوا کہ جیسے زلزلہ آ گیا ہے اور میرا گھر گرنے کو ہے ابھی اور اسی وقت بچوں کو کھیلتے دیکھ کر میں اس کیفیت سے نکل آئی۔" وہ لرزیدہ آواز میں بولی۔

"بیگم جی افسوس ہوا، آپ ہی نہیں یہاں آنے والی ہر بیگم ایک ہی ورد پڑھتی ملی کہ میں ایک پائلٹ کی بیوی ہونے کے ناتے ہر آزمائش سے نکلنے کی شدبد رکھتی ہوں اور اگر دشمن سے سامنا ہو جائے تو اس کے سینے کو گولیوں سے چھلنی کرنے کی جرأت رکھتی ہوں اگر اس کے باوجود خطرہ نہیں ٹلتا تو خود پر گولی چلانے سے دریغ نہیں کروں گی۔ یہ موت خودکشی کے زمرے میں نہیں بلکہ شہادت کا رتبہ پا جاتی ہے۔ آپ کی عورتیں بہت دلیر اور پُراعتماد ہیں۔" خالہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے تو مجھے شرمندہ ہی کر دیا ہے، خالہ میں یہ سب جانتی ہوں۔ میرا مطلب تم نہیں سمجھیں یعنی صاحب خفا ہونے کی پریشانی نے مجھے اعصابی طور پر کس قدر کمزور اور لاغر کر دیا ہے کہ گلاس کا چھناکے سے فرش پر ٹوٹ کر بکھرنا مجھے کسی زلزلے کے مترادف لگا۔" وہ نادم سی ہو کر خالہ سے نظریں چرانے لگی۔

دو راتیں بس یوں گزریں کہ وہ بستر پر لیٹتی تو سانس رکنے لگتا تھا۔ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ نیند نے تو نہ آنے کی قسم اٹھا رکھی تھی۔ لیمپ کی مدھم سی روشنی میں اس نے بچوں کی طرف دیکھا۔ گلریز کاٹ میں اور ریشم اور شہزادی اس کے دائیں بائیں دن بھر کی تھکان کے بعد میٹھی گہری نیند سو رہی تھیں۔ جب سے عبدالرحمن یہاں سے رخصت ہوا تھا۔ اپنی ہیبت اور دہشت اسی گھر میں چھوڑ گیا تھا۔ اس لیے خالہ اسی کے کمرے میں گدا بچھا کر نیچے سونے لگی تھی۔ بار بار یہ تصور اسے دہلا رہا تھا کہ وہ سر پھرا جو بڑا غیور اور دلیر بنتا تھا۔ کہیں رات کی تاریکی میں اس حملہ ہی نہ کر دے۔ ایک ناقابل بیان بے تابی اور فکر مندی میں رمیز کی خفگی پہاڑ بن کر اس کے قلب و ذہن کو شکنجے میں لیے مکمل طور پر کامیاب ہو چکی تھی۔ رمیز کا فون پہلے بھی کبھی کبھار آیا کرتا تھا۔ چاہے وہ ڈے نائیٹ فلائنگ کر رہا ہو۔ چاہے گھر دو دن بعد واپسی ہو لیکن ان دو دنوں میں اس نے بار بار رمیز کے فون کا انتظار کیا۔ انتظار میں ایک منٹ ایک سال کا اور قربت میں ایک سال ایک منٹ کا خوش کن احساس دیتا ہے۔ بے بسی کے اس احساس میں اس کے جذبات و احساسات میں ایک طوفانی شوریدگی تھی اور رات مزید طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھی۔

"قدرت مہربان ہوتی تو مجھ سے انجانے میں اور رحم لی میں اتنی بڑی غلطی ہی نہ ہوتی۔ میں نے رمیز کو پریشانی اور عبدالرحمن کو سزا اور خود کو بدنامی اور دس طرح کی غیر مناسب باتوں سے بچانے کے لیے اس کی آہ و بکا اور گڑگڑا کر معافی مانگنے کو اہم سمجھ لیا تھا ورنہ اسے ہرگز معاف نہ کرتی۔ بات تو سچ ہے کہ میں اس دن اپنی نسوانی عزت و تکریم اور جان سے بال بال بچی تھی۔ اب مجھے اس کا احساس ہوا ہے۔ کہ تھرتھرانے اور دھمکانے والا خوف ہی ختم نہیں ہو رہا یا الٰہی مجھ پر رحم کر دے۔" وہ خود کلامی کر رہی تھی۔

"بیگم جی، سو جائیے کس سے باتیں کر رہی ہیں؟" خالہ نے کروٹ بدل کر کہا اور اگلے لمحے اس کی پھر سے آنکھ لگ گئی۔

"غریب کی نیند اتنی گہری کیوں ہوتی ہے؟ چاہے اس کے پیٹ میں بھوک کے مرغولے اٹھ رہے ہوں۔ پیاس سے ہونٹ خشک اور آنتڑیاں کٹ رہی ہوں اور دکھوں سے چور چور ہی کیوں نہ ہو؟ وہ خواب خرگوش کے مزے لوٹتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کے پس منظر میں ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ ان کا ایمان پیٹ بھرے ہوئے انسانوں سے زیادہ مضبوط ہے۔ امیر اپنی نسلوں میں اپنی دولت منتقل کرنے کی خواہش میں کیسے کیسے جتن کرتا ہے؟ پاپڑ بیلتا

ہے آٹے کے نہیں لوہے جیسی سخت دھات کے اور یہ غریب اگلے وقت کی سوکھی روٹی بھی اسی پالنے والے پر چھوڑ دیتا ہے کہ جس نے پیدا کیا ہے وہ پیٹ بھرنے کا بھی انتظام کرے گا۔ بات تو سچ اور اٹل حقیقت ہے کہ آج تک کوئی ذی بشر بھوک سے نہیں مرا۔" سوچتی ہوئی وہ بستر سے اٹھ کر برآمدے میں نکل آئی۔ باہر گھٹا ٹوپ اندھیرا اور سکوت نے ماحول پر چادر تان رکھی تھی۔ ہوا میں بھی زیادہ شدت نہیں تھی۔ البتہ ہلکی سی خنکی ضرور تھی۔ جو ساحل سمندر سے ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ وہ پورچ میں نکل کر آس پاس دیکھنے لگی۔ مکمل سکوت اور تاریکی میں ٹارچ کی روشنی نے اسے چونکا دیا اور وہ بھاگنے کے انداز میں پورچ سے برآمدے میں آ کر کوریڈور میں کھڑی ہو کر ٹارچ کی روشنی کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اوہو چوکیدار ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ "رات کے دو بجے اپنے فرائض نبھانے میں مگن اور مست تو پھر ڈر کس بات کا ہے؟ عبدالرحمن کی کیا مجال کہ یہاں قدم بھی رکھ جائے۔" وہ قدرے مطمئن ہو کر کمرے میں آ کر لیٹ گئی اور رمیز کی رفاقت میں گزرے ہوئے حسین و دلنشیں لمحوں کو یاد کرتی ہوئی نیند کی وادیوں میں گھومنے لگی تھی۔

رمیز نے جونہی گھر کے اندر قدم رکھا۔ نادرہ پھرتی سے کچن کی طرف بڑھ گئی اور ٹھنڈے پانی کا گلاس بھر کر اس کے قریب آئی اور دل ہی دل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ورد کرنے لگی۔ رمیز نے اس کے اترے ہوئے چہرے اور جھکی ہوئی پلکوں میں چھپی ہوئی ندامت سے بھرپور آنکھوں میں جھانکا اور پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے پکڑ کر ایک ہی سانس میں پی گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں آ کر سنجیدگی سے بولا۔

"آئندہ ایسی غلطی مت کرنا۔ وعدہ کرو کہ مجھ سے زندگی میں کوئی بات نہیں چھپاؤ گی۔" یہ سن کر اسے امی کی بات پر یقین آ گیا۔ وہ کہا کرتی تھی کہ جب شوہر گھر کے اندر داخل ہو تو اسے فوراً ٹھنڈا پانی پلانے سے اس کا غصہ رفو چکر ہو جاتا ہے۔

"رمیز وعدہ کرنے سے پہلے کچھ سوالات کے جوابات چاہیے تاکہ غلط فہمی کی گنجائش نہ رہے۔" وہ ذرا سی جھجک کر بولی اور دل خوشی میں بے قابو اور سوچ مفلوج سی ہونے لگی۔

"ہاں بولو۔" وہ ابھی بھی سنجیدہ ہی تھا۔

"کیا یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ میں نے آپ کے والٹ سے کتنے پیسے نکالے اور خالہ سے کبھی کبھار یہاں کی چنا چاٹ بھی منگواتی ہوں، آپ کے کپڑے دھوبی سے تیار کرواتی ہوں لیکن کریڈٹ میں لیتی ہوں، کھانا عبدالرحمن پکاتا تھا، انعام میں وصول کرتی رہی، اپنی سہیلیوں میں گپ شپ کے لیے کبھی کبھار دس بجے چلی جاتی ہوں، بچوں کو خالہ کی سپرویژن میں چھوڑ کر کبھی کبھار آپ کے والٹ سے چرائے ہوئے پیسوں سے ساڑھی خرید کر صندوق میں دبا دیتی ہوں، گھر کے خرچے سے پیسے بچا کر سونا خرید لیتی ہوں کہ مشکل وقت میں کام آئے گا۔ کیا یہ سب بتانا ضروری ہے؟" وہ انگلیوں پر گنتے ہوئے بولی تو اس کی معصومیت پر جس پر فرشتے بھی ناز کریں۔ رمیز کا سلیوٹ کرنا تو واجب ہو گیا تھا۔ اسے گلے لگا کر محبت بھرے لہجے میں بولا۔

"یہ سب عورتوں کی رازدارانہ حرکتیں ہیں، یہ بتانے کی ضرورت نہیں جو بھی کرتی ہو۔ سب درست ہے ورنہ بیوی نہ کہلاؤ۔" کوشش کے باوجود اس کا ایک بلند شگفتہ قہقہہ کمرے میں گونجا۔ تو گلریز ڈر سے اچھلا اور فریادیں کرنے لگا۔

"آپ نے بیٹے کو جگا بھی دیا اور رلا بھی دیا۔" وہ بھی اپنی معصومیت کے احساس میں چونک کر نادم ہوتی ہوئی بولی۔

"آپ کی ناراضی نے تو مجھے پاگل ہی کر دیا ہے۔ بس مان لیں کہ بیویاں ایسا ہی کرتی ہیں۔ سن لیں کہ کوئی وعدہ وعید نہیں کروں گی۔ آپ نے مجھے بے وقوف ہی سمجھ لیا ہے۔ پڑھی لکھی ہوں آپ سے زیادہ سب جانتی ہوں کہ میاں بیوی کے مسائل، راز و بھید مسرتیں اور راحتیں یکجانہ

ہوں تو شک کا جنم لینا لازم ہو جاتا ہے۔" وہ کہتے ہوئے بیتی ہوئی راتوں کی روئیداد سناتے ہوئے گلریز کو بازوؤں کے جھولے میں بہلانے لگی۔ رمیز بھی اسی کے انداز میں بولا۔

"آئی ایم سوری...... مقصد تمہیں پریشان کرنا ہرگز نہ تھا، میں فکرمندی اور غصے میں بے قابو ہو گیا تھا۔ خدشے اور کیسے کیسے وسوسوں نے مجھے فلائنگ کے دوران بھی نہ چھوڑا۔ شکر ہے کہ تم اس غدار اور فریبی کے وار سے بچ گئیں اگر ہم نے اس واقعہ کے بعد بھی کوئی درس نہیں سیکھا تو ہم آئندہ بھی کسی حادثے کا شکار ہو سکتے ہیں۔" وہ اضطراری انداز میں بولا۔

"جی رمیز۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں خالہ پر اندھا اعتماد کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ہماری اولاد اس کے ہاتھوں میں پروان چڑھ رہی ہے اگر اس نے ہمیں دایاں دکھا کر بایاں دے مارا تو ہم جیتے جی مر جائیں گے۔"

"آپ کی فکرمندی بجا ہے۔" وہ مختصر جواب کے بعد خاموش ہوئی لیکن چہرے پر سوگواریت کی چھاپ نمایاں تھی۔

"کیا خالہ کے بغیر گزارہ کر سکتی ہو؟" وہ وضع دارانہ انداز میں بولا۔

"رمیز تمام حالات آپ کے سامنے ہیں، میں کیا کہوں، آپ خود سمجھدار ہیں کہ اس وقت تینوں بچے ایسے اسٹیج پر ہیں کہ ہر وقت ان کی کوئی نہ کوئی ڈیمانڈ رہتی ہے اور خالہ ہمارے مزاج اور ماحول میں ڈھل بھی گئی ہے۔ نئی آیا تو ایک طوفان ہی کھڑا کر دے گی۔" وہ گومگو کی کیفیت میں بولی۔

"ہاں یہ تو ہے، ہم ان حالات میں کسی نئی آیا کو ٹرائی نہیں کر سکتے۔ نہ جانے وہ ہمیں کیسا دھوکہ دے کر چلتی بنے۔ دراصل اب تو مجھے کسی پر اعتماد اور بھروسا ہی نہیں رہا۔ میس میں ملازمین کی کمی ہے۔ خالہ کا بھائی بھی نوکری چھوڑ کر چٹاگانگ چلا گیا ہے۔ وہ سمجھدار نکلا کیونکہ زیادہ تر بنگالیوں کو ڈس مس کر دیا گیا ہے۔ جب تک کسی قابل اعتماد کک کا انتظار نہیں ہوتا میس میں بکنگ کرا دیتا ہوں۔ کم از کم کھانا تو تمہارے ٹیبل پر پہنچ جائے گا۔ گزارا کر لیں گے لیکن اب کسی پاجی کو دہلیز پار نہیں کرنے دوں گا۔ کم بخت بے لحاظ اور بے مروت انسان۔ ذرا دھیان رکھنا اس کے لیے یہ علاقہ ممنوعہ ہے۔ عام لوگوں کی طرح۔"

"رمیز اس کی فکر مت کریں۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"نادو جونہی مجھے موقع ملا۔ حالات معمولی سے بھی سازگار ہوئے اور دونوں حصوں میں آمدورفت شروع ہوئی تو سب سے پہلا کام یہ کروں گا کہ تمہیں لاہور بھیج دوں گا۔ ہم نے یہاں سے نکلنے میں بہت دیر کر دی، تم بچوں سمیت یہاں سے واپس جا سکتی تھیں۔ تمہیں تو مجبوری نہیں تھی میری طرح کی کہ ملک کو میری ضرورت ہے اس وقت۔ مجھے تو یہاں ہی اپنا اٹھایا ہوا حلف نبھانا ہے ناں۔" وہ مستحکم لہجے میں بولا۔ "جب سے ایئر فورس جوائن کی ہے اب تو موقع ملا ہے قرض چکانے کا۔ آج تک تو ہم نے ایئر فورس سے بے حساب فوائد اٹھائے ہیں۔"

"مجھے بھی آپ کے ساتھ رہنے کی مجبوری تھی، محبت کا قرض مجھے بھی چکانا تھا، ہم بہت جلد مغربی پاکستان ہنسی خوشی جیت کے ہمراہ واپس جائیں گے۔ میں آپ کی قربت میں بہت سکون میں بھی ہوں اور کسی خطرے سے خوف زدہ بھی نہیں ہوں۔ اس لیے تو اس بدتمیز کی غیر مناسب حرکت کو معمولی سمجھ کر معاف کر دیا تھا۔ آپ ناراض ہوں یا مجھ سے خوش، میں آج بھی آپ کے ساتھ ہی قیام کرنے کے حق میں ہوں۔" ہر چند وہ شرمندہ تھی لیکن لہجہ پر تسکین تھا۔ "جو پیکنگ دھمکی کی غرض سے کی تھی۔ میں نے وہ بھی کھول دی ہے۔"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا نادو اب میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا۔ مجھے بتاؤ کہ میں دوران فلائنگ قطعاً ریلیکس نہیں ہوتا، کسی دن کریش ہو گیا تو اس میں مجرم کون ٹھہرا تم کہ میں؟" اس کا لہجہ فکروغم سے لبریز تھا۔ یہ سن کر وہ اس کی طرف ہق دق دیکھنے لگی کہ ایک دم سے پھر دماغ کیوں

پلٹ گیا ہے۔

"اچھے بچے راز کو اپنے دوست سے شیئر کرتے ہیں اور ضد سے بھی باز رہتے ہیں۔" وہ ذرا سا مسکرا کر صلح جویانہ انداز میں بولا۔

"کبھی کبھار ایسی حرکتیں بہت بڑی غلطیاں بن سکتی ہیں۔ اب تو تم سمجھ گئی ہو کہ ضد چھوڑو اور جانے کی تیاری کرو۔"

"میں آخری سانس تک ضد پر قائم و دائم رہوں گی کیونکہ میری ضد ناجائز نہیں۔ اس باؤنڈری وال کے اندر مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ آپ کو وہم ہو گیا ہے۔"

"ہم بھی کس قدر ناعاقبت اندیش ثابت ہوئے کہ خطرے کو گھر میں پال رکھا تھا۔ خربوزے کی رکھوالی کے لیے گیدڑ بٹھا دیا۔ تم نے تو وہ حرکت کی ہے اسے پاگل، بے وقوف اور حالات کا ستایا ہوا سمجھ کر کہ اب سوچتی ہوں تو سر پیٹ لینے کو دل چاہتا ہے۔ خالہ ہر وقت وارننگ دیتی رہتی تھی پھر بھی ہماری عقل گھاس چرنے سے واپس نہ پلٹی۔ اس معاملے میں قصوروار کون ہے میں کہ آپ اور چڑھائی مجھ پر معمولی سی غلطی کی۔ یہ انصاف تو نہ ہوا یار۔"

"بھئی میں اپنا قصور مانتا ہوں۔ اس کو رکھنے اور نکالنے کا فیصلہ کرنا میرا فرض تھا، میں فلائنگ میں اس قدر بزی رہا کہ اس کے بارے میں کبھی سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔" وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

"چلو اس واقع کو فراموش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔" اسی سمے دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ چڑیاں چہچہانے کی صدائیں ابھریں تو اک دلفریب اور پر لطیف موسیقی نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ رمیز نے تیزی سے دروازہ کھولا۔

شہزادی اور ریشم خالہ کے ہمراہ کھڑی اپنی توتلی زبان میں دروازہ کھولنے کی ضد کر رہی تھیں۔ رمیز نے دونوں کو اٹھا کر سینے سے بھینچ لیا اور خالہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"خالہ کھانا پکانے کی ضرورت نہیں اگر تمہیں کھانا پکانا آتا تو عبدالرحمٰن کب سے اس گھر سے مراجعت کر چکا ہوتا۔"

"بات تو ماننے والی ہے کہ اس کے ہاتھ میں بلا کا ذائقہ تھا کہ دماغ پر چربی کی تہیں جمتی رہیں اور ہمیں خبر ہی نہ ہوئی۔" رمیز نے خالہ کو آواز دے کر واپس بلایا اور اسے نہایت اپنائیت سے کہا۔

"خالہ ہر غلطی کی معافی ہو سکتی ہے۔ دھوکے کو معاف کرنا بہت مشکل ہے۔ بس میری یہ بات پلے باندھ لینا۔"

"بیگم جی میں یہ کیا سن رہی ہوں کہ آپ لاہور جا رہی ہیں؟ اچانک پروگرام بھی بنا لیا اور مجھے خبر تک نہ ہونے دی۔ آپ نے میرے ساتھ ایسا ظلم کیوں کیا؟" خالہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

"میری معصوم سی خالہ ذرا غور سے سنو کہ ابھی تو میں جانے کے لیے رضا مند ہوئی ہوں۔ جانا کب ہو گا اللہ تعالیٰ کو ہی خبر ہے۔ فی الحال تو رستے بند ہیں۔" وہ مصالحانہ لہجے میں بولی۔

"وہ تو درست ہے لیکن صاحب آپ کو واپس بھیجنے کا رستہ نکال ہی لیں گے۔ بیگم جی آپ اپنا وعدہ یاد رکھیے گا۔" وہ آہ بھر کر تسکین کا لمبا سانس لے کر بولی۔

"کون سا وعدہ خالہ؟" وہ حیرت و تجسس بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ اتنی جلدی بھول گئیں۔ ذرا یاد کریں چلیں میں ہی بتائے دیتی ہوں۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کے گھر کا فرد ہونے کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہی لاہور جاؤ گی۔ آپ نے یہی کہا تھا ناں؟" وہ مضطربانہ نظروں سے نادو کو دیکھنے لگی۔

"ضرور...... ضرور لیکن ساتھ یہ بھی تو کہا تھا کہ لاہور لے جانے کا فیصلہ تو صاحب ہی کریں گے کیونکہ بڑے فیصلے کرنے کے اختیارات سے میں محروم ہوں۔ مجھے اسی میں مزا آتا ہے۔ بے فکری ہی بے فکری رہتی ہے۔ نہ فیصلہ کرنے کے لیے سوچ بچار کرو نہ گناہ گار ہونے کا

خدشہ۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ اپنے شوہر کی بے حد لاڈلی اور چہیتی بیوی ہیں۔ انہیں آمادہ کرنے کا اختیار تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ میں سب حالات سے باخبر ہوں۔ بیگم جی، صاحب تو آپ کے شیدائی ہیں۔ آپ کوشش تو کریں۔" لہجہ پرامید تھا۔

"ہاں خالہ...... ہے تو سہی لیکن کیا معلوم کہ وہ...... خیر ابھی تو فکر مندی اور پریشانی سے دور رہو۔ جب جانے کا پروگرام بنا تو پھر یہ عرضی سرتاج کے دربار میں لے کر حاضر ہو جاؤں گی۔ تم دعا کرنا اور میں ان کی منت سماجت کرنے میں کسر نہیں چھوڑوں گی۔ اب تو مطمئن ہو جاؤ۔" نادو شگفتہ لہجے میں بولی۔

"دراصل بیگم جی شہزادی کے بغیر زندگی کا مزا، سکون اور خوشی ہی ختم ہو جائے گی۔ شہزادی تو میری زندگی ہے۔ بے شک ریشم بھی مجھے بے حد عزیز ہے۔ وہ بھی ہر وقت میرے ہوش و حواس پر چھائی رہتی ہے لیکن کلوئی کا معاملہ فرق ہے۔ ماں بھی تو دس بچوں میں سے ایک بچے پر فدا ہو جاتی ہے۔ میرا شہزادی کے ساتھ ایسا ہی انوکھا سا بےلوث رشتہ ہے بیگم جی۔" وہ کہتے ہوئے آبدیدہ ہوئی۔

"خالہ اس میں رونا کس بات کا۔ میں تو پہلے دن سے ہی تمہارے دل کو سمجھ گئی تھی کہ تمہیں دنیا کی ہر شے اور ہر رشتے سے بڑھ کر شہزادی پیاری ہے۔ یہ سوچ کر میں بھی مطمئن رہی لیکن میں نے تم میں انصاف اور برابری کی بہتات کو محسوس نہ کیا ہوتا تو ریشم کے لیے تم پر یقین نہ رکھتی۔ تم نے ریشم کو بھی دل کی گہرائیوں سے پیار کیا ہے۔ خالہ تم بہت عظیم ٹرسٹ وردی خاتون ہو۔" وہ اسے بہلانے کی کوشش کرنے لگی۔

"بیگم جی، میری زندگی کے سفر میں بے شمار افسران آئے۔ میں نے انہیں جی بھر کر آرام بھی دیا عزت بھی کی اور ان سے میں نے بے تحاشا محبت بھی وصول کی لیکن آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مصداق انہوں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھا کہ ان کی وفادار خدمت گار کس حال میں ہے؟ بیگم جی یقین کریں کہ آپ سے مجھے ایسے سلوک کی توقع ہی نہیں اگر آپ نے ایسا رویہ رکھا تو آپ کو بہت جلد میری موت کی خبر مل جائے گی۔" وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بھرائی آواز میں بولی۔

"میری پگلی خالہ لگتا ہے عبدالرحمن کی صحبت میں تمہارا دماغ بھی چل گیا ہے۔ تم میرے بچوں کی نینی ہو۔ یہ تم بھی جانتی ہو اور میں بھی باخبر ہوں۔ زندگی ایک گورکھ دھندا ہی ہے خالہ، جسے آج تک کوئی پختہ مغز بھی نہ سمجھ سکا۔ تم اور میں کیا خاک سمجھ پائیں گے۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

"خالہ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ زندگی کے اس سفر میں لوگ ہر اسٹیشن پر ہم سفر بنتے ہیں اور اگلے اسٹیشن پر الوداع کہہ جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان سے زندگی میں دوبارہ ملنا نہیں ہوتا اور نئے ہم سفر اس خلا کو پر کر دیتے ہیں۔ تمہارا رشتہ خلا کو پر کرنے سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ بات یاد رکھنا ہمیشہ۔ چاہے تم ہمارے ساتھ رہو یا دور۔ ہمارا رشتہ ہمیشہ رہے گا۔" وہ تسلی و تشفی دینے کے انداز میں بولی۔

"مجھے یقین ہے اسی پر لیکن جدائی اور دوری برداشت نہیں کر سکوں گی۔" وہ ہراساں سی ہو کر بولی۔

"تم فکر مت کرو۔ حالات بدلتے رہتے ہیں۔ قوموں پر آزمائش بھی آتی رہتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ان میں کمی بھی آتی ہے اور آزمائش کٹ بھی جاتی ہے۔ بعض اوقات حالات ایسے دھارے کی جانب چل پڑتے ہیں۔ جس کی ہمیں توقع نہیں ہوتی۔ ابھی تو دونوں بچیاں تمہاری نظروں کے سامنے ہیں۔ ان سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرو۔ ابھی سے دل کو دھڑکا لگا بیٹھی ہو۔ یہ تم نے بچگانہ حرکت کر ڈالی ہے۔" وہ ذرا سی الجھ کر بولی۔

"بیگم جی! میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں۔ چاہے بھلے یا برے۔ مجھے تو آپ کے ساتھ ہی بقیہ زندگی گزارنے کی تمنا ہے۔ بے شک آپ سات سمندر پار ہی کیوں نہ جا بسیں؟ مجھے آپ کی ہمراہی میں سات سمندر پار جانے سے کون روکے گا۔ نہ والدین

حیات ہیں نہ ہی خاوند...... اللہ بہن اور بھائی کو شاد و آباد رکھے۔ وہ تو میرے کہنے کی دیر ہے ساتھ چل پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسا پیارا بھائی ہر ایک کے نصیب میں لکھ دے۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر دعائیہ انداز میں بولی۔

”مجھ پر اتنا بھروسا کرنا درست نہیں ہے خالہ...... انسان دوسروں کی توقعات پر کبھی بھی پورا نہیں اترتا۔ ایسے میں غلط فہمیاں بڑھنے لگتی ہیں اور رشتے کی حلاوت کا اختتام رنجشوں پر ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں چاہتی خالہ بس میری آرزو ہے کہ ہم ایک دوسرے سے دوری میں بھی دلوں میں بستے ہوئے ملنے کی تمنا کریں۔ خالہ میرے جانے کے بعد تمہیں نوکری مل ہی جائے گی۔ فکر مت کرو۔“

”بیگم جی یہاں سینکڑوں بیگمات کے بچوں کی آیا گیری کی ہے۔ اسی اخلاق و محبت سے لیکن کسی کے ساتھ دل نہیں ملا۔ آپ کو کیا معلوم کہ باہر آپ کی تعریف میں لوگ زمین آسمان یکجا کر دیتے ہیں۔“ وہ عقیدت مندانہ لہجے میں بولی۔

”کون ہیں بھئی یہ لوگ۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔“ وہ ہنسی کے لہجے میں بولی۔ ”خالہ تعریف چاہے جھوٹی ہی کیوں نہ ہو۔ روح کی غذا بن جاتی ہے۔ اس وقت میرا بھی یہی حال ہے۔“

”بیگم جی ملازموں سے تعریف کرانا آسان نہیں۔ اس میس کا ہر ملازم آپ کے اخلاق و کردار کے گن گاتا تھکتا نہیں۔ عبدالرحمن جس نے آج تک کسی غیر یا اپنوں کی تعریف نہیں کی تھی وہ بھی آپ کی عقیدت اور لحاظ کی وجہ سے اس گھر میں ٹھہرا ہوا تھا۔ ورنہ وہ ایسا شخص تھا کہ چند مہینوں بعد گھر بدلنا اس کا پرانا شیوہ تھا۔“ وہ شکایتی انداز میں بولی۔

”خالہ مجھے کبھی کبھی اس کا خیال ضرور آتا ہے لیکن پاگل کے ساتھ رہنے والے لوگ جلد یا بدیر پاگل ہی کہلانے لگتے ہیں۔ بہت اچھا ہوا کہ صاحب نے اسے فارغ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اسے جہاں بھی رکھے خوش و خرم اور

تندرست وتوانا رکھے۔ دکھیارا تھا۔ وہ اس کی خوبیاں بھی تو کاؤنٹ کرو۔ ہم کیسے عجیب انسان ہیں کہ ہم انسان کی ایک خامی کے بدلے اس کی بیسیوں خوبیوں کو فراموش کر کے اس پر برا انسان ہونے کا لیبل چسپاں کر دیتے ہیں۔ ہمیشہ وہی انسان دوسروں کی حرکات وسکنات سے منفی نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ جس میں وہ برائی پوشیدہ ہوتی ہے اور اسی کو دوسروں میں شناخت کر کے اپنی ہی برائی کا پرچار کرتا ہے لیکن اسے اس لاعلمی کا احساس نہیں ہوتا۔ جبکہ بعض لوگ معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ نادرہ سنجیدگی سے بولی۔

''بیگم جی کچھ بات سمجھ آئی کچھ بات سر کے اوپر سے گزر گئی۔'' خالہ منمنائی۔

''خالہ تمہیں دوسروں کی برائی اور اچھائی کو ناپنے کا اک پیمانہ دیتی ہوں یا ترازو پکڑاتی ہوں۔ ایک پلڑے میں اچھائیاں اور دوسرے میں برائیاں ڈالتی جاؤ اور پھر اس کا وزن کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اپنا موازنہ کرو اور کاؤنٹ کرو کہ تمہاری خامیوں اور خوبیوں کا حساب کتاب کیا ہے؟ تمہیں خود میں وہی برائیاں نظر آئیں گی جو تم نے دوسروں میں تلاش کی ہیں اور وہی اچھائیاں تمہیں خوش آمدید کہیں گی۔ جن کی تم نے تعریف کی ہے۔ دوسروں کا محاسبہ کرنا فطری امر ہے۔ اسی طرح اپنا بھی محاسبہ کرتے رہیں تو قلب وذہن بھی پرسکون رہے گا اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کو خوب پسند بھی آئے گا۔ وہ بھی راضی ہو جائے گا کیونکہ وہ انصاف کرنے والوں کا دوست ہے۔''

''بیگم جی اس کی بدتمیزی، بے لحاظی اور بے ایمانی کے باوجود آپ مجھے کچھ عجیب سی باتیں سمجھا رہی ہیں۔ اس نامراد کی علتیں مجھ میں کیسے منتقل ہو سکتی ہیں۔ میں کچھ سمجھی نہیں۔'' وہ متذبذب سی ہو کر بولی۔

''ہاں خالہ...... تم ٹھیک ہی کہہ رہی ہو۔ تم عقل مند تو بہت ہو۔ فی الحال سمجھنا نہیں چاہتی ہو کیونکہ معاملہ عبدالرحمن سے جڑا ہوا ہے ناں جو تمہیں ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ایسا کیوں تھا کہ تم دونوں کی ہر بات جھگڑے سے شروع ہوتی تھی اور گالی گلوچ پر ختم ہو جاتی تھی۔''

''بیگم جی...... اب میں آپ کو وہ دھمکی بتاتی ہوں جو اس نے کوارٹر چھوڑتے وقت اگلی تھی پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ میری اس سے کیوں نہیں بنتی تھی؟'' وہ خفگی سے بولی۔

''ارے خالہ...... وہ غصے میں ہزار دھمکیاں اور تڑیاں دے سکتا ہے جو بالکل بے معنی ہیں۔ چھوڑو خالہ اس کا ذکر۔ اب تو وہ یہاں سے سدھار ہی گیا ہے۔ اسے اپنے ذہن میں آباد رکھو گی تو ہر وقت جلتی بھنتی رہو گی۔'' وہ بھی تنگ کر بولی۔

''بیگم جی...... میری بات یاد رکھیے گا اس نے مکتی باہنی کی فوج میں نوکری پکڑ لی ہوگی۔ وہ انسان ہی ناقابل اعتماد اور شاطر تھا اگر کہیں دھکے کھا رہا ہوتا تو دوبارہ معافی تلافی کرنے ضرور پہنچ چکا ہوتا اس کے گھر کا چولہا بجھ گیا ہوتا تو وہ نامراد میرے قدموں پر سجدہ ریز ہونے میں پل بھی نہ لگاتا اور پھر آپ دیکھتیں صاحب کے پاؤں چاٹ رہا ہوتا کتے کی طرح۔'' وہ نفرت آگئیں لہجے میں بولی۔

''خالہ...... وہ یہاں سے نکال دیا گیا ہے یہ تو جانتی ہو ناں۔ اب وہ ہماری طرف سے جہنم رسید ہو جائے۔ ہمیں اس سے کیا۔ اللہ کے واسطے اس گھر میں اس کا نام لینا چھوڑ دو۔ اس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہی ہوں۔'' نادرہ زچ ہو کر بولی۔

''بیگم جی میرے کہنے کا مقصد آپ نہیں سمجھیں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو اور بچوں کو نقصان نہ پہنچا دے۔ بس مجھے اس سے یہی خدشہ ہے۔ گھر کا بھیدی نقصان نہایت آرام سے پہنچا سکتا ہے۔'' وہ لرزیدہ لہجے میں بولی۔

(جاری ہے)

حنا بشریٰ

"بھابی الائچی والی چائے کے ساتھ اگر پکوڑے ہو جائیں تو برسات کا مزہ دوبالا ہو جائے۔" ثانیہ جو ابھی کچھ دیر پہلے ہی کچن کے تمام کام نبٹا کر دو گھڑی سکون کے لیے ٹی وی لاؤنج میں آئی تھی وہاں پہلے سے ہی براجمان فائق کی یہ فرمائش سن کر جل بھن گئی۔

برسات کا موسم تھا، بے چینی اور حبس سے بھرا......

اس موسم میں ثانیہ کی یہ روٹین تھی کہ شام کی چائے سے پہلے کچھ دیر کے لیے تازہ دم ہونے کے لیے وہ ٹی وی لاؤنج میں وقت گزارتی تھی اس وقت اگر وہ کچھ دیر کے لیے پنکھے کے نیچے یا پھر اے سی کے سامنے نہ بیٹھتی تو اسے لگتا تھا کہ موسم کی شدت سے کہیں بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔

"ہاں بھئی اس موسم کا مزہ تو چائے اور پکوڑوں سے ہی دوبالا ہوتا ہے۔" ارش کی عین اس وقت آمد اور فائق کی فرمائش کی حمایت نے ثانیہ کو سلگا کر رکھ دیا تھا۔ ابھی حالانکہ چائے بنانے میں دو گھنٹے تھے۔ فائق کو یوں ہی وقت بے وقت کوئی نہ کوئی فرمائش سوجھتی اور شوہر نامدار ارش جگری دوست کی حوصلہ افزائی فرما دیا کرتے تھے۔

ثانیہ نے جو ابھی فائق سے ریموٹ حاصل کیا تھا، اب پوری تابعداری کے ساتھ ارش کے حوالے کس دل سے کیا یہ وہی جانتی تھی یا اس کا غصے میں کھولتا ہانڈی بنا دل۔

"ثانیہ بھابی ساتھ میں اگر فرائز بھی ہو جائیں تو کیا ہی بات ہو۔" یہ آخری جملہ ثانیہ کی سماعتوں میں اترا تو دل کے اندر خانوں میں غصے سے دھواں پھیل گیا۔

"اچھا لاتی ہوں۔" نہ جانے کس ضبط سے جبراً مسکراتے ہوئے کہا یہ وہ ہی جانتی تھی یا اس کا دل۔

فائق، ارش کا بچپن کا دوست تھا۔ دونوں ایک ساتھ اسکول، کالج اور پھر یونیورسٹی میں پڑھے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد ارش نے اپنا ذاتی بزنس شروع کیا اور فائق نے آسٹریلیا کے لیے ویزا اپلائی کردیا اور کمانے کے لیے باہر روانہ ہوگیا تھا۔ فائق تقریباً پانچ سال آسٹریلیا رہا اس دوران بھی دونوں کی دوستی میں کوئی فرق نہ آیا تھا، وہ مسلسل رابطے میں رہے۔ تقریباً روز ہی ویڈیو کال پہ ایک دوسرے سے گھنٹہ بھر بات ہوتی...... ثانیہ کو بھی دونوں کی دوستی کی نوعیت کا اندازہ ہوگیا تھا۔

ہفتہ ہوا فائق پاکستان واپس آیا تھا کیوں آیا تھا؟ واپسی کی کیا وجوہات تھیں اس بارے میں تو ارش نے ثانیہ کو کچھ بھی نہ بتایا ہاں بس یہ اطلاع دینا ضروری سمجھا کہ جب تک فائق یہاں ہے یا پھر وہ دوبارہ آسٹریلیا نہیں چلا جاتا...... ان کے ساتھ گھر میں ہی رہے گا، فائق نے شروع میں کہا تھا کہ وہ کسی ہوٹل میں ٹھہر جائے گا مگر ارش کا اصرار تھا کہ جب تمہارے دوست کا گھر ہے تو پھر کیوں ہوٹلوں میں خوار ہوا جائے۔

ثانیہ کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا، گھر اچھا خاصا بڑا اور دو حصوں پر مشتمل تھا۔ جس میں الگ سے ایک مہمان خانہ بھی تھا جو فائق کے حوالے کردیا گیا تھا۔ گھر میں لوگ بھی کتنے تھے۔ صرف تین ارش اور ثانیہ کے علاوہ ان کا چار سالہ بیٹا سعد۔

فائق ابھی تک غیر شادی شدہ تھا۔ شادی کیوں نہیں کی ابھی تک...... اس بارے میں کھل کر کچھ نا پتا چلا تھا۔ ایک دوبار شادی کے متعلق پوچھا تو فائق نے جواب کے بدلے الٹا سوال کر کے ثانیہ کو ہی شرمندہ سا کردیا تھا۔

"کیوں بھابی آپ کو میرا یہاں رہنا پریشان کر رہا ہے؟" سوال پوچھا تو بظاہر مسکراتے ہوئے تھا مگر مہمان کا انداز بھی میزبان کو خجل سا کر گیا تھا۔

"ارے بھئی مجھے بھلا کیا پریشانی ہوسکتی ہے، مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔" اور پھر اس کے بعد ثانیہ نے اس موضوع پر دوبارہ بھول کر بھی بات نہ کی تھی۔

ارش ہمیشہ سے ہی بہت مہمان نواز تھا اور اب تو معاملہ اس کے جگری دوست کا تھا۔ اس کے لیے تو ارش کی مہمان نوازی دوگنا ہوگئی تھی۔ فائق کے ناشتے سے لے کر رات کے کھانے تک اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی فرمائش بھی ارش دل سے پوری کرتا تھا اور اس مہمان نوازی میں ثانیہ بھی پوری خوشدلی سے اس کے ہم قدم تھی۔ ویسے بھی ایک فرد کے اضافے سے کوئی خاص پریشانی نہ ہوئی تھی کیونکہ اس کی ماسی جو مددگار تھی اس اضافے میں، ثانیہ کی بھرپور مدد کر رہی تھی۔

ثانیہ کی اصل پریشانی کا آغاز تب ہوا جب اس کی ماسی بیمار ہوئی اور چند روز کی رخصت پہ چلی گئی۔ اس دن ثانیہ کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ ایک فرد کا اضافہ سچ مچ بہت سے کاموں میں اضافہ ہوتا ہے۔

"فائق کا روم پلیز ٹائم پر صاف کردینا۔" یہ ارش کا پہلا حکم تھا اور ایک کے بعد ایک ہر روز ہی کوئی نہ کوئی حکم فائق کے حوالے سے ملنے لگے۔

"وہ ناشتے میں پراٹھا اور انڈہ کھاتا ہے۔" ارش اور ثانیہ سلائس، جیم اور مکھن کا ناشتہ کیا کرتے تھے جبکہ یہ ناشتہ ذرا روٹین سے ہٹ کر بنانا پڑا تو کوفت لازمی تھی۔ پہلے تو ماسی بنا دیا کرتی تھی، پتا بھی نہیں چلتا تھا، ثانیہ صرف سرو کردیا کرتی تھی۔ طوعاً و کرہاً ثانیہ نے اس انڈے پراٹھے کے ناشتے پہ خود کو ذہنی طور پر تیار تو کرلیا تھا مگر ساتھ ہی دوسرا مسئلہ ذہنی کوفت میں مبتلا کرگیا اور وہ یہ تھا کہ فائق صبح کا ناشتہ دوپہر دو بجے کیا کرتا تھا...... وہ وقت جو کے کھانے کا ہوا کرتا تھا اور ثانیہ اس وقت کھانے کی تیاری میں جتی ہوتی تھی...... الگ سے دوبارہ ایک فرد کے لیے ناشتہ بنانا ثانیہ کے لیے الجھن کا باعث بن رہا تھا۔

"فائق صبح سویرے ناشتہ ہمارے ساتھ ہی کرلیا کرے۔" دبے دبے لفظوں میں ثانیہ نے اس پریشانی کا ذکر ارش کے سامنے کیا تو اس کے سوال کے جواب میں ارش نے اس کی ایسی ایسی مجبوریاں بیان کیں کہ ثانیہ تو خاموش ہی ہو کر رہ گئی تھی۔

"وہ صبح سویرے اٹھنے کا عادی نہیں ہے اگر اٹھ بھی جائے گا تو صرف چائے کا ایک کپ پی لے گا...... ناشتہ وہ اسی ٹائم پہ کرے گا کیونکہ آسٹریلیا میں پانچ سال وہ اسی روٹین کا عادی رہا ہے۔" ناشتے کا تو مسئلہ حل نہ ہوا، ہاں البتہ ثانیہ پہ یہ انکشاف ضرور ہوا کہ جب ناشتہ ہی بے وقت ہوگا تو پھر دوپہر کا کھانا، شام کی چائے اور رات کا کھانا اور اس کے بعد رات کی چائے سب کچھ ہی بے وقت ہوگا کیونکہ موصوف فائق آسٹریلیا سے آ تو گئے تھے مگر ذہنی طور پر وہ ابھی بھی وہیں تھے۔

❁......❁......❁

"بھابی...... دوپہر میں کیا پکے گا؟" شروع شروع میں جو مہمان ذرا حد میں تھا، اب وہ بے تکلف بھی ہونے لگا تھا اور حد سے باہر بھی نکلنے لگا تھا۔ پہلے اس کے متعلق ہدایات ارش دیا کرتا تھا، اب فائق بے تکلفی سے بھابی کو خود بھی آرڈر دینے لگا تھا۔ جیسے وہ کسی کے گھر میں نہیں بلکہ ہوٹل میں ہو اور ہوٹل بھی ایسا کہ یہاں آرڈر دیا اور وہاں ویٹر ٹرے پکڑے حاضر ہوگیا۔

"آج...... تو آلو گوشت پکا ہے۔" ثانیہ جو کہ دوپہر کا کھانا تقریباً تیار کرچکی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ فائق بھی اسی آلو گوشت پہ اکتفا کرے گا مگر فائق کے مزاج شاہی کے سامنے تو آلو گوشت کچھ بھی نہ تھا۔

پہلے تو اس نے آلو گوشت کا لفظ سنتے ہی ناک منہ چڑھایا اور پھر آلو کی وہ برائیاں شروع کیں کہ جیسے ثانیہ نے عجیب سبزی گوشت میں ڈال کر سارے سالن کا ستیاناس کردیا ہو۔

"آپ کو پتا ہے بھابی آلو صحت کے لیے کس قدر

نقصان دہ ہوتے ہیں۔" پھر تقریباً سو کے قریب تو فائق بلکہ لائق فائق نے آلو کے ہی نقصان بتاڈالے۔
"یہ موٹا کرتے ہیں، یہ بادی ہوتے ہیں، ان کا کثرت سے استعمال صحت کو تباہ کر دیتا ہے، یہ شوگر کے مریض کے لیے شدید نقصان دہ ہیں۔" اور بھی نہ جانے کون کون سے نقصانات گنوا کر تو فائق نے ثانیہ کو اس احساس میں مبتلا کر دیا کہ آئندہ تو بھول کر بھی آلو کا استعمال کیا ہی نہ جائے مگر ساتھ ہی آلو کے پراٹھے کی فرمائش کر کے ثانیہ کو حیران کر دیا۔ مطلب کہ آلو کا استعمال صرف ان صورتوں میں ٹھیک تھا جن میں فائق صاحب فرمائش کریں پھر اس کے بعد تو نت نئی فرمائشوں کا سلسلہ ہی چل پڑا تھا۔

❁......❁......❁

"بھابی آج ناشتے میں ویجیٹیبل آملیٹ بنا دیں۔" فرمائش نمبر ایک۔ "دوپہر میں چکن بریانی کے ساتھ شامی کباب ہو جائیں تو کیا ہی بات ہے۔" یہ فرمائش نمبر دو تھی۔
"بھابی پلیز چائے بنائیں تو صرف الائچی والی...... میں الائچی والی چائے ہی پیتا ہوں۔" وہ بڑے شاہانہ انداز سے اپنی پسند ناپسند کا اظہار کر رہا تھا۔
"ارے بھئی تمہاری بھابی اتنی زبردست الائچی والی چائے بناتی ہیں کہ پیو گے تو دیوانے ہی ہو جاؤ گے۔" اور پھر واقعی یہی ہوا...... ایک بار فائق نے ثانیہ کے ہاتھ کی الائچی والی چائے پی اور پھر تو شرط ہی جیسے رکھ دی کہ دن میں جتنی بار بھی چائے بنے الائچی لازمی ہو۔ مطلب کہ چائے کے ساتھ الائچی لازم و ملزوم ہو گئی تھی۔
"بھابی رات کے کھانے میں میٹھے میں کیا بنا رہی ہیں؟" ثانیہ کا پروگرام تو مینگو پڈنگ بنانے کا تھا مگر فائق کی فرمائش تھی کہ فیرنی بنائی جائے...... اس کے منہ سے نکلنے کی دیر تھی کہ ارش تو جیسے بے قرار ہی ہو گیا تھا۔
"ویسے کافی دن ہو گئے ہیں فیرنی نہیں کھائی۔" گھنٹے دو گھنٹے لگا کر پوری محنت و جانفشانی کے ساتھ ثانیہ نے فیرنی تیار کی اور اس پہ بادام پستے کی ہوائیوں کے ساتھ چاندی کے ورق لگا کر فریج میں ٹھنڈا کر کے جب پیش کیا تو تقریباً آدھا باؤل تو فائق ہی کھا گیا...... ایک آدھ کٹوری سعد کے حصے میں آئی جبکہ ارش اور ثانیہ کو کچھ نہ ملا۔
"چلو مہمان جتنا کھائے، اتنی ہی رزق میں برکت ہوتی ہے۔" یہ ارش کی سوچ اور فراخدلی تھی۔ جس سے شروع میں تو ثانیہ سو فی صد متفق تھی مگر اب اندر ہی اندر اختلاف ہونے لگا تھا۔ اس اختلاف کی وجہ بگڑے ہوئے مہمان کے غلط طور طریقے، غلط عادات اور وقت بے وقت کی فرمائشیں تھیں۔

❁......❁......❁

"بھابی آپ کو چنے کی دال کا حلوہ بنانا آتا ہے؟" یوں لگتا تھا کہ جیسے فائق کا ذہن بس چوبیس گھنٹے کھانے پینے کی طرف ہی لگا رہتا تھا۔ کئی بار تو ثانیہ کو لگتا تھا کہ جیسے وہ پانچ سال آسٹریلیا کے بجائے کسی جیل میں رہا ہو جہاں شب و روز بس ایک سا کھانا دال روٹی یا پھر کوئی مخصوص سبزی کھا کھا کر اس "قیدی" کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ دن رات اسے مزے مزے کی ڈشز کا ہی خیال ستاتا رہتا ہے...... کچھ نہ کچھ اچھا اور لذیذ ہی کھانے کو دل للچاتا رہتا ہے اور خوش قسمتی تھی اس مہمان کی کہ ایسا میزبان میسر آیا تھا کہ وہ لذیذ اور ذائقہ دار کھانے پکانے کا ماہر تھا۔
"یار ارش تیرے تو مزے ہی ہو گئے...... اتنا اچھا کھانا پکانے والی بیوی ملی۔" یہ الفاظ تو جیسے فائق کے تکیہ کلام بن گئے تھے۔
"یار...... بھابی کی چھوٹی بہن اگر ہو کوئی تو......" وہ شرارت بھرے انداز میں کھانے کی میز پہ لذیذ کھانوں سے انصاف کرتے ہوئے یہ بات کہتا تو اس کا مطلب

سمجھ کرارش مسکراتے ہوئے یہ جواب دیتا۔
''تمہاری بھابی اکلوتی تھیں۔''
''فائق اتنی سخت گرمی اور حبس بھرے موسم میں چنے کی دال کا حلوہ۔'' ثانیہ کے مطابق تو یہ سردی کی ڈش تھی جو سرد موسم میں ہی اچھی لگتی تھی۔ کھانے میں بھی اور پکانے میں بھی، ایک تو اتنی جان لیوا گرمی اور اس میں دال کا حلوہ...... ایسے موسم میں تو خاتون خانہ روٹین کا کام کر کے ہی ہانپ جاتی ہے، اب اس میں دال کا حلوہ وہ بھی چنے کی...... دل جیسی سخت جان دال مگر فائق کہاں ٹلنے والا تھا...... ایک دفعہ جو فرمائش منہ سے نکال دی سو نکال دی اور اس پر ارش کی تائید پھر تو فائق پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا...... سب جائے بھاڑ میں، ثانیہ چاہ کر بھی اپنا دفاع نہیں کر پاتی تھی۔
''الائچی، خالص دیسی گھی اور اس میں بنا دال کا حلوہ یا تو امی لاجواب بناتی تھیں یا آج ثانیہ بھابی نے بنایا ہے۔'' فائق نجانے کتنی بار حلوہ کھا چکا تھا مگر نہ تو دل بھر رہا تھا اور نہ ہی نیت۔
''واہ بھابی کیا بات ہے آپ کی...... آپ کے ہاتھوں میں تو جادو ہے۔'' فائق دل کھول کر داد دے رہا تھا اور اس بات سے مکمل لاپروا کہ میزبان کس ضبط سے مسکرا رہا تھا جبکہ اس کا چہرہ تھکاوٹ اور گرمی سے کس قدر نڈھال لگ رہا تھا۔
اس کے بعد دال کے حلوے کے ٹھیک دو دن بعد...... بیسن کے لڈو کی فرمائش اور اس سے اگلے روز سوجی کی ٹکریوں کی۔ یہ ارش کے سر چڑھے دوست اور مہمان کی بے تکلفانہ فرمائشیں تھیں...... یہ جانے اور سوچے بنا کہ میزبان کو بھی آرام کی ضرورت ہے احساس اور خیال کی مگر یہاں تو صرف برسات کو انجوائے کیا جا رہا تھا...... ان فرمائشوں نے ثانیہ کے بجٹ پہ اچھا خاصا بوجھ ڈالا تھا...... پورے مہینے کا راشن تقریباً ایک ہفتے میں ''ختم'' ہو گیا تھا اور ہر روز الائچی والی چائے تو چھ سات بار لازمی بنتی، کہاں ثانیہ اور ارش صرف صبح شام چائے پیتے تھے مگر فائق تو دن میں کئی بار چائے کا طلب گار رہتا تھا...... پتا نہیں فائق کو الائچی سے اتنی محبت کیوں تھی، اب تو ثانیہ کو الائچی کی شکل سے چڑ ہونے لگی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ فائق کی پیدائش ہی الائچی کے باغات میں ہوئی تھی یا پھر گھٹی بھی الائچی کی دی گئی تھی۔ دال کا حلوہ ہو یا سوجی کا حلوہ، بیسن کے لڈو ہوں یا پھر کوئی اور ڈش ثانیہ کو الائچی ڈالنے کی ہدایت ضرور دیا کرتا تھا۔
''بھابی الائچی ضرور ڈالیے گا۔'' ثانیہ کا دل چاہتا تھا کہ الائچی کا گلا دبا دے یا پھر......

❁......❁......❁

''مما فائق انکل آسٹریلیا واپس کب جائیں گے؟'' ثانیہ جو ابھی رات کے کھانے کے بعد ارش اور فائق کو الائچی والی چائے دے کر سعد کے کمرہ میں آئی تھی۔ اس کا یونیفارم اور بیگ صبح اسکول کے لیے تیار کرنے کے لیے تو سعد کی طرف سے یہ سوال سننے کو ملا۔
''کیوں کیا ہوا؟'' یونیفارم پریس کرتے ہوئے ثانیہ نے ایک نگاہ بیٹے کے چہرے پہ ڈالی کیوں کہ سوال عام نوعیت کا نہیں تھا...... تاثرات بتا رہے تھے کہ ننھا سعد بھی فائق کے طویل قیام سے کوفت زدہ ہو گیا ہے پھر ثانیہ کے پوچھنے پر سعد نے اپنی پریشانی اور الجھن کی ایک لمبی فہرست ماں کے سامنے رکھ دی جس میں سے دو سعد کے لیے شدید نوعیت کی تھی کہ ایک تو فائق اس کے فریج میں رکھے نگٹس، چاکلیٹ کھا جایا کرتا تھا اور جب سعد فریج کھولتا تو اپنی یہ دونوں چیزیں نہ ملنے پہ رونے لگتا تھا اور دوسری الجھن کی وجہ فائق کا چوبیس گھنٹے ٹی وی ریموٹ پہ قبضہ تھا۔
''یار کچھ پڑھ وڑھ لیا کرو ہر وقت کارٹون......'' فائق کا یہ ڈائیلاگ صرف سعد سے ریموٹ لینے کے لیے ہوا کرتا تھا ایسا نہیں تھا کہ سعد بہت پڑھائی چور، نالائق بچہ تھا اور فائق جیسے پڑھائی کے معاملے میں

بہت حساس اور اس کا تجربہ تو ثانیہ کو خود بھی ہوا تھا کہ جب سے فائق آیا تھا سعد کو ٹی وی دیکھا برائے نام رہ گیا تھا، اس وقت تو اس نے سعد کو یہ کہہ کر بہلا لیا تھا کہ جلد ہی چلیں جائیں گے پر خود سوچ میں پڑ گئی تھی۔ دس بارہ دنوں میں ایک فرد کے اضافے سے ثانیہ کی روزمرہ کی روٹین کس قدر بوجھل ہوگئی تھی اور گھر کا بجٹ بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ تھک کر رات کو بستر پہ آتی تو یہ سوچیں اسے مزید بوجھل کرنے لگتی تھیں۔

''اس مہینے کے اخراجات کا بجٹ کچھ اوور لوڈ نہیں ہو گیا؟'' رات کو ارش سونے کے لیے کمرے میں آیا تو ثانیہ نے دبے لفظوں میں کہتے ہوئے کچھ سمجھانا چاہا مگر اپنے جگری دوست کی فراخدلی سے مہمان نوازی کرتے ہوئے ارش کا ان باتوں کی طرف دھیان نہیں گیا تھا اگر زبردستی غور کرنے کے لیے کہتی یا بحث ومباحثہ کرتی تو یقیناً ارش ناراض ہو جاتا، اس کی ناراضی کے خوف سے بھی ابھی تک ثانیہ نے فائق کے متعلق کچھ کھل کر اظہار نہ کیا تھا بلکہ ارش نے ثانیہ کی بات پہ غور کرنے کی بجائے فائق کی ایک نئی فرمائش صبح کے لیے نوٹ کروائی اور کروٹ بدل کر سو گیا...... وہ فرمائش تھی سوجی کے حلوے کی خالص دیسی گھی میں خوب ناریل، کشمش اور بادام الائچی ڈال کر حلوہ بنانے کی۔ ثانیہ تو یہ فرمائش سن کر دل ہی دل میں کھول کر رہ گئی تھی۔ فائق کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت تو نہیں کر سکتی تھی مگر اپنی روٹین اور سعد کی الجھن کو دور کرنے کے لیے اس کا ذہن کوئی ترکیب ڈھونڈنے لگا تھا۔

❁......❁......❁

کچھ روز سے ثانیہ کو اپنی طبیعت ناساز محسوس ہو رہی تھی۔ ماسی بھی تندرست ہو کر واپس نہیں آئی تھی، سارے کاموں کا بوجھ ثانیہ پہ ہی تھا۔ ایسے میں فائق کی ہر روز نت نئی فرمائشوں کا سلسلہ جس نے ثانیہ کو بری طرح سے تھکا دیا تھا۔ ارش کو اہم میٹنگ کے سلسلے میں شہر سے چند روز کے لیے باہر جانا پڑا تھا...... فائق کی طرف سے اسے کوئی فکر نہیں تھی، ثانیہ کو بہنوں کی طرح سمجھتا تھا...... میٹنگ ضروری تھی اس لیے جانا بھی ضروری تھا پھر ثانیہ نے بھی مطمئن کر دیا تھا کہ گھر کی فکر نہ کریں آپ میٹنگ اٹینڈ کر آئیں...... ویسے بھی ارش کی غیر موجودگی ہی تو ثانیہ کو درکار تھی...... یہ سنہری موقع اسے قدرت کی طرف سے مل ہی گیا تھا۔

''بھابی...... ذرا اچار اور زبردست سا ناشتہ تو بنا دیں۔'' ناشتہ بھی کوئی عام ہلکا پھلکا سا نہیں تھا جیسے ہوٹل میں ناشتے کی میز گویا سیٹ کرنے کا آرڈر فائق صاحب ویٹر کو دے رہے تھے۔

''دو آلو کے پراٹھے (خستہ وگرما گرم) وہ جیٹیبل آملیٹ ذرا اسپائسی سا، چکن کباب، میٹھی لسی اگر سویٹ میں شاہی ٹکڑے ہو جائیں تو کمال ہی ہو جائے۔'' اپنا تولیہ توتھ برش پکڑ کر یہ سر ''چڑھا مہمان'' جس کے لاڈ اٹھا کر ارش نے اسے عرش پہ بٹھا دیا تھا، جسے اب فرش پہ لانے کا اہتمام کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔

مہمان واش روم میں گھس گیا اور ایک بار بھی میزبان کے نڈھال اور مرجھائے ہوئے چہرے پہ نظر ڈالنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ثانیہ نے ایک تاسف بھری نگاہ فائق پہ ڈالی جو نہ تو اس کا عزیز رشتے دار تھا، نہ ہی دیور یا چھوٹا بھائی تھا۔ وہ تو بس مہمان تھا اور ارش کا دوست...... اس ناتے سے تھوڑی بہت جھجک اور احساس تو ہونا چاہیے کہ خاتون خانہ بھی انسان ہے، اس کا بھی احساس وخیال کرنا، اسے بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے...... میزبان تو ویسے ہی مہمان کا خیال کر کے عام روٹین سے ہٹ کر کچھ خاص کرنے کا سوچ لیتا ہے مگر یوں مہمان کا بے تکلفانہ انداز میں ''دھڑا دھڑ'' فرمائشی پروگرام جاری کرنا کوئی عقل مندی نہیں...... جس سے میزبان کو بھی زحمت ہو اور میزبان کے بجٹ پہ بھی لوڈ پڑے مگر فائق تو یوں ہر بات سے بے نیاز تھا کہ جیسے یہ اس کے دوست کا نہیں اس کا اپنا گھر ہو۔

"یہ کیا بھابی؟" فائق فریش ہوکر نکلا تو تصور میں تو یہی تھا کہ ناشتے کی شاہانہ سی میز سجی ہوگی مگر یہ کیا وہاں تو دلیے سے بھرا باؤل رکھا تھا اور ساتھ میں ایک عدد پلیٹ اور چمچ۔

"فائق میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے..... سچ کہوں تو ہلنے کی بھی ہمت نہیں۔" ثانیہ کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں تھی بی پی بھی لو تھا مگر اس مہمان (جو کہ اب "وبال جان" بن گیا تھا) اس کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے یہ سب ضروری تھا۔

"آج تو بس دلیہ ہی بنا سکی ہوں۔" ثانیہ نے اپنے اور سعد کے لیے دلیہ بنایا تھا سو وہی فائق کے آگے بھی رکھ دیا..... ثانیہ نے باریک بینی سے فائق کے خاموش تاثرات کا جائزہ لیا یقیناً یہ مریضوں والی غذا اس "چٹخورے مہمان" کے حلق سے اترنا دشوار تھی۔

"ٹیسٹ تو کرو فائق..... ویسے میں دلیہ بھی بہت مزے کا بناتی ہوں۔" اور پھر ناشتے میں دلیہ، دوپہر کے کھانے میں دلیہ، رات کے کھانے میں دلیہ..... اس "دلیہ مہم" نے آسٹریلیا پلٹ فائق احمد کو مریض بنادیا تھا..... وہ جو مفت میں اتنے دنوں سے عیش کررہا تھا نہ جیب پہ کوئی بوجھ، نہ فکر نہ فاقہ..... مزے مزے کے کھانوں نے تو اس کا واپس جانے کا ارادہ ہی جیسے ملتوی کردیا تھا۔

دراصل فائق ایک کام چور اور سست شخص تھا، جسے محنت سے کوئی سروکار نہ تھا، آسٹریلیا میں بھی کچھ عرصہ تک ملازمت کی پھر دل بھر گیا تو چھوڑ کر واپس پاکستان آ گیا..... ارش سے گہری دوستی کی بنا پر اس کے گھر رہنے لگا اور بھابی کے ہاتھ کے کھانے کھا، کھا کر فائق کو اب کچھ نہیں سوجھ رہا تھا..... یہ بھی نہیں کہ وہ مہمان تھا اور یہ بھی سوچ نہیں رہا تھا کہ وہ اپنے دوست کی پرسنل لائف کو کہیں ڈسٹرب تو نہیں کررہا مگر یہ سب ثانیہ سوچ بھی رہی تھی اور اب ایسا کچھ کرنا چاہتی تھی کہ ارش کی اور فائق کی دوستی بھی خراب نہ ہو مگر اس "مہمان عرف وبال جان" سے چھٹکارا بھی مل جائے۔

فائق اب یہ سوچ رہا تھا کہ ثانیہ بھابی کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نجانے کتنے دن گھر میں "دلیے کی حکمرانی" رہے گی سو اس سے بچنے کے لیے فائق کے پاس اب ایک ہی راستہ تھا۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

"یوں اچانک بتائے بغیر کہاں چلا گیا؟" ارش واپس لوٹا تو عزیز دوست کی غیر موجودگی پریشان کرگئی کہ وہ بوریا بستر لپیٹ کر جاچکا تھا..... وہ بھی کچھ بتائے بغیر، بغیر ملاقات کیے، ارش نے اس کے نمبر پہ فون کیا تو وہ بھی پاور آف تھا، ارش متعدد بار ثانیہ اور سعد سے فائق کے متعلق پوچھ چکا تھا۔

"میں اور ماما سو کے جب شام میں اٹھے تو فائق انکل گھر میں نہیں تھے اور نہ ہی ان کا سامان تھا۔" یہ خبر سعد نے دی تھی۔

"ہوسکتا ہے ضروری کام کی وجہ سے جانا پڑ گیا ہو۔" ثانیہ کے چہرے پہ مصنوعی فکر مندی کے تاثرات تھے جبکہ دل اندر سے قہقہے لگا رہا تھا۔ ارش کی موجودگی میں تو وہ اس "مہمان" کا دماغ ٹھکانے نہیں لگاسکتی تھی اور نہ ہی اسے بھگانے کے لیے "دلیہ مہم" چلاسکتی تھی۔

قدرت نے بھی اس کا ساتھ دیا انسان کا اپنے اوپر بھی حق ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنا خیال رکھے، آرام کرے، یوں اندھا دھند ہر وقت کام لینے سے تو مشین بھی خراب ہوجاتی ہے پھر وہ تو انسان تھی، صنف نازک تھی مگر ارش کا دھیان ان باتوں کی طرف نہ تھا اسے تو بس دوست کی فکر کھائے جارہی تھی..... وہ ہوتا تو فائق کو دلیہ کھلانے کی بجائے ہوٹل سے اس کے لیے کھانا منگواتا اور اپنے اوپر مزید بوجھ ڈال لیتا اور مہمان کے وارے نیارے ہوجاتے..... اس "دلیہ مہم" میں ننھے سعد نے بھی خوب ماں کا ساتھ دیا تھا..... پورے دو روز کے لیے ماما سے کوئی فرمائش نہیں کی تھی کہ اس

بہانے سے فائق کے بھی مزے ہوتے رہتے، ثانیہ نے فریج کو ہر مزیدار چیز سے خالی کردیا تھا اس میں صرف دلیے کا باؤل اور پانی کی ٹھنڈی بوتلیں موجود رہتیں۔

❁......❁......❁

فائق جب بھی کوئی فرمائش کرتا تو یہ ساتھ ضرور کہنے لگا تھا کہ بس تھوڑے دن بھابی اور آپ کو تنگ کروں گا پھر میرے آفس سے کال آ گئی تو جانا پڑے گا۔

''ارش ضرور فائق واپس آسٹریلیا چلا گیا ہوگا۔'' ثانیہ کو ارش کی فائق کے لیے فکر مندی ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ وہ دوست جسے نہ تو اپنے دوست کی فکر تھی نہ بھابی کا خیال اور نہ ہی ننھے بچے کا احساس اور پھر فائق کا فون آ گیا تھا...... وہ اپنے کزن کے گھر چلا گیا تھا اور آج کل وہاں مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونے کے بعد آسٹریلیا واپس جانے کا پروگرام تھا۔

ارش اس سے خوب ناراض ہورہا تھا مگر فائق نے مزید کوئی بھی بات بتائے بغیر فون بند کردیا تھا۔ ارش کو قرار مل گیا تھا کہ وہ اپنے کزن کے گھر تھا۔ وہیں ثانیہ کو سخت حیرت اور افسوس ہورہا تھا کہ اپنے رشتے دار موجود تھے...... بے شک فائق کے والدین زندہ نہ تھے اور کوئی بہن بھائی بھی نہ تھے مگر عزیز رشتے دار تو تھے، وہ تو یوں دوست کے گھر ڈیرہ جما کے بیٹھ گیا تھا جیسے اس دنیا میں بالکل اکیلا اور تنہا ہو اور ارش کے علاوہ اس کا کوئی اپنا نہ ہو۔

ثانیہ کو احساس ہوگیا تھا کہ ارش اپنی سادگی میں یہ محسوس ہی نہیں کر پایا تھا کہ وہ مفت خور دوست صرف اس سے فائدہ لینے کی فکر میں تھا...... بجائے یہ کہ ہوٹل پر ہزاروں پیسے خرچ کیے جاتے دوست کے گھر کھانا اور رہائش بالکل فری۔

''مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے...... مہمان کے آگے رکھے رزق کا اللہ حساب نہیں لیتا...... مہمان کی آمد اور اس کے لیے اہتمام اور طعام کو بوجھ سمجھنے والے سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔'' یہ ثانیہ کی دادی کے الفاظ تھے، اسے بچپن سے ہی اپنے بڑوں سے یہ تربیت ملی تھی جسے اس نے پلو سے باندھ لیا تھا اور سسرال میں آ کر بھی ان نصیحتوں کو فراموش نہیں کیا تھا اور ہمیشہ مہمان کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا تھا مگر اس 'مہمان بلکہ بگڑے ہوئے مہمان' نے اپنے بیس روزہ قیام میں اپنی بے تکلفانہ فرمائشوں سے، اے سی کے بے دریغ استعمال اور دیگر چیزوں کے کھلے ہاتھ سے استعمال میں ثانیہ کو اس قدر زچ کردیا تھا کہ فائق جیسا مہمان ''رحمت نہیں زحمت'' بن گیا تھا۔

شروع میں تو ثانیہ مہمان کی طرف سے ملنے والی داد و تحسین پہ پھولے نہ سماتی بلکہ ہر اگلی ڈش کو مزید محنت سے پکاتی تھی مگر آہستہ آہستہ محسوس کرنے لگی کہ یہ مہمان چاپلوسی اور خوشامد سے ''میزبان'' کو الو بنا کر اپنا مطلب نکال رہا ہے۔

''دو تین دن تک مہمان...... اس کے بعد وبال جان ہوتا ہے۔''

مہمان کو بھی میزبان کی تکلیف کا خیال کرنا چاہیے اور اپنے کسی عمل سے بھی میزبان کو اذیت نہ دے...... فائق مہمان نہیں وبال جان تھا...... جس سے چھٹکارے کے لیے خاتون خانہ کو یہی ترکیب سمجھ میں آئی تھی جو کامیاب ٹھہری تھی۔ وہ اپنی اس دلیہ مہم پہ دل ہی دل میں مسکرائی اور اس بیس روزہ مہمان نوازی کو ڈائری میں لکھنا نہ بھولی۔ یہ دلچسپ تحریر تو پڑھنے میں اور لطف دے گی کہ وبال جان کا قصہ لوگ مدتوں نہ بھولیں گے۔

قسط نمبر پندرہ

گزشتہ قسط کا خلاصہ

ہسپتال کی تاریک اور سرد راہ داری میں عورت کی چیخیں گونج رہی ہیں جو تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھیں۔اس کا شوہر بچی کو لے کر فرار ہو جاتا ہے۔

لامیہ سڈنی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوتی ہے۔اذلان اس کا پھوپوزاد ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین دوست بھی ہوتا ہے۔دوسری طرف طیبہ حیدر شاہ کو ان دونوں کی دوستی ناپسند ہوتی ہے اور وہ انہیں دور رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔

سفید حویلی میں احمد علی چٹھہ کا حکم چلتا ہے۔نور بی بی مزاج کی نرم ہونے کے باعث علاقے کی عورتوں کے مسائل حل کرنے میں مصروف رہتی ہیں اور نور العین اکثر ان کے ساتھ رہتی ہے۔

عبدالودود علی چٹھہ سفید حویلی کا بگڑا ہوا سپوت ہوتا ہے جو اپنی من مانی کرنے کا قائل ہوتا ہے جب کہ دوسری طرف تاشفین علی چٹھہ وکالت کے شعبے میں نام پیدا کر چکے ہوتے ہیں۔

مجتبیٰ شہر سے سفید حویلی آتا ہے اور راستے میں عزت نامی لڑکی سے گاڑی ٹکرا جاتی ہے۔عزت لاہور کی اندرونی

گلیوں میں اپنی ماں رشیدہ بی بی کے ساتھ رہتی ہے اور ان کے تعلقات صرف میمونہ خالہ تک ہی محدود رہتے ہیں۔
حازم شفیق عزت کے لیے نرم جذبات رکھتے ہیں لیکن یہ راز ابھی ان کے سینے میں ہی دفن رہتا ہے۔

اب آگے پڑھئے

❁......❁......❁

انہیں اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا، وہ ایک لمحہ ہی تھا لیکن خوشبو مانوس تھی سو انہوں نے نہایت اطمینان سے آنکھیں کھول دیں ان کے نہایت نزدیک آنکھوں میں شرارت اور ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیے وہی کھڑا تھا۔
''کیسے ہو؟'' انہوں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
''آپ کے سامنے ہوں اور نہایت اچھا ہوں۔'' ان کے ہاتھ پہ بوسہ دیتے ہوئے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔
''کیسے آئے ہو؟'' انہیں تشویش ہوئی۔
''جیسے ہمیشہ آتا ہوں۔''
''کتنی بار منع کیا ہے یوں چوراچکوں کی طرح مت آیا کرو، اپنے ہی گھر میں کون یوں ڈاکوؤں کی طرح نقب زنی کرتا ہے، جس دن تمہارے دادا کو پتا چل گیا تمہاری چمڑی ادھیڑ دیں گے۔'' وہ ہر بار اس کی ایسی حرکت پہ پریشان ہو جاتی تھیں۔
''ان کو پتا کیسے چلے گا؟ میں تو بتانے سے رہا تو کیا آپ اپنے اکلوتے بیٹے کی شکایت کریں گی؟'' وہ اب بھی شرارت پہ آمادہ تھا۔
''نبیل..... شکایت کی بات نہیں ہے، بات طور طریقے کی ہے اور میری تربیت تمہیں ایسی حرکتوں کی اجازت نہیں دیتی۔'' انہوں نے نرمی سے اسے سمجھایا۔
''میں سب جانتا ہوں امی..... لیکن میں ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتا، ان کی طنزیہ باتیں، تمسخرانہ نظریں مجھے اچھی نہیں لگتی، آپ سے کتنی بار کہا کہ ہے میرے ساتھ چلیں لیکن آپ اپنی ضد پہ قائم ہیں، اس حویلی میں جینے مرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔'' وہ ہمیشہ کی جانے والی باتیں پھر سے دہرا رہا تھا۔
''ایسی بات نہیں ہے، پہلے تمہارے ابو کی یادیں یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دیتی تھیں اور اب تمہاری سلامتی قدموں کو روکے ہوئے ہے، کم از کم یہاں کی خبریں تو مجھے ملتی رہتی ہیں ناں۔''
''آپ ان خبروں سے کچھ حاصل نہیں کرسکیں گی، انہوں نے جو کرنا ہوگا کر کے رہیں گے۔ اسلم خان درانی صرف خودغرضی کا نام ہے، وہ انسان جو صرف خود سے محبت کرتا ہے اور اپنے مفاد کے سامنے سب رشتے قربان کردیتا ہے۔'' اس کے لہجے میں بیزاری در آئی تھی۔
''وہ تمہارے دادا ہیں نبیل، تمہیں ایسے بات نہیں کرنی چاہیے۔'' اس کے پاس خونی رشتے کے نام پہ صرف اسلم خان درانی تھے اور وہ ان دونوں کے درمیان بڑھتی دوریوں سے ہمیشہ فکرمند رہتی تھیں۔
''میں کوشش کرتا ہوں لیکن میری یتیمی مجھے یہ غم بھلانے نہیں دیتی خیر آپ بتائیں آپ نے مجھے اتنی عجلت میں کیوں بلایا؟'' وہ پرانے قصے کھولنے سے ہمیشہ کتراتا تھا تاکہ انہیں تکلیف نہ ہو اسی لیے اس وقت بھی موضوع بدل دیا تھا۔
''وہ جو تمہارا دوست ہے، آج کل کیا کام کررہا ہے؟''
''تاشفین.....'' اس نے پوچھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ تو کئی کام کرتا رہتا ہے لیکن آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟" وہ حقیقی معنوں میں فکر مند ہوا۔
"نہیں میرا مطلب ہے کوئی ایسا کام جو تمہارے دادا کے خلاف ہو؟"
"ہمارے علاقے کا تو کوئی کیس نہیں ہے اس کے پاس اور نہ مجھے کسی واقعے کی خبر ہے جس میں دادا ملوث ہوں۔" اس نے ساری فائلز کے متعلق سوچ کر جواب دیا۔ "آپ بتا کیوں نہیں رہی ہیں کہ کیا ہوا ہے؟"
"مجھے بس اتنا پتا چلا ہے کہ تمہارے دوست کے پاس کوئی کیس تمہارے دادا کے خلاف ہے اور وہ اس کے متعلق نہایت سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں۔ اس لڑکے کا تعلق چٹھہ خاندان سے بھی ہے اور یہ نسبت اس کے لیے بہت مشکل پیدا کر سکتی ہے۔ تمہارے دادا کی کبھی احمد علی چٹھہ سے نہیں بنی بلکہ دونوں ہمیشہ سے ہی ایک دوسرے کی کمزوریوں کی تاک میں رہتے ہیں۔" نبیل کے حوالے سے انہیں اس کا دوست بہت عزیز تھا جب ہی مختصر اس کو بتا دیا۔
"یہ تو آپ نے پریشانی والی بات کی ہے، خیر آپ پریشان نہ ہوں میں اس سے بات کروں گا۔" وہ کافی دنوں بعد گھر آیا تھا سو اس وقت ان سے اپنی باتیں کرنا چاہتا تھا۔
"ہاں، اسے سمجھاؤ کوئی ایسا کام نہ کرے جو دونوں خاندانوں کو دوبارہ صف آرا کر دے۔"
"میں اس سے بات کروں گا لیکن اگر واقعی دادا نے کچھ کیا ہے تو اسے روک نہیں پاؤں گا۔" وہ انہیں کوئی جھوٹی آس نہیں دلانا چاہتا تھا۔ "ویسے آپ کو یہ خبریں دیتا کون ہے؟" وہ انہیں شرارتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
"اسی حویلی میں رہتی ہوں اور یہ تو تم نے بھی سن رکھا ہے کہ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔" وہ اس سوال کا جواب ہمیشہ گول کر جاتی تھیں۔
"یہ جو آپ نے مخبر چھوڑ رکھے ہیں ناں ان کی خبر آپ کے سر کو لگ گئی تو بھونچال آ جائے گا۔"
"زندگی بھر بہت بھونچال دیکھے ہیں اب بس تمہاری فکر ہے۔"
"اسی لیے کہتا ہوں میرے ساتھ شہر چلیں، ابو کے بعد میرے لیے اتنی تگ و دو کی ہے اب مجھے میرا فرض پورا کرنے دیں، مجھے آپ کا خیال رکھنے دیں۔ آپ اپنے سارے خوف اور وسوسوں سے جان چھڑا لیں، دادا ایسی صورت میں میرا برا نہیں چاہیں گے جب ان کا واحد وارث میں ہوں۔" اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔
"مجھے ان سے کسی بھلائی کی امید نہیں ہے نبیل، انہوں نے اپنے بھائی کا سارا خاندان تباہ کر دیا، اپنی بہن کو خون کے آنسو رلائے، اپنے بیٹے کو فضول دشمنی کی نذر کر دیا...... میرا واحد سہارا تم ہو، تمہارے لیے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی۔ میں یہاں رہوں گی تو ان کے ہر قدم، ہر فیصلے سے باخبر رہوں گی اور یہ حویلی، زمین، جائیداد سب تمہارا حق ہے تمہیں ملنا چاہیے اور میں لے کر رہوں گی۔" ان کے سادہ ملیح چہرے پہ عزم تھا۔
"میری پیاری ماں مجھے کچھ نہیں چاہیے اور وہ تو بالکل بھی نہیں چاہیے جو کسی حق دار کا حق غصب کر کے ملے، مجھے اپنے بازوؤں پہ بھروسا ہے اور میں اپنی تعمیر کردہ عمارت پہ کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔" وہ جانتا تھا ان کی ساری جدوجہد اسی کے لیے تھی لیکن وہ انہیں اس سب سے روکنا چاہتا تھا، اپنے لیے مزید تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔
"اچھا چھوڑو یہ باتیں...... یہ بتاؤ کب تک کے لیے آئے ہو؟"
"بس مجھے ابھی واپس جانا ہے، صبح بہت ضروری میٹنگ ہے۔" ان کے نرم ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے کر وہ بولا کیونکہ اس کے جانے کا سن کر وہ اداس ہو جاتی تھیں۔
"یہ حویلی تمہاری بھی ہے نبیل...... یہاں دن کے اجالے میں فخر کے ساتھ آیا کرو اور باعزت لوگوں کی طرح

رخصت ہوا کرو۔" ہر بار کی طرح اس بار بھی انہوں نے وہی بات کہی۔

"جس دن آپ کے سسر کا غرور ٹوٹ جائے گا اس دن سے میں دن کے اجالے میں آیا کروں گا۔" وہ ہمیشہ کی طرح آس کی ڈور پکڑ کر بولا۔

"اچھا رکو...... میں نے تمہارے لیے سوہن حلوہ بنوایا تھا وہ لے کر آتی ہوں۔" وہ اسے وہیں بیٹھنے کا کہہ کر بستر سے اتریں اور الماری سے ایک بڑا سا بیگ نکال کر میز پہ رکھا۔

"میں چلتا ہوں۔" ان کے سر پہ بوسہ دیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور اگلی بار انسانوں کی طرح آنا۔" اسے رخصت کرتے ہوئے وہ خفگی سے بولیں۔

وہ آہستگی سے کمرے سے نکلا، بیگ اس کے کندھوں پہ تھا۔ دوسرے کمرے کی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگائی لیکن اس بار اس کا رخ دیوار کی بجائے گیٹ کی طرف تھا۔ گیٹ کو جاتا راستہ بالکل صاف تھا، اس نے آہستگی سے چھوٹا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ اس کے قدم اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہے تھے لیکن دل میں اداسی ڈیرہ ڈالے ہوئے تھی۔ اس حویلی میں اس کی زندگی کا سب سے قیمتی رشتہ مقیم تھا سو دل کا ایک حصہ یہیں اٹکا رہتا تھا۔

❁......❁......❁

کمرے میں نیم اندھیرا تھا، موسم بدل رہا تھا، صحن میں سونے کا معمول بدل گیا تھا۔ نیم اندھیرے میں بستر پہ دراز دونوں وجود جانتے تھے کہ دوسرا جاگ رہا ہے لیکن بات کرنے میں پہل نہیں کر رہا تھا۔

"امی ایک بار میری بات تو سن لیں۔" وہ پھر سے ملتجی ہوئی لیکن جواب ندارد۔

وہ جانتی تھی وہ غصہ کریں گی اور ان کا ایسا ردعمل جائز ہوگا، وہ کبھی اکیلی کہیں نہیں گئی اور آج اس نے ہر حد پار کرلی تھی۔ رات بارہ بجے دروازے پہ دستک دیتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، اسے ڈر تھا کہیں رات میمونہ خالہ کی طرف نا گزارنی پڑ جائے لیکن یہ خدشہ ٹل گیا تھا۔ اس کے بعد سے مسلسل وہ وضاحت دینے کی کوشش کر رہی تھی لیکن دوسری طرف خاموشی تھی، اس خاموشی کا بھید صبح کھلا تھا۔

"یونیورسٹی جانے کی ضرورت نہیں اور دروازہ بند کرلو میں میمونہ کی طرف جا رہی ہوں۔" وہ کپڑے استری کر رہی تھی جب ان کی آواز سنائی دی، سرد لہجہ اس کے سارے وجود میں سنسنی دوڑا گیا۔

"لیکن کیوں؟" وہ سمجھ رہی تھی یہ ممانعت عام نہیں تھی، یہ انکار اپنے اندر کوئی طوفان اٹھائے ہوئے تھا۔

"میں تمہیں وضاحت دینے کی پابند نہیں۔" وہ چادر اوڑھ چکی تھیں۔

"ہاں...... آپ مت دیں مجھے وضاحت لیکن میں جو وضاحت دے رہی ہوں وہ تو سن لیں۔" وہ استری کا پلگ ایک جھٹکے سے نکالتی ان کی جانب آئی۔

"کیا سنوں...... آدھی رات کو گھر آنے کی کون سی وضاحت دو گی تم مجھے ہاں؟" ان کی آنکھوں میں سختی، بے یقینی اور بے رخی کے سارے رنگ تھے۔

"امی میں اکیلی نہیں تھی کنزی میرے ساتھ تھی......" ان کی بے اعتمادی اس کے لہجے کو کھوکھلا کرگئی۔ وہ چند لمحوں کو بھول گئی کہ اسے کیا کہنا تھا، کیا وضاحت دینی تھی۔

"اسی کی طرف جا رہی ہوں، اس کی ماں سے بھی تمہارے کارنامے کا تذکرہ سن کر آتی ہوں۔" وہ اس کی کوئی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں تھیں۔

وہ حیرانی سے انہیں دروازے کی سمت جاتا دیکھتی رہی۔ اسے ان کی خفگی کا یقین تھا لیکن ایسی بے اعتمادی کی توقع نہیں تھی۔ وہ ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جانے کے بعد سب کچھ بتانے والی تھی لیکن سارا معاملہ الٹ چکا تھا۔ آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے، وہ کرسی پہ بیٹھ گئی اور اپنا سر ہاتھوں میں گرالیا، وہ جی بھر کے رونا چاہتی تھی لیکن اسی لمحے کنزی کا خیال آیا نہ جانے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا ہوگا۔ اس نے عجلت میں جو دوپٹا ہاتھ لگا اوڑھا اور جلدی سے ساتھ والے گھر کی طرف بھاگی۔ صحن میں کوئی نہیں تھا۔ کچن سے کھٹ پھٹ کی آوازیں آرہی تھیں۔ اس نے اندر جھانکا حسب توقع کنزی چولہے کے سامنے کھڑی تھی۔

"کنزی......" وہ دوقدم آگے بڑھی لیکن کنزی نے اس کی آواز پہ پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے آگے جھک کر اس کا چہرہ دیکھا اور ایک لمحے میں ساری صورت حال سمجھ میں آگئی۔

"تم روئی ہو؟" عزت نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی طرف رخ کرنا چاہا۔

"تمہیں کیا میں روؤں یا ہنسوں؟ تم نے جو کرنا تھا کر لیا ناں......اب یہ سب فضول کی فکریں چھوڑو، جو ہوتا ہے ہونے دو۔" اس نے ایک جھٹکے سے عزت کا ہاتھ جھٹکا تو عزت حیرانی سے اسے دیکھتی رہی، وہ کبھی اس کے ساتھ اس لہجے میں نہیں بولی تھی۔

"حازم بھائی کہاں ہیں؟" اب صرف ایک آدمی معاملہ سنبھال سکتا تھا اسی لیے ان کا پوچھا۔

"وہاں سے بھی کسی مدد کی امید نہ رکھنا۔" وہ کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے بولی۔

اس نے مزید کوئی بات نہیں کی، کچن سے نکل کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ان کے کمرے میں آئی، وہ آئینے کے سامنے کھڑے شرٹ کے بٹن بند کر رہے تھے کہ اسے دیکھ کر چونکے۔

"حازم بھائی آپ تو میری بات سنیے۔" ان کی بے رخی کو نظر انداز کرتی وہ آگے بڑھی۔

"عزت میں لیٹ ہو رہا ہوں بعد میں بات کریں گے۔" خود پہ خوشبو کا چھڑکاؤ کرتے ہوئے عجلت کا مظاہرہ کیا۔

"مجھے آپ سے ابھی بات کرنی ہے۔" وہ تیزی سے ان کے اور آئینے کے درمیان حائل ہوئی۔

"ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے۔" وہ وہاں سے ہٹتے ہوئے کمپیوٹر میز کے سامنے آگئے۔

"آپ کو ہر حال میں میری بات سننی ہوگی ابھی۔" وہ دوبارہ ان کے پاس آئی۔

"عزت میں نے کہا ناں......"

"پلیز حازم بھائی۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے، اس کی آنکھوں میں آس کے سب دیے روشن تھے اور انہیں لگا کہ وقت رک گیا۔ ان کی ساری ناراضی، سارے شکوے سنہری آنکھوں میں چمکتے پانی میں بہہ گئے۔ ان کے ہاتھوں پہ محسوس ہونے والا لمس اس قدر طاقتور تھا کہ انہیں اپنے حواس سلب ہوتے محسوس ہوئے۔

"صرف ایک بار میری بات سن لیجیے۔" اس کا دباؤ ان کے ہاتھوں پہ مزید بڑھا اور اس پہ مزید قیامت کہ وہ ان کے کچھ اور قریب ہوگئی تھی۔

"کہو......" اس کے سوا اب کوئی چارہ نہ تھا۔

"آپ سب لوگ ہم سے خفا ہیں لیکن یقین مانیے ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا جو آپ سب کو تکلیف دے۔ کیا آپ کو مجھ پہ بھروسا نہیں ہے؟" انہوں نے نگاہیں ہٹانے کی کوشش کی پر ناکام رہے تھے۔

"مجھے خود سے زیادہ تم پہ یقین ہے۔" انہیں ابھی یہ نہیں کہنا چاہیے تھا لیکن وہ کہہ گئے تھے۔ انہیں اس کے نازک ہاتھوں سے اپنے ہاتھ چھڑانے چاہیے تھے لیکن وہ نہیں چھڑا پائے تھے۔

"تو پھر چلیے ......امی اور خالہ ناراض ہیں انہیں منایئے ناں۔" اس نے ان کے ہاتھ کو ہلکے سے جھٹکا اور وہ کسی ڈور سے بندھے اس کے پیچھے چل دیے۔

وہ نیچے خالہ کے کمرے کے پاس پہنچے تو امی کے رونے کا احساس ہوتے ہی وہ بے چین ہوگئی۔ اس نے یہ کب تصور کیا تھا کہ وہ کبھی امی کو رلائے گی سوائے ساتھ کھڑے شخص سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے ان کی جانب بڑھی۔

"بس تم اس کا کوئی رشتہ ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔" یہ چند الفاظ تھے جو اس کے ساتھ حازم کو بھی ساکت کر گئے تھے۔ خالہ کی نگاہوں کے تعاقب میں انہوں نے پیچھے دیکھا وہ بالکل قریب کھڑی ان کی بات یقیناً سن چکی تھی۔

"میں یونیورسٹی جارہی ہوں۔" وہ کہہ کر فوراً سے واپس مڑ گئی۔

"عزت بات سنو......" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما لیکن وہ سختی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"آپ لوگ کیا کررہی ہیں؟ میں نے کہا تھا ناں میں معاملہ دیکھ لوں گا، آپ اس کی ضد سے واقف ہیں اب نہ جانے کیا کر بیٹھے گی۔" وہ دوہری اذیت میں تھے۔

"حازم یہ کوئی عام بات نہیں جس پہ میں خاموش ہو جاؤں۔ رات بارہ بجے کس شریف گھر کی لڑکیاں آتی ہیں؟ ابھی تو صد شکر کہ محلے میں سے کسی نے نہیں دیکھا ورنہ اب تک ہر جگہ من گھڑت باتیں مشہور ہو چکی ہوتیں۔" ان کے آنسو تھم گئے لیکن غصہ اب بھی قائم تھا۔

"خالہ......آپ نے اسے ہمیشہ پر اعتماد بنانے کی کوشش کی ہے، اس پہ یقین کیا ہے تو اب ایک دم ایسی بے یقینی کیوں؟ ایک بار اس سے پوچھ تو لیں، اس کی بات تو سن لیں ورنہ آپ کا بے اعتماد رویہ اسے توڑ ڈالے گا۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس کے وکیل بن گئے۔

"اپنے ساتھ کنزی کو بھی لے گئی دیکھو میمونہ کی ایک دن میں کیا حالت ہوگئی۔" ان کے غصے کی وجہ شاید یہ ہی تھی کہ انہیں میمونہ کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

"یہ تو اچھی بات ہے ناں کہ دونوں گئیں، وہ اکیلی جاتی تو ہمیں زیادہ پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا اور امی کی فکر نہ کریں ان کا کل سے ویسے ہی بلڈ پریشر ہائی ہے۔"

"ہاں رشیدہ جاؤ جا کر بچی کو دیکھو، اسے آرام سے سمجھاؤ، سمجھدار بچی ہے آئندہ احتیاط کرے گی۔" اس وقت ان کے غصے کا ابال کم ہوا تو اپنے رویے کی سختی کا ادراک ہوا۔

"میں اسے دیکھ لوں کہیں یونیورسٹی کے لیے نکل نہ جائے۔" وہ کہہ کر جلدی سے گھر کی طرف بڑھیں۔

"ٹھیک ہے امی میں جارہا ہوں۔" ماں کے سامنے سر جھکائے ہوئے پیار لیا اور کمرے سے نکل گئے۔

"آج آرام کرلو کل سے تم دونوں چلی جانا۔" کنزی کو دیکھ کر انہیں اپنے سخت رویے پہ قدرے افسوس ہوا۔

"بھائی......" وہ اس کے پاس سے گزر کر چند قدم آگے بڑھے کہ اس کی پکار پہ رک گئے۔

"آپ محبت کرتے ہیں ناں؟" اس قدر واضح سوال نے انہیں ساکت کردیا۔

اس نے کوئی نام نہیں لیا، انہوں نے اقرار نہیں کیا لیکن دونوں ہی نام اور جواب جانتے تھے۔ ان کے وجود میں تھکاوٹ اترنے لگی تھی۔ کئی سالوں کا سفر تھا......محبت ہو جانا، اس کو چھپانا اور پھر چھپائے چلے جانا، یہ بھید اس طرح کھلے گا اور اس یقین سے کھلے گا انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ انکار کرنا چاہ رہے تھے لیکن دل نہیں مانا، اقرار کرنا چاہا تو دماغ نے ڈپٹ دیا۔

''اب تم افشین نامہ نہ شروع کردینا۔'' انہوں نے امی کی طرح اسے بھی ٹالنے کی کوشش کی۔
''محبت پوچھ کرنہیں ہوتی ورنہ میں آپ کو مجھ سے پوچھنے کا مشورہ دیتی۔'' وہ دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ان سے دور ہوئی۔
''تمہارا جواب کیا ہوتا؟'' وہ قدرے بے چین ہوئے۔
''افشین اتنی بھی بری نہیں ہے۔'' وہ اندر کی جانب بڑھ گئی اور وہ وہیں جم گئے تھے۔

❁......❁......❁

وہ گھر میں خاموشی سے داخل ہوا کیونکہ کسی کا سامنے کیے بغیر اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ تھا لیکن آج سب ارادے ناکام ہونے کا دن تھا۔ ماما پاپا لاؤنج میں بیٹھے کافی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس نے کمرے میں جانے کی بجائے وہیں کا رخ کیا۔
''تم ملبورن نہیں گئے؟'' وہ اسے سامنے دیکھ کر اس قدر حیران ہوئے کہ یہ بھی بھول گئے طیبہ اس کے ملبورن جانے کے متعلق کچھ نہیں جانتیں۔
''کیا یہ ملبورن جانے والا تھا؟'' وہ اس کے لیے کافی بنانے کے لیے کھڑی ہوئیں مگر ملبورن کا ذکر سن کر وہیں بیٹھ گئیں۔ اس نے شکایتی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا، وہ شدت سے تنہائی کا طلب گار تھا لیکن اب ایسا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔
''لیکن کیوں اور مجھے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔
''ایک انٹرویو کے لیے جا رہا تھا سوچا آپ کو سرپرائز دوں گا۔''
''یعنی آپ نے اس کی ضمانت لی اور یہ سب پلان کر کے مجھ سے چھپایا گیا۔'' ان کا رخ حیدر شاہ کی طرف ہوا۔
''اس کی ایک چھوٹی سی خواہش ہے طیبہ اور ویسے بھی اگر وہ خود کو آزمانا چاہتا ہے تو ہمیں اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔'' ان کے جواب پہ اذلان نے متشکر نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔
''میں اس بات کی بالکل حمایت نہیں کروں گی۔'' وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر کافی کی جانب متوجہ ہوئیں۔
''ہاں اذلان کیا بتا رہے تھے، کیوں نہیں گئے تم؟'' وہ دوبارہ اس کی جانب دیکھنے لگے۔
''میرے ساتھ لامیہ تھی، ائیر پورٹ کے قریب کچھ مس انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی تھی اس وجہ سے واپس آنا پڑا۔'' اس نے لامیہ کے متعلق بتایا کیونکہ ماما کو بعد میں پتا چل جاتا تو بات بگڑ سکتی تھی۔
''شکر کوئی تو اچھا کام کیا اس لڑکی نے۔'' وہ لامیہ کے ذکر پہ چونکی لیکن یہ جان کر کہ اس کی وجہ سے وہ ملبورن نہیں جا پایا انہیں بے تحاشا خوشی ہوئی۔ ان کے جواب پہ اس نے شکایتی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور معذرت کرتا ہوا اٹھ گیا۔
''مجھے یہ کچھ پریشان دکھائی دے رہا ہے۔'' انہیں اس کی خاموشی بری طرح محسوس ہوئی۔
''ابھی اس نے بتایا تو ہے لامیہ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہوا ہے۔'' ان کے جواب پہ حیدر شاہ نے اثبات میں سر ہلایا۔
''میں سوچ رہا ہوں اذلان کا رزلٹ آتے ہی ہم ابراہیم سے بات کریں۔'' وہ کچھ دنوں سے مسلسل ان دونوں کے متعلق سوچنے لگے تھے۔
کچھ عرصہ پہلے فاطمہ کے روکھے رویے اور طیبہ کا لامیہ کو پسند نہ کرنے کی وجہ سے وہ اس رشتے کے متعلق بالکل نہیں سوچتے تھے لیکن جب سے اذلان کی پسندیدگی کا علم ہوا تھا ان کی سوچ بدل گئی تھی۔ یہ رشتہ ہونے کی صورت میں

انہیں کئی فائدے حاصل ہوسکتے تھے سواب وہ مسلسل ابراہیم سے بات کرنے کا ارادہ کررہے تھے۔
''جب کہ میں چاہ رہی ہوں ہم آج ہی جائیں۔'' ان کی بات پہ حیدر چونکے۔
''آج......! کیا یہ بہت جلدی نہیں ہے جب کہ اذلان سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔'' خیالات کا یہ ہیر پھیر انہیں سمجھ میں نہیں آیا۔
''حیدر میں اذلان کا اس شہر اور کمپنی سے دور ہونا بالکل برداشت نہیں کرسکتی اور صرف لامیہ اسے یہاں روک سکتی ہے، جب وہ اپنا فیصلہ ہمیں بتاچکا ہے تو یہ کب ہوگا کیسے ہوگا اس کا اختیار کم ازکم ہمارے پاس ہونا چاہیے۔'' طیبہ نے تفصیل سے اپنے خیالات بتائے۔
''ٹھیک ہے پھر جو بہتر لگتا ہے وہ کرلیں۔'' انہوں نے سارا اختیار طیبہ کو دے دیا۔
''میں ابراہیم کو فون پہ اپنے پروگرام کا بتادوں گی۔'' وہ فیصلہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

❁......❁......❁

پختہ طویل سڑک پہ دوڑتی اور ہر منظر پیچھے چھوڑتی گاڑی مالک کی عجلت بیان کررہی تھی۔ یوسف گاڑی کو حویلی کی طرف آتا دیکھ چکا تھا سو بنا کسی انتظار کے فوراً سے بھی پہلے سفید گیٹ کھول دیا اور چند لمحوں میں گاڑی حویلی کی راہ داری میں داخل ہوکر کھڑی ہوگئی۔
''سلام صاحب۔'' یوسف گیٹ بند کرکے بھاگتا ہوا اس کی جانب آیا۔
''کیسے ہو یوسف؟''
''اللہ کا کرم ہے۔'' وہ آنے والے کے نرم لہجے سے ہی خوش ہوا۔
منقشی دروازے پہ ہلکا سا دباؤ ڈالا تو کھلتا چلا گیا۔ طویل راہ داری سنسان تھی۔ مردانہ مجلس خالی تھی جب کہ خواتین میں سے بھی کوئی نظر نہیں آیا، یہ سب خلاف معمول تھا۔
''السلام علیکم!'' وہ متلاشی نگاہوں سے اردگرد دیکھ رہا تھا جب گل کی آواز بالکل قریب سے سنائی دی۔ وہ چونکا، اس کے چونکنے پہ گل مسکرانے لگی۔
''کچھ زیادہ ہی دانت نہیں نکلنے لگے تمہارے؟'' وہ فوراً سخت لہجہ میں بولا۔
''معذرت چھوٹے صاحب۔'' وہ جلدی سے سنبھلی۔
''امی کہاں ہیں؟'' اس نے ایک نظر دوبارہ اردگرد دیکھا۔
''سعد صاحب کے کمرے میں ہیں۔'' حیرانی والی بات تھی کیونکہ امی اس طرف نہیں جاتی تھیں۔
''انہیں آپ کے آنے کی خبر دوں؟''
''نہیں، میں دیکھ لیتا ہوں۔'' وہ فوراً چچا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ وہ شاید یہاں سالوں بعد آیا تھا۔ کمرے کا ماحول سوگوار سا تھا اور یقیناً کوئی سنگین مسئلہ بھی، یہ اسے پہلی نظر میں ہی محسوس ہوگیا تھا۔
''ارے عبدالودود...... تم کب آئے؟'' شیماء خوشی سے اٹھ کر اس کی طرف آئیں۔
''بس ابھی آیا ہوں۔'' انہیں جواب دیتے ہوئے بھی اس کی نگاہیں بستر پہ دراز حورالعین کی طرف تھیں۔
''ناشتہ تو نہیں کیا ہوگا؟'' وہ اس کا بازو پکڑے کمرے سے باہر کی جانب بڑھیں۔
''انہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ اپنی جگہ کھڑا رہا۔

''کچھ نہیں بس طبیعت خراب ہے۔'' انہوں نے ایک بار پھر باہر کی جانب قدم بڑھائے سواب کی بار اس نے مزاحمت نہیں کی۔

''اب بتائیں کیا ہوا ہے؟'' وہ بات جانے بنا ٹلنے والا نہیں تھا اور اپنی بات پہ بضد رہا۔

''وہی جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ دونوں کی لڑائی ہوئی لیکن معاملہ ہاتھا پائی تک پہنچ گی۔'' وہ نئے جڑ جانے والے رشتے کے باعث اس کے سامنے یہ بات نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن وہ جانے بغیر باز بھی نہیں آنے والا تھا۔

''یقیناً اچھی ہوش میں نہیں ہوں گی، کوئی نشیلی چیز استعمال کرلی ہوگی۔''

''عبدالودود تمہارا رشتہ اب بدل رہا ہے کچھ لحاظ کیا کرو۔'' انہوں نے اسے سختی سے ٹوکا۔

''ایسا کچھ نہیں ہورہا، آپ یہ بات اپنے دل سے نکال دیں۔ یہ بات کسی صورت برداشت نہیں ہوگی۔ خیر انہیں کسی ڈاکٹر کو دکھائیں مجھے طبیعت کافی خراب لگ رہی ہے۔'' اس کی فکرمندی پہ وہ مسکرادیں، وہ جتنا کرخت نظر آتا تھا اتنا ہرگز نہیں تھا۔

''سعد نے اس کا گلا دبایا بلکہ اپنی طرف سے مار ہی دیتا اگر نوری نہ پہنچ جاتی۔ اب ایسی صورت حال میں کسی مرد کے بغیر ڈاکٹر کے پاس لے جانے سے رہے جب کہ کسی کو اس واقعے کا پتا بھی نہیں۔'' انہوں نے تاسف سے کہا۔

''آپ دھیان رکھیے اگر بہتری نہیں آئی تو میں ہاسپٹل لے جاؤں گا۔'' اس کی بات پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تم بڑی عجلت میں لگ رہے ہو کیا واپس جانا ہے؟'' انہوں نے اب اس کی عجلت پر دھیان دیا۔

''جی...... بس بڑی امی سے مل لوں پھر مجھے واپس نکلنا ہے۔''

''ہاں وہ بھی کچھ دنوں سے الجھی الجھی ہیں شاید تم سے مل کر بہتر ہوجائیں۔'' وہ ان کے سر پہ بوسہ دیتا بڑی امی کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

دروازہ بند نہیں تھا سو وہ آہستگی سے اندر داخل ہوا۔ وہ میز پہ ڈھیر سارا سامان پھیلا کر بیٹھی ہوئی تھیں شاید اس سامان میں سے کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

''کیا ڈھونڈ رہی ہیں؟'' وہ آہستگی سے ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

''کچھ پرانی یادیں۔'' سادہ سا جواب تھا لیکن اس میں چھپا درد واضح محسوس ہورہا تھا۔

''کوئی خاص یاد؟'' اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ پرانی یادوں کے ساتھ کہیں دور نکل جائیں۔

''ہاں...... یہ تصویر ملی ہے، حضور نے سب کچھ یہاں سے ہٹوا دیا تھا نہ جانے یہ سامان کیسے رہ گیا؟''

''یہ کس کی تصویر ہے؟'' وہ ان کے ہاتھ سے تصویر لے کر بغور دیکھنے لگا۔ کسی تقریب میں کھینچی گئی تصویر تھی۔

''کلثوم کی......'' ان کی آواز پہلے سے زیادہ پست تھی۔

وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہوا۔ تصویر میں نظر آتی لڑکی حسن کی تعریف پہ پورا اترتی تھی۔ سیاہ لباس میں ملبوس، سلیقے سے دوپٹا سر پہ جمائے، لڑکیوں کے گھیرے میں بھی وہ منفرد نظر آرہی تھی۔ اس کے دل میں درد کی لہر اٹھی تھی۔

''میں آپ کی یہ تکلیف کم نہیں کرسکتا لیکن آپ کو سنانے کے لیے ایک خوشخبری ہے۔'' وہ تصویر اور باقی سارا سامان دراز میں واپس رکھنے لگا وہ اس کو دیکھنے لگیں۔

''مجتبیٰ اور رقیہ پھوپو اب محفوظ جگہ پہ ہیں۔'' وہ جانتا تھا کہ انہیں خبر ہے لیکن ساری تفصیل انہیں خود بتانا چاہتا تھا۔

"ہاں..... مختار احمد انہیں ڈھونڈتا ہوا یہاں آیا تھا۔" انہوں نے اس کی بات کی تائید کی۔
"وہ بڑے کروفر سے فارم ہاؤس پہ آیا تھا لیکن وہاں سے بھی مایوس لوٹا اس کا ہارا ہوا انداز دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔" وہ اب مزہ لیتے ہوئے پچھلے کچھ دنوں کی روداد سنانے لگا۔
"اس نے میرا نہیں پوچھا؟" انہوں نے کسی نادیدہ نقطے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہمیں زیادہ بات کرنے کا موقع نہیں ملا لیکن میرے خیال سے انہوں نے آپ سب کا پوچھا تھا۔" اس نے انہیں تکلیف سے بچانے کی کوشش کی وگرنہ وہ تو خود اس بات پہ حیران تھا کہ کوئی اتنا پتھر دل کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنے سالوں بعد گھر والوں کے اس قدر قریب آکر ان سے بے خبر رہ جائے۔
"اچھا......" ان کے "اچھا" میں بے یقینی نمایاں تھی۔ "اب اگر اس سے ملاقات ہو تو اسے کہنا اپنی ماں کو معاف کردے، میری سزا ختم کردے، اسے کہنا سانسوں کی ڈور ٹوٹتی جارہی ہے، ایک بار ملنے کے لیے آجائے۔" ان کے لہجے کی شکستگی عبدالودود کی برداشت کا امتحان لے رہی تھی۔
"وہ جلد ملنے آئیں گی بڑی امی، آپ ایسی ناامیدی والی باتیں مت کریں۔" اس نے ان کو کندھے سے تھامتے ہوئے اپنے ساتھ لگالیا۔
"نورالعین کے متعلق کوئی بات ہوئی؟" ان کے نئے سوال کا جواب بھی اس کے پاس نہیں تھا۔ اس سب بھاگ دوڑ میں وہ بھول ہی تو گیا تھا۔
"نہیں، اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔" وہ کہہ کر قدرے توقف کے لیے خاموش ہوا۔ "اسی لیے میں سوچ رہا تھا ابھی نوری کو ساتھ لے جاتا ہوں وہ ان سے مل لے گی۔" انہوں نے صرف اثبات میں سر ہلایا غالباً وہ اس موضوع پر مزید بات کرنا نہیں چاہتی تھیں۔
"آپ آج کل عصر کے بعد عقبی باغ میں کیوں نہیں بیٹھ رہیں؟ اکثر خواتین مجھ سے پوچھتی ہیں۔" ان کا یوں کمرے میں قید ہونا اسے بالکل پسند نہیں آرہا تھا لیکن حویلی کم آنے کے باعث کچھ کہہ نہیں سکا۔
"جاتے ہوئے گل کو میرے پاس بھیجنا۔" ان کی جانب سے بات ختم ہوچکی سو وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کی سب کوششیں رائیگاں جارہی تھیں۔ وہ انہیں جس قدر خوش اور آسودہ دیکھنا چاہتا تھا وہ اس قدر ملول اور اداس رہنے لگی تھیں۔ ان کی مسکراہٹ واپس لانے کا عہد کرتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

❁......❁......❁

کیفے میں اس وقت پرسکون ماحول تھا۔ موسیقی کا دھیما پن ماحول کی لطافت میں اضافے کا باعث بن رہا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے بظاہر اپنی اپنی کافی کی جانب متوجہ تھے لیکن ماحول کی کشش دونوں کو ایک دوسرے سے باندھ رہی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے انجان بن رہے تھے۔
"میں دوبارہ آپ سے پوچھ ہی نہیں سکا، وہ لڑکا عقیل اپنی بہن کو لے آیا تھا، کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا آپ کو؟" کوئی بات نہیں سوجھی تو اس نے بے تکا سوال پوچھ لیا۔
"جی سب ٹھیک ہے، کافی اچھے لوگ ہیں۔" کافی کا گھونٹ لیتے اس نے جواب دیا۔
وہ خود عجیب سی صورت حال کا شکار تھی۔ وہ ایک پراعتماد لڑکی تھی، اپنی تعلیم ایک آزاد خیال ملک میں مکمل کی لیکن سامنے بیٹھا شخص اسے پریشان کررہا تھا۔
"مجھے آپ سے یونیورسٹی والے کیس کے متعلق بھی بات کرنی تھی۔" انہیں اچانک کل والا واقعہ یاد آگیا۔

وہ جو میز کی سطح کھرچتے ہوئے اپنی بے چینیوں سے نگاہ چرا رہی تھی بات بدلنے پہ اس کو دیکھنے لگی۔ وہ زیادہ دیر اس کو نہیں دیکھ سکی اور نگاہیں جھکالیں۔

''جب یہ کیس ہماری فرم کے پاس آیا تو یہ بظاہر ایک معمولی حادثہ نظر آرہا تھا۔ ایک تعلیمی ادارے میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑے اور ایسے واقعات کوئی انوکھے نہیں ہیں، یہ سب ایک عرصے سے ہوتا آرہا ہے۔ اسی لڑائی میں ایک لڑکا جان بحق ہوگیا اور اس کے گھر والے انصاف چاہتے ہیں...... یہ بھی انوکھی بات نہیں کیونکہ اکثر لوگ عدالت تک جاتے ہیں لیکن کہیں انصاف نہیں ملتا اور کہیں کیس واپس لے لیا جاتا ہے۔ میں نے جب تحقیقات کا آغاز کیا تو معلوم ہوا یہ سب اتنا بھی سیدھا نہیں ہے جتنا نظر آرہا ہے، یہ کوئی لڑائی نہیں بلکہ باقاعدہ سوچی سمجھی سازش تھی، اس واقعے میں حفاظتی ادارے مجرموں کی ہمیشہ کی طرح پشت پناہی کررہے ہیں اور وہ سارے ثبوت جو اس کیس میں ہمارے کام آسکتے تھے انہیں ختم کردیا گیا ہے۔'' وہ اس کی جانب جھک کر نہایت دھیمی آواز میں تفصیل سے سب بتا رہا تھا۔

''یہ باتیں آپ مجھے پہلے بھی بتا چکے ہیں۔'' وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہوگئے جیسے اپنی تمہید بے مقصد لگی ہو۔

''مجھے لگا شاید آپ کے پاس اس حوالے سے کوئی نئی انفارمیشن ہوگی لیکن یہ سب باتیں تو ہم پہلے بھی ڈسکس کر چکے ہیں۔'' وہ گہری آنکھیں دوبارہ اس پہ مرکوز ہوچکی تھیں اور اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اس کے اندر تک رسائی حاصل نہ کرلیں۔

''جی میرے پاس چند ایسی باتیں ہیں جو شاید آپ کو معلوم نہ ہوں۔'' انہیں اس قدر برے انداز سے روکنا اچھا نہیں لگا تھا سو اب کے لہجے میں پہلی سی نرمی مفقود ہوگئی تھی۔ وہ اثبات میں سر ہلا کے رہ گئی۔ ہونق پن کے سارے مظاہرے آج، ابھی اور اسی انسان کے سامنے ہونا طے پائے تھے۔

''میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ اس سب کے پیچھے کوئی بااثر شخصیت ہے اور اب ہم اس بات کا ثبوت ڈھونڈ سکتے ہیں۔''

''کیسے......؟'' اسے دلچسپی محسوس ہوئی۔ اس نے ڈیڈ سے سامنے بیٹھے انسان کی قابلیت کے قصے سن رکھے تھے سو اب وہ خود بھی دیکھنا چاہتی تھی۔

''مجھے وہ لوگ مل گئے ہیں جنہیں ہم عینی شاہد کہہ سکتے ہیں۔'' یہ بات دھماکہ تھی جس نے زارا حسین کو ساکت کردیا۔

''کون ہے اور کہاں ہے وہ، مطلب آپ کو کہاں ملے، کیا وہ اس کیس کا حصہ بننے کے لیے تیار ہیں؟'' سوالات تھے جن کا جواب وہ ایک لمحے میں جان لینا چاہتی تھی۔

''ایک لڑکی ہے جو حملہ آور سے باتیں بھی کرتی رہی ہے اور کچھ لوگ جو اس وقت وہاں موجود تھے۔'' انہیں جو معلوم ہوا وہ اس وقت اسے بتا رہے تھے۔

''ایک لڑکی...... کیا واقعی ایک لڑکی؟'' وہ حیران ہوئی۔ ''کیا آپ کو لگتا ہے کہ ایک لڑکی ایسے کیس میں انوالو ہوگی؟'' اس وقت پیشہ اس پہ مکمل طور پہ حاوی ہوچکا تھا۔ اس لیے ڈر و جھجک بھی نہیں رہی تھی۔

''وہ کوئی عام لڑکی ہوتی تو میں بھی آپ کی طرح شکوک کا شکار ہوتا لیکن میں اس سے مل چکا ہوں۔'' وہ اب بھی اپنی بات پہ قائم تھے۔

''جو بھی ہو...... رہتی تو اسی معاشرے میں ہے ناں؟ ویسا ہی ڈر، خوف اور خطرات اسے محسوس ہوں گے جیسے کسی بھی عام لڑکی کو ہوتے ہوں گے اور کوئی بھی لڑکی کسی دوسرے کی آگ میں کیوں کودے گی؟'' وہ ان کی آنکھوں میں

دیکھتے ہوئے اپنا تجزیہ بتارہی تھی اور نہایت حقیقت پسند تجزیہ تھا جسے وہ بھی قبول کرتے تھے۔

"آپ جیسے خیالات ہی میرے تھے لیکن میں اس سے مل چکا ہوں، میں اس کی وہ جذباتیت دیکھ چکا ہوں جو اپنے نفع نقصان سے آشنا نہیں رہنے دیتی، آپ پرائی آگ میں کودنے کی بات کررہی ہیں جب کہ میرا خیال ہے وہ اگر کود گئی تو آگ بجھا کرآئے گی۔" بات کے اختتام پہ ان کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔

"آپ یہ جان چکے ہیں کہ وہ لڑکی جذباتی ہے تو آپ اس کی خامیوں کا فائدہ اٹھائیں گے، آپ اپنے فائدے کے لیے اسے کسی خطرے میں کیسے ڈال سکتے ہیں؟" اس لمحے اس کی باتیں عجیب نہیں عجیب تر تھیں۔

وہ جانتی تھی یہ ان کا پیشہ ہے اور انہیں ہر حد تک جانا پڑتا ہے، ان کے سامنے جو بھی ہو جیسا بھی ہو بال کی کھال اتارنا لازمی ہوتی ہے لیکن شاید وہ کسی لڑکی کے لیے ان کے لہجے سے جھلکتا اتنا یقین سہہ نہیں پائی تھی۔

"مس زارا حسین...... یہ میری رائے ہے لیکن اس کیس میں ہمارے ساتھ شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اس کا ہوگا اور اگر وہ میرا ساتھ دے گی تو میں اس کی حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کروں گا۔" انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے موضوع سمیٹ دیا۔

وہاں دوبارہ سے خاموشی رقص کرنے لگی تھی۔ موسیقی کا دھیما پن اب ماحول کو بوجھل بنارہا تھا۔ ماحول کی لطافت میں کثافت گھلنے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے، آپ میٹنگ رکھ لیجیے پھر بات کرلیں گے۔" اس نے ہار مان لی۔ وہ بیگ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مزید وہاں بیٹھنا نہیں چاہتی تھی اور پھر بیٹھنے کا جواز بھی نہیں رہا تھا۔

نگاہوں میں دیکھو جو میری ہے بس گیا
وہ ہے ملتا تم سے ہو بہو
جانے تیری آنکھیں تھیں یا باتیں تھیں وجہ
ہوئے تم جو دل کی آرزو
تم پاس ہو کے بھی، تم آس ہو کے بھی
احساس ہو کے بھی اپنے نہیں
ایسے ہیں، ہم کو گلے
تم سے نہ جانے کیوں
میلوں کے ہیں فاصلے
تم سے نہ جانے کیوں

وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

❁......❁......❁

نیم تاریکی کمرے میں وہ بیڈ پر اوندھی لیٹی مسلسل رو رہی تھی۔

"لامیہ...... کیا ہوا ہے؟" ماما نے اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر پوچھا۔

"کچھ نہیں...... آپ جائیں۔" اس نے یوں ہی آنکھیں بند کیے جواب دیا۔

"مجھ سے ناراض ہو؟"

"نہیں...... خود سے ناراض ہوں۔" لہجے میں نمی نمایاں تھی۔

"میری بیٹی اتنی کم ہمت تو نہیں تھی، میں جس لامیہ کو جانتی ہوں وہ بہت مضبوط ہے یوں روتی نہیں ہے۔" وہ اب کمرے میں آ گئی تھیں۔

"مجھے کم ہمت کرنے اور رلانے والوں میں آپ بھی شامل ہیں۔" لہجہ مزید رندھ گیا۔

"لامیہ...... میری زندگی کا عنوان تم ہو، میری زندگی بھر کی کمائی تم ہو، تمہارے اور ابراہیم کے علاوہ مجھے کچھ حاصل نہیں ہوا...... تم دونوں کے سوا میرے ہاتھ خالی ہیں، میں خالی دامن ہوں۔" اس کا رونا انہیں تکلیف دے رہا تھا۔

ان کی بھیگی آواز کا احساس ہوتے ہی اسے اپنی بے وقوفی کا ادراک ہوا۔ اپنی جذباتیت میں وہ انہیں بے حد تکلیف دے گئی تھی، یہ حقیقت اس سے زیادہ کون جانتا تھا کہ اس کی ذات ان کے لیے کیا تھی۔

"ماما......" وہ ایک دم سے اٹھی۔ ان کو تکلیف دینے کا سوچنا ہی اس کے لیے اذیت ناک تھا۔

"نہیں لامیہ، مجھے بتاؤ تمہیں مجھ سے ایسے شکوے کیوں ہیں؟" انہوں نے اسے کچھ بھی کہنے سے روک دیا۔

اس لمحے اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ انہوں نے کیا نہیں کیا تھا اس کے لیے، پھوپو کے تلخ رویے کے سامنے ہمیشہ اس کے لیے دیوار بنی رہیں، ان کی دقیانوسی سوچ کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اس کو ہر حد تک آزادی دی، اس کے لیے پاپا سے اپنے رشتے کو بگاڑتی رہیں اور وہ انہیں کیا کہہ رہی تھی۔

"ماما...... میں ڈسٹرب تھی اس لیے نہ جانے آپ کو کیا کیا کہہ گئی۔" وہ شرمندہ سی ان کے قریب ہوئی۔

"کیوں ڈسٹرب ہو؟" وہ چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہیں، اس کو دکھی دیکھ کر اپنا غصہ پی گئیں۔ وہ انہیں ساری بات بتانے لگی اور وہ صرف ٹھنڈا سانس لے کر رہ گئیں۔

"لامیہ...... تم اتنی جلد باز اور جذباتی تو نہیں تھی۔" انہیں تاسف ہوا۔

"آپ کو بھی میں غلط لگ رہی ہوں؟" وہ مزید دکھی ہوئی۔

"ہاں...... ادھوری باتوں کو جان کر اس قدر شدید ردعمل دینا بے وقوفی ہوتی ہے۔" وہ اپنی بات پہ قائم رہیں۔

"تو ادھوری باتوں کو مکمل کون کرے گا؟ کون مجھے بتائے گا کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کے باعث میں نے سالوں نظر اندازی کا زہر پیا؟" اس کا لہجہ پھر سے تلخ ہوا۔

"تم اپنی ضد پہ قائم رہو اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ تمہاری ضد مجھے میری ہی نظروں میں گرا دے گی، مجھے پھر سے وہ وقت اور سال یاد کرنے پڑیں گے جنہیں میں اپنے دامن سے جھٹک آئی تھی۔ تمہیں سب جاننا ہے کیونکہ تمہیں عجیب و غریب وہم ستانے لگے ہیں اور تمہارے بے ضرر وہم اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ میرا یقین دلانا بھی بے اثر ہے۔" وہ کبھی ضد نہیں کرتی تھی اور اب ضد سے پیچھے نہیں ہٹ رہی تھی۔ ان کی طرح ضد میں اپنا ہی نقصان کر رہی تھی، وہ ماضی کو پھر سے حقیقت نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں سو اس کی ضد کے سامنے ہار مان لینے میں عافیت تھی۔

"تمہاری پھوپو میری اور تمہارے پاپا کی شادی کے حق میں نہیں تھیں، انہیں میں پسند نہیں تھی اور کیوں پسند نہیں تھی اس کی وجہ میں خود نہیں جان پائی سوائے قیاس آرائی کرنے کے اور سب سے نزدیک ترین خیال یہ لگا کہ میں تمہارے پاپا کی پسند تھی اور اس پہ مستزاد سب روایات کو ٹھکراتے ہوئے ان کی ہو گئی۔ انہوں نے بارہا ابراہیم سے کہا کہ جوڑ کی اپنوں کی نہیں ہو سکی وہ ان کی کیا ہو گی اور وہ کانٹا ان کے دل سے نکل نہیں سکا اور ان کی کوشش رہی کہ وہ کانٹا ابراہیم کے دل میں بھی چبھ جائے۔" یہ سب بتاتے ہوئے وہ آزردہ ہوئیں جس کا اس کو بخوبی احساس ہو رہا تھا۔

"لیکن اس سب میں میرا کیا قصور تھا؟ ان کی نفرت، بے رخی اور تکلیف دہ رویے مجھے کیوں دیکھنے پڑے؟ وہ ہمیشہ اذلان کو مجھ سے دور رکھتی رہیں، میرا اپنے پاپا کے آفس جانا انہیں پسند نہیں، میرے آنے جانے اور دوستوں کے

متعلق خبر گیری اور پھر حقیقت کو گھما پھرا کر پاپا کے سامنے بیان کرنا...... ان کی ایسی حرکات اب میں بالکل نظر انداز نہیں کرسکتی، ایک نئے رشتے کو بنانے کے لیے پرانے رشتوں کی تلخی نہیں بھول سکتی۔'' بچپن سے لے کر اب تک کی تلخ یادیں دوبارہ سے آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگی تھیں۔

''انہیں ہمیشہ یہ خوف رہا کہ میں تمہاری تربیت اچھی نہیں کرسکوں گی، وہ تمہیں آزادی دینے کے حق میں نہیں تھیں کہ تم بھی کہیں کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ، وہ تمہیں اپنے خاندان کے رسم ورواج کے ساتھ پروان چڑھتے دیکھنا چاہتی تھیں۔'' ایک ماں کے لیے یہ کس قدر اذیت ناک بات تھی کہ اسے اپنی بیٹی کی تربیت کا اہل نہ سمجھا جائے اور انہوں نے اسے یہ سب بتاتے ہوئے اذیت کی تمام حدیں پار کردی تھیں۔

''اس کے باوجود آپ ان کی وکالت میں یہاں بیٹھی ہیں؟'' وہ تاسف سے بولی۔

''کیونکہ میں تمہیں اور اذلان کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں، تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تمہاری خوشی صرف اس میں ہے۔'' اس کی خوشی کا ذکر ان کے مرجھائے چہرے پہ مسکراہٹ کا سبب بن گیا۔ اس کا ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں تھامتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ واقعی اس کی خوشی چاہتی تھیں۔

اس جواب کے بعد سب اعتراض پانی کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اس موضوع پہ ان کے درمیان ہونے والی یہ پہلی گفتگو تھی لیکن اسی گفتگو سے اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ مکمل باخبر تھیں، وہ جانتی تھیں ان دونوں کے درمیان دوستی سے بڑھ کر کچھ ہے، جس تعلق کو وہ خود نہیں سمجھ پائی وہ جانے کب سے سمجھ چکی تھیں۔

''اب یہ بچوں جیسی ضد چھوڑو اور اٹھ کر اچھے سے تیار ہو جاؤ۔'' ماحول پہ چھائی کثافت ان کی مسکراہٹ میں کھو گئی۔

''لیکن کیوں؟'' وہ ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگی۔

''اذلان کی فیملی آرہی ہے۔'' ان کی نگاہوں میں اس کے لیے بے تحاشا پیار تھا۔

''اس میں کون سی نئی بات ہے؟'' وہ چونکی، اب ایک دم مطمئن ہوگئی تھی۔

''اس میں نئی بات یہ ہے کہ وہ دوستی کو نیا نام دینے آرہے ہیں سو اب باتیں چھوڑو اور اچھے سے تیار ہو جاؤ بلکہ یہ پینٹ شرٹ بالکل نہ پہننا...... کوئی مشرقی لباس پہنو اور ہلکا پھلکا میک اپ بھی کرلو۔'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر سارے بال بکھیر دیے۔

وہ کتنے ہی ثانیے حیرانی سے انہیں دیکھتی رہی شاید ان کی بات پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ چند گھنٹے پہلے وہ اذلان سے لڑ کر آئی تھی، پھوپو کے متعلق جو منہ میں آیا کہتی گئی اور اب جب وہ سب کچھ ختم ہو جانے کے خوف کو جھیل رہی تھی تو یہ نئی خبر کسی نوید کی مانند سنا دی گئی۔ وہ بے یقین سی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''لیکن ماما اچانک سے یہ سب کیسے؟''

''یہ سوال جواب بعد میں۔'' انہیں ڈھیر سارے انتظامات کرنے تھے سو انہوں نے قدم دروازے کی جانب بڑھا دیے۔ ''اور ہاں سبین کو بلا لو ورنہ اسے شکایت ہوگی۔'' انہیں اچانک اس کی تنہائی کا خیال آیا تو سبین کا کہا۔

اس اچانک افتاد نے اسے واقعی بوکھلا دیا تھا۔ تھکاوٹ، پریشانی اور رونے کے باعث اس کی سر پہلے ہی بھاری ہو رہا تھا اور اب ایسے اہم موقع پہ اپنا مذاق نہیں بنوانا چاہتی تھی سو فوراً سبین کا نمبر ملایا تا کہ وہ آکر تیاری میں اس کی مدد کردے۔

❁......❁......❁

وہ تارکول کی پختہ سڑک پہ تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اردگرد سے بے نیاز تھی۔ ذہنی الجھن اس قدر شدید تھی کہ یونیورسٹی آنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا، کسی کلاس میں وہ حاضر دماغی سے نہیں رہی تھی۔ کنزی ساتھ نہیں تھی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ اویس اور عبدالحنان بھی نہیں آئے تھے سو سارا وقت نہایت برا گزرا تھا۔ ابھی دو لیکچر باقی تھے لیکن آج ہی اس نے ایک کمپنی میں جاب انٹرویو کے لیے جانا تھا اس لیے کلاسز چھوڑ کر وہ یونی ورسٹی کے گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''عزت...... بات سنو۔'' پکار پر وہ رکی۔

وہ مڑ کر انہیں دیکھنے لگی لیکن کہا کچھ بھی نہیں۔ وہ اس وقت کسی سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی، ان کے ساتھ افشین کو دیکھ کر اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

''کہاں جا رہی ہو؟'' ان کا لہجہ نرم تھا۔

''ایک کام ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور قدم آگے کی جانب بڑھا دیے۔

''کون سا کام ہے؟'' وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگے۔

''میرا ذاتی کام ہے۔'' وہ چند ثانیے رکی اور انہیں جواب دے کر دوبارہ چلنے لگی۔

''میں چھوڑ دیتا ہوں۔''

''میں چلی جاؤں گی حازم بھائی، آپ اپنے ضروری کام نبٹا لیجیے۔'' اس کا واضح اشارہ افشین کی طرف تھا جسے وہ دونوں سمجھ گئے تھے۔

''عزت......'' وہ اسے روکتے رہ گئے لیکن وہ چلتی چلی گئی۔ وہ انہیں سختی سے منع نہیں کر سکی کیونکہ ابھی چند گھنٹے پہلے وہ اس کی جنگ لڑ چکے تھے لیکن افشین کو برداشت کرنا بھی اس کے لیے صبر کا امتحان ہوتا تھا۔

عام دنوں میں وہ یونیورسٹی کی بس لیتی تھی لیکن آج اس کی منزل انجان تھی سو اس نے مقامی بس کا استعمال بہتر سمجھا تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف بلند درختوں کی چھاؤں گرمی کی شدت میں خاطر خواہ کمی کا باعث بن رہے تھے۔ وہ نہ جانے کن خیالوں میں تھی کہ اپنے بالکل سامنے دو قدموں کو دیکھ کر رک گئی، قدموں کا رخ اس کی جانب تھا یعنی اسے روکا گیا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا اور اسے کسی شناسا چہرے کی امید تھی لیکن مقابل کھڑے شخص کو دیکھ کر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ کن اکھیوں سے اردگرد بھی دیکھ رہی تھی۔ اس نے وہاں سے ہٹ کر آگے جانا چاہا لیکن وہ فوراً سے اس کے سامنے آ گیا۔ عزت نے دونوں ابرو اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا جیسے اس پہ اپنے الفاظ بھی ضائع نہ کرنا چاہتی ہو۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' لہجہ اس دن کے برعکس نرم تھا۔

''لیکن میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے اپنا لہجہ مضبوط بناتے ہوئے جواب دیا اور قدم بھی آگے بڑھائے لیکن وہ پھر سے سامنے آ گیا۔

''دو گھڑی آرام سے بات سن لو اس میں تمہاری ہی بہتری ہے۔'' اب لہجے میں سختی آ گئی تھی۔

''واقعی......؟ تم جیسے جانور سے کسی بہتری کی امید رکھی جا سکتی ہے؟'' وہ جس قدر نفرت لہجے میں لا سکتی تھی لے آئی۔

''ہاہاہاہا......'' ایک قہقہہ بلند ہوا۔ ''اس دن میں نے تمہیں بے وقوف سمجھا تھا لیکن میری سوچ بدل رہی ہے، تم بے وقوف نہیں بہادر ہو۔'' وہ سرخ آنکھیں اس پہ گاڑے ہوئے تھا اور وہ جتنی بھی بہادر سہی اس خاموش راستے نے

اس خوف زدہ کر دیا تھا۔

"مجھے تمہاری سوچ اور رائے سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ میرا راستہ چھوڑو اور مجھے جانے دو۔" اس نے اپنا بیگ مضبوطی سے کندھے پہ جمایا کیونکہ راستہ دینے کے لیے وہ آخری بار کہہ رہی تھی، اس کے بعد اسے یہاں سے بھاگنا تھا۔

"تمہیں ہر حال میں میری بات سننی ہوگی ورنہ......" وہ اس کی بات اور انداز سے زچ ہو رہا تھا یعنی وہ کوئی غلط حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

"جو کرنا ہے کرلو۔" وہ اس کو دھکا دیتی آگے کی طرف بڑھ گئی، وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے جا گرا اور جب تک سنبھلا تب تک وہ کافی آگے جا چکی تھی۔ اپنی اس ناکامی پہ اس نے ہاتھ کا مکا دوسرے ہاتھ کی ہتھیلی پہ مارا۔

وہ تیزی سے روڈ تک آئی اور سامنے جو رکشہ نظر آیا اس میں بیٹھ کر پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اسے خود کو معتدل کرنے میں کتنے ہی لمحے لگے۔ اسے کنزی کے بغیر آنا ہی نہیں چاہیے تھا، حازم بھائی کی مدد لینے سے بھی انکار کر دیا لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اب ذہن قدرے پرسکون ہوا تو اسے اس انسان کا خیال آیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا تھا اور کیوں اس کا راستہ روک رہا تھا۔ دماغ میں پہلے ہی سوچوں نے اژدھام مچایا ہوا تھا ایک نئی پریشانی سر پہ سوار ہوگئی تھی۔ آج کے دن اسے جتنے سکون کی ضرورت تھی اتنا ہی سب الٹ ہو رہا تھا۔ وہ نامکمل تعلیم کے ساتھ ایک بہترین کمپنی میں انٹرویو دینے جا رہی تھی اور اس وقت اپنی بگڑی حالت کی وہ خود ذمہ دار تھی۔ اس نے کوشش کرتے ہوئے خود کو پرسکون کیا اور جب تک وہ مطلوبہ جگہ پہ پہنچی خود کو کافی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

اس کے سامنے ایک بلند و بالا عمارت سر اٹھائے کھڑی تھی۔ شیشوں سے آراستہ عمارت وہ پہلی بار دیکھ رہی تھی یعنی اس کے شہر میں ہی اس کے لیے یہ نئی دریافت تھی۔ اپنی فائلز لیے وہ استقبالیہ میز تک پہنچی تو اس کے کاغذات لیتے ہوئے اسے بیٹھنے کا کہا گیا، اس کے اردگرد کافی نوجوان لڑکیاں لڑکے موجود تھے جو یقیناً انٹرویو کے لیے آئے تھے۔ وہ دل ہی دل میں دعائیں پڑھ رہی تھی۔

❁......❁......❁

وہ خود سے الجھتے ہوئے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ یہ طے تھا کہ وہ جب جب ٹوٹے گی تب، تب اسے یہیں آنا ہوگا اور ہر بار اس سیاہ دروازے کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے الجھن کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عبدالودود اسے چھوڑ کر جا چکا تھا اور وہ اندر داخل ہونے سے پہلے کچھ لمحات میں سوچوں کے کئی سال گزار گئی۔ وہ اپنی کیفیات سمجھ نہیں پا رہی تھی اس نے دوبارہ یہاں نہ آنے کا سوچا تھا اور اب آ گئی تو شرمندگی دامن گیر تھی، دروازہ کھولتے ہوئے دبے قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ سب کچھ پہلے جیسا ہی تھا، وہی کشادہ صحن، ایک جانب چھوٹا سا باغیچہ جس میں لہلہاتے سبز پودے اور خوش رنگ پھول گھر کے مکین جیسے خوبصورت تھے، پہلی نظر میں دل موہ لینے والے سادہ درو دیوار سے خلوص کی بیلیں لپٹی نظر آ رہی تھیں۔

"کون؟" وہ باغیچے کی جانب منہ کیے کھڑی تھی جب اپنے پیچھے سے آواز سنائی دی۔ اس نے ایک ٹھنڈا سانس ہوا کے سپرد کرتے ہوئے خود میں ہمت جمع کی کیونکہ آواز کو لہجے کے فرق سے پہچان گئی تھی۔ جس سے سامنا نہ ہونے کی دعائیں مانگی تھیں پہلی آواز اسی کی سنائی دے گئی۔

"ارے تم......! مطلب آپ؟" وہ اسے دیکھ کر بری طرح چونکا لیکن جلد ہی حیرانی پہ خوشی حاوی ہوگئی۔ وہ کتنے ہی لمحے اس کے چہرے پہ خوشی کے چمکتے رنگوں کو دیکھتی رہی۔

''وہ...... میں ملنے آئی تھی۔'' اس نے جلدی سے اپنے آنے کا مقصد بتایا وگرنہ سامنے کھڑے شخص کا چہرہ اسے رکنے پہ مجبور کردیتا۔ یہ احساس کافی خوشگوار تھا کہ کوئی اس کی موجودگی سے خوشی محسوس کررہا تھا لیکن اس کی خوشیاں بھی تو پانی کا بلبلہ ہوتی تھیں سو وہ اس لمحے سے نظریں چرالینا چاہتی تھی۔

''کس سے؟'' وہ شرارت پہ آمادہ ہوا۔

''وہ عبدالودود بھائی مجھے چھوڑ کر گئے کہ یہاں مہمانوں سے مل لوں۔'' اس نے عبدالودود کا نام لیا تو وہ لمحے میں چوکنا ہوا۔ دل میں امڈتے خیال، آنکھوں میں ہچکولے لیتی شرارت اور وجود میں دوڑتی خوشی کی لہر...... سب کچھ ساکت ہوگی۔ ابھی چند دن پہلے ہی تو وہ عبدالودود سے منسوب ہوچکی تھی، وہ دوست کی امانت میں خیانت کا کیسے سوچ سکتا تھا۔ وہ خود کو کسی دوسرے سے زیادہ سمجھتا تھا، اتنے دن سامنے کھڑی لڑکی کے متعلق سوچتے سوچتے نہ جانے کب دھڑکنوں میں اس کے نام کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ دھڑکنوں نے اس کے نام کی مالا جپنا شروع کی اور وہ فوراً سے چوکنا ہوا۔ اس نے تسلیم کیا کہ دل کے خالی تخت پہ کوئی بڑی شان سے آن بیٹھا تھا لیکن اپنی سوچوں کے دریا میں روانی سے بہتے ہوئے وہ ''عبدالودود'' نامی آسیب کو کیسے بھول گیا جو پہلے ہی اس کی محبت کو چٹ چکا تھا۔

''مہمان اندر ہیں۔'' اس نے واپس خود کو خول میں قید کرلیا، اس کے انداز میں ویسی ہی عاجزی آگئی جیسے کسی بھی حویلی والے کے سامنے ہوتی تھی۔ اس کے پل پل بدلتے رنگ نورالعین کو حیران کررہے تھے۔ کہاں مسکراہٹ لبوں سے ہٹ نہیں رہی تھی اور اب نگاہیں زمین میں گڑ گئی تھیں۔

''ہاں تو ایسا ہی ہونا تھا، خوشیوں کے لمحات مختصر ہی ہوتے ہیں۔'' اس نے دل کو تسلی دی اور اس کے پہلو سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

قدموں کی آواز دور ہوتی گئی تو اس نے سر جھٹکتے ہوئے خود کو ڈپٹا، مسکراتے ہوئے اپنا ہی مذاق اڑایا، وہ اپنی جر[illegible]ت پہ خوفزدہ بھی ہوا...... وہ کیسے بھول گیا کہ ٹاٹ کا پیوند ریشمی لباس کو عیب دار کردیتا ہے، چکور کا کام چاند کو دیکھ کر رقص کرتے رہنا ہے جیسے ہی چاند کو پانے کی کوشش کی اسی لمحے جان سے ہاتھ دھونا پڑ گیا۔ سفید حویلی والے چاند تھے اور وہ تو چکور بھی نہیں تھا۔ یہاں رہتا تو دل اس کی جانب کھنچتا سو گھر سے ہی نکل گیا تھا۔

وہ برآمدے میں چند قدم ہی چلی تھی کہ سامنے مجتبیٰ نظر آ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران ہوئے لیکن شاید مجتبیٰ کی حیرانی کا پیمانہ زیادہ تھا۔ وہ کئی لمحے ساکت سا اسے دیکھتا رہا اور پھر خوشی سے اس کی جانب بڑھا۔

''تم یہاں کیسے؟'' اس نے خوشی سے اس کو دونوں کندھوں سے تھام لیا۔ ان دونوں کے درمیان تکلف کی دیوار ہمیشہ رہی تھی لیکن چھپنے کے کھیل میں کسی شناسا چہرے کی آمد اسے بے تحاشا خوشی دے گئی۔ ان کی آخری ملاقات کوئی خوشگوار نہیں رہی تھی لیکن اس پل اسے کچھ یاد نہیں تھا، وہ بس یہ ہی سوچ رہا تھا کہ سفید حویلی سے کسی کا آنا ماما کو کس قدر خوش کرے گا...... یہ سوچ ہی اطمینان بخش تھی۔

''عبدالودود بھائی چھوڑ کر گئے ہیں۔'' وہ اس سے زیادہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ وہ مجتبیٰ کے اس قدر قریب آنے پہ الجھ گئی تھی۔

''آؤ...... ماما وہاں ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے سامنے نظر آتے کمرے کی جانب بڑھا۔

وہ رقیہ پھوپو کے متعلق جانتی تھی، بڑی امی کو اکثر انہیں یاد کرتے دیکھا تھا اور صرف اتنا معلوم تھا کہ کسی بات پہ ناراض ہوکر ایسی گئیں کہ واپسی کے راستے پہ کبھی دوبارہ قدم نہیں رکھے۔ جب بڑی امی کی سب امیدیں ٹوٹ گئیں تو مجتبیٰ کی آمد ان کے لیے کسی خوشگوار جھونکے سے کم نہیں تھی۔ بڑی امی کی جانب سے مجتبیٰ کو ملنے والی اہمیت اسے پسند

نہیں آتی تھی کیونکہ وہ بھی تو ان ہی کی چھاؤں میں پناہ لیتی تھی لیکن ان کی بے تحاشا خوشی دیکھ کر ناپسندیدگی اپنے وجود کی گہرائیوں میں چھپالی تھی دیگر رویوں اور الجھنوں کی طرح۔

''یہ کون ہے مجتبیٰ؟'' انہوں نے الجھی نگاہوں سے دروازے میں ایستادہ لڑکی کو دیکھا۔

''پہچاننے کی کوشش کیجیے۔'' وہ شرارت پہ آمادہ ہوا۔

وہ چند لمحے اس کی گھبرائی گھبرائی صورت دیکھتی رہیں اور انہی چند لمحوں میں اس کے چہرے پہ سعد کے نقوش جھلکنے لگے۔ وہ آنے والی کو پہچان گئیں لیکن دل میں ہلکا سا درد بھی انگڑائی لینے لگا تھا۔ سالوں بعد کوئی وہاں سے آیا تھا جہاں ان کا دل تھا، جہاں کی دیواروں سے محبت اور مکینوں سے عشق تھا۔ یہ دوریوں کو ختم کرنے کی نوید تھی لیکن وہ واپسی کے سب راستے خود ہی تو بند کر چکی تھیں سو اس نوید کی خوشی کا ذرہ برابر احساس نہیں تھا...... درد تھا بے تحاشا اور تکلیف تھی بے حساب۔

''سعد کی جوانی جھلک رہی ہے تم میں۔'' وہ آہستگی سے چلتی ہوئیں اس کے پاس پہنچیں اور محبت سے گلے لگا لیا۔ وہ مجتبیٰ کی ماں تھیں لیکن اس کے لیے بھی دل میں ایسی بے اختیاری نہیں اُمڈی تھی۔

آج سعد کی بیٹی کہا جانا اسے طنز نہیں لگا، آج اپنے باپ کا حوالہ اسے برا محسوس نہیں ہوا کیونکہ جس عورت کے سینے سے وہ لگی کھڑی تھی اس سے جڑی سب ڈوریں باپ سے وابستہ تھیں۔ اس کی سانسوں میں بڑی امی کی خوشبو مہک رہی تھی۔ جس کس کی پیاسی تھی وہ پیاس آج بجھتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ نہ جانے کن احساسات کے زیر اثر تھیں کہ آنکھوں سے آنسو بے اختیار اُمڈتے چلے آئے۔

''میں بھی کیا پاگلوں والے کام کر رہی ہوں تمہیں دروازے میں ہی روک رکھا ہے۔'' وہ اسے یوں ہی ساتھ لگائے اندر جانے کے لیے بڑھیں اور وہ فقط مسکرا کے رہ گئی۔

کبھی کبھار دلی جذبات کو عیاں کرنا سب سے مشکل کام بن جاتا ہے۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔ اپنا بچپن، جوانی، کھلکھلاہٹیں، شرارتیں اور نہ جانے کیا کچھ ان چند لمحوں میں ان کے ذہن کے پردے پہ لہرا تھا۔ وہ سامنے بیٹھی نور العین میں اپنی چھوٹی کا چہرہ تلاش کر رہی تھیں، وہ شدت سے اپنے سامنے کلثوم کو بیٹھا دیکھنا چاہتی تھیں لیکن وہ تو وہیں حویلی کی خاک میں ابدی نیند سو رہی تھی۔ ان کا اس قدر انہماک اسے بے چین کر رہا تھا۔ وہ انگلیاں چٹخاتے ہوئے ان کی توجہ برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ آنکھوں کی زباں اس قدر شور مچائے ہوئے تھی کہ اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں پا رہی تھی کیونکہ جانتی تھی وہ اس میں اپنا ماضی تلاش کر رہی تھیں۔

''یہ لیں جی...... مجھے کچن میں جو ملا میں لے آیا۔ تخسیغم بھی نہ جانے کہاں چلا گیا ورنہ میں خاطر مدارت کے لیے کچھ منگوا لیتا۔'' مجتبیٰ کی کھلکھلاتی آواز اس لمحے غنیمت محسوس ہوئی۔

''میں اپنے خیالوں میں کھو کر تمہارا حال تو پوچھنا بھول ہی گئی۔'' انہوں نے پیشانی پہ ہاتھ مارتے ہوئے جیسے اپنی کم عقلی کو کوسا اور بسکٹ کی پلیٹ اس کے سامنے کی۔

''تمہیں یہاں آنے کس نے دیا؟'' مجتبیٰ کتنی ہی دیر سے یہ سوال پوچھنا چاہ رہا تھا۔

''عبدالودود بھائی چھوڑ کر گئے ہیں۔''

''ہاں...... ایسے انوکھے کام وہی کر سکتا ہے۔'' وہ سامنے ہوتا تو مجتبیٰ تالی بجا کر اسے داد دیتا کیونکہ ماما کے چہرے کی خوشی اس کے لیے دنیا کی سب سے قیمتی چیز تھی۔

ان دونوں کی گفتگو کے دوران وہ گہری نگاہوں سے نور العین کو دیکھتی رہیں۔ جوانی کا روپ، کھلنڈرا پن، شوخی کچھ

بھی تو نہیں تھا اس میں، کسی پرانی حویلی کا کھنڈر محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی عمر سے میل نہیں رکھتی تھی۔ کیا یہ ان کی بددعا کا اثر تھا؟ دل میں ایک دم خوف کا سانپ کنڈلی مار کے بیٹھ گیا۔ انہیں آج بھی اپنے الفاظ یاد تھے جو قبر کی تازہ مٹی کو دیکھ کر ان کے دل سے بے اختیار ہو کر نکلے تھے۔ انہوں نے ہی تو کہا تھا کہ آج کے بعد اس حویلی کو بیٹیوں کا سکون نہ ملے۔ کیا بددعائیں لوٹ کر واپس آتی ہیں؟ اگر ایسا نہیں تھا تو سامنے بیٹھی لڑکی کے چہرے کی ویرانی انہیں اذیت میں مبتلا کیوں کر رہی تھی؟

''آپ کیوں خاموش ہوگئیں؟'' بھتیجی نے اچانک ان سے پوچھا تو وہ چونکیں۔

''کچھ نہیں۔ پرانی یادوں میں کھوگئی تھیں۔'' اس پل بے شمار دعائیں انہوں نے نورالعین کے لیے کیں۔

''بڑی امی آپ کے لیے بہت اداس رہتی ہیں۔'' ان کی یادیں کس کے متعلق ہوسکتی ہیں یہ وہ جان گئی تھی۔

''جب مناسب وقت پہ بولا نہ جائے تو دامن میں بس اداسیاں اور پچھتاوے ہی رہ جاتے ہیں۔'' ان کا لہجہ سخت ہوا جبکہ وہ ہی جانتی تھیں کہ دل یہ بات سن کر کس قدر تڑپا تھا۔

❁......❁......❁

''دل بے چین، بے قرار، اداسی سلامتی کی دعا بھیجتی ہے۔

میں نہیں جانتی یہ حال دل تم تک کب پہنچے گا لیکن یہ یقین ہے پہنچے گا ضرور۔ میں تمہیں تلاش کرنا چاہتی ہوں لیکن جس جس جگہ کا مجھے پتا ہے وہاں تمہاری خوشبو کے علاوہ کوئی نہیں رہتا۔ میں اس خوشبو پہ بھی راضی ہوں لیکن آنکھیں تمہیں دیکھنے کو بہ ضد ہیں، سماعت تمہاری آواز سے کم پہ راضی نہیں۔ ہر جگہ سے ناامید ہو کر مجھے لفظوں کا سہارا لینا پڑا اور امید کی نئی شمع جلانی پڑی اور یہ تب تک جلتی رہے گی جب تک تم لوٹ نہیں آتے۔ تم خفا ہو اور مجھے اس بات پہ تم سے کوئی گلہ نہیں کیونکہ ناراضی بھی تو تعلق کی محتاج ہوتی ہے۔ میری بے چینیوں کو سہارا دینے کے لیے تعلق کی یہ کچی ڈور ہی کافی ہے۔ میں اس وقت تک تمہارا انتظار کرنے کو تیار ہوں جب تک سانس زندگی کا احساس دلا رہی ہے لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ تم مجھے بے وفا کے نام سے یاد کرو سو آج خوف کی ڈھیروں زنجیریں توڑ کر، وسوسوں کا زہر پی کر ان سب باتوں کا اقرار کرتی ہوں جن کی اجازت مجھے قطعاً نہیں ہے اور جن سے باز رہنے کی تلقین میرے چلنے والے پہلے قدم کے ساتھ تعویذ کی صورت باندھ دی گئی تھی۔ میں ان اندھیری گلیوں کی باسی ہوں جہاں اندھیرا ہی زندگی ہے۔ میں اور میرا نام دونوں کا عروج اندھیر نگری سے باہر گونج رہا ہے اور اس کے گواہ تم بھی تو ہو...... کیونکہ تم بھی میرا نام سن کر مجھ تک پہنچے اور مجھے دیکھ کر مجھ تک ہی رہ گئے۔

میں جو تھی اس پہ خوش تھی۔ میرے اردگرد سراہے جانے کی آوازیں تھیں، میرے وجود پہ نوٹوں کی بارش تھی، میرے نام سے راتیں رنگین تھیں اور میرے رقص سے زندگی حسین تھی...... اسی لیے تو میں نازنین تھی۔ میں جو ہوں اس پہ نازاں ہوں۔ میرے وجود کے گنبد پہ محبت کا پرچم لہرا رہا ہے، دل کے دربار میں تمہیں پالینے کی منت مانگی ہے، عشق کڑکتی بجلی کی طرح میرے نازک بدن کو جلا چکی ہے...... ہاں نازنین جل گئی، مرگئی، خود میں ہی دفن ہوگئی۔ اب اس کے وجود میں تم حلول کر گئے ہو۔ نازنین سعد بن گئی ہے۔ تم یہ اعتراف سننا چاہتے ہو اور میں زندگی کی کہانیوں سے خوف زدہ تھی۔ تمہاری چند دنوں کی بے اعتنائی نے مجھے خوف زدہ کر دیا اور اب میں اعتراف در اعتراف کرنا چاہتی ہوں لیکن سننے والا کوئی نہیں۔ مجھے اب یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ ایک طوائف زادی پرانی داستانوں کو بھلا کر ایک شریف زادے سے محبت کر بیٹھی ہے۔ محبت تو سب کا حق ہے اور اتنا سا حق تو ایک طوائف بھی رکھتی ہے۔ رکھتی ہے ناں؟ مجھے معلوم ہے تمہارا جواب ''ہاں'' میں ہوگا کیونکہ نئی منزل کا خواب دکھانے والے تم ہی تھے۔ عورت کو کوٹھے

اور محلوں کے فرق سے نکالنے والے تم ہی تھے۔ محبت کو آزاد کرنے والے بھی تو تم ہی تھے۔ بات نہ جانے کہاں سے کہاں جا نکلے (تم سے باتیں کرنے کی اس قدر شدید خواہش ہے، بتایا ہے ناں سماعتیں تم سے تم تک راضی رہنے کے لیے بضد ہیں) یہ ناراضی کا چولا اتار دو اور جلدی سے ان تاریک گلیوں میں واپس لوٹ آؤ جہاں ایک نازنین تمہاری منتظر ہے، سرخ چولا اوڑھ کر تمہارے ساتھ ایک حسین دنیا میں جانے کے لیے اور سب کچھ چھوڑنے کے لیے تیار ہے۔ (تم جہاں ہوگے وہ جگہ حسین ہی تو ہوگی)

فقط

تمہاری نازنین"

یہ خط لکھنے والی صرف ایک ہو سکتی تھی، یہ خط اس سارے جہاں میں صرف ایک انسان کو بھیجا جا سکتا تھا اور اس خط کو پہنچانے والا بھی صرف ایک تھا......لالی۔

وہ خط ہاتھ میں پکڑے ساکت تھی۔ روشنائی ہر گزرتے سال کے ساتھ مدہم ہو رہی تھی لیکن جب جب اس خط کو پڑھا جاتا جذبے پھر سے زندہ ہو جاتے۔ وہ پھر سے نازنین بن جاتی تھی، وہ پھر سے سعد کی دیوانی بن جاتی تھی۔ یہ نیلی روشنائی سے رنگا صرف کاغذ نہیں تھا یہ اس کا دل تھا جو اس نے بڑے اہتمام سے سالوں پہلے لالی کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ خط کے جواب میں وہ خود آیا تھا۔ زندگی حسین رنگوں سے کھیلنے لگی تھی، محبت میں ہجر کا پاٹ پڑھے بغیر وصل کی چاشنی حاصل ہو گئی تھی۔ کسی دانا نے کہا تھا۔

"محبت کوئی نقصان اٹھائے بنا حاصل ہو جائے تو خود کو محبوب سے نقصان اٹھانے کے لیے تیار کر لو۔ عشق میں لوگ پتھر نہ ماریں تو عشق مکمل نہیں ہوتا اور پھر وقت کا پہیہ الٹا چلتا ہے، پہلا پتھر عاشق ہی مارتا ہے۔" وہ یہ بھی کہتا تھا۔

"محبت میں مل جانا تو سب کہاوتیں ہیں کیونکہ محبت تو من کا نام نہیں اور جہاں میل ہو گیا وہ محبت نہیں۔"

وہ گیانی کو جھوٹا کہتی تھی......غلط کہتی تھی۔ ہمیشہ کی طرح خط پہ اس کے چند بے نام آنسو گرے تھے۔ کسی کے آنے سے پہلے خط کو آخری امانت کی طرح سنبھال کے پرانے صندوق میں رکھ دیا۔ اس خط کے ساتھ وہ محبت بھی دوبارہ صندوق میں بند ہو گئی، کچھ رشتوں، جذبوں اور چیزوں کی جگہ اندھیری گہرائیاں ہی ہوتی ہیں۔

❁......❁......❁

دو گاڑیاں دھواں اڑاتی ہوئیں پختہ سڑک سے گزر کر بڑے سے گیٹ کے سامنے رک گئیں۔ حفاظتی حصار سے گزار کر انہیں اندر جانے کی اجازت دی گئی، وہ مہمان تھے لیکن انہیں کتنی ہی دیر میزبان کی جانب سے انتظار کروایا گیا۔ کوئی اور وقت ہوتا ایسے سلوک پہ وہ سیخ پا ہو جاتے لیکن اس وقت وہ خود سوالی بن کر آئے تھے سو دماغ کو گرم ہونے سے روکنے میں ہی مصلحت تھی۔

"مختار احمد......آخر سالوں بعد تم دوبارہ یہاں لوٹ ہی آئے۔" آنے والے کے لہجے میں غرور کا جہاں آباد تھا جیسے مختار احمد کی یہاں موجودگی ان کی جیت ہو۔

"تمہاری جانب سے ایسے کام کیے جاتے رہے ہیں جو ہم دونوں کے درمیان فاصلوں کو بڑھاتے رہے۔" دوسری جانب سے سرد لہجے میں بات کی گئی، وہ ان کے لیے اپنی جگہ سے کھڑے نہیں ہوئے تھے۔

"کم تو کچھ تم نے بھی نہیں کیا لیکن خیر پرانی باتوں سے اب کچھ حاصل نہیں، تم بتاؤ اب کون سی ضرورت تمہیں یہاں کھینچ لائی۔" اسلم خان درانی کا لہجہ کروفر سے بھرپور تھا۔ اپنے مخالفوں کے ساتھ ان کا یہ رویہ ہمیشہ سے رہا تھا۔

"میری زندگی کا ایک اصول رہا ہے کہ دشمن کے دشمن کو ہمیشہ اپنا دوست سمجھو سو اسی اصول کے تحت یہاں بیٹھا

ہوں وگرنہ یہاں آنے کی کوئی خاص خواہش نہیں تھی۔" مختار احمد نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"چلو پھر بتاؤ نئی دوستی کی بنیاد کیا ہے؟" اسلم خان نے صوفے کی پشت پہ اپنے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"احمد علی چٹھہ کے دونوں پوتوں نے پیر شاہ پہ پولیس کے ساتھ ریڈ ماری تھی۔ تم جانتے ہو زبیر شروع سے دربار کے کاموں سے دور رہا ہے میں مجتبیٰ کو گدی نشین بنانے والا تھا اور اس سلسلے کے لیے میں نے اسے اور اس کی ماں کو حویلی میں رکھا ہوا تھا لیکن وہ دولڑکے آئے اور میری خاندانی عزت کو تباہ و برباد کر گئے۔" مختار احمد کا پارہ چڑھنے لگا۔

"ویسے سچ بتاؤں تو تمہاری یہ بے بسی میرے لیے لطف انگیز ہے لیکن اب تم یہاں مدد کے لیے آئے ہو تو میں یہ لطف کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں۔" اسلم خان کے چہرے کی مسکراہٹ مختار احمد کو سیخ پا کرنے کے لیے کافی تھی لیکن وہ ہر ممکن حد تک ضبط سے کام لے رہا تھا۔

"کچھ نہیں تو رشتے داری کا لحاظ کرلو۔" مختار احمد اسے یاد دہانی کرانا نہیں بھولا۔

"تم نے آج تک لحاظ نہیں کیا تو مجھ سے بھی ایسی کوئی توقع مت رکھو، تمہاری جانب سے کیا گیا وار رشتے داری کے لبادے میں ہی کیا گیا تھا۔"

"چوٹ تو تم نے بھی مجھے کم نہیں پہنچائی...... میرا بیٹا تک چھین لیا۔" ماضی کو بھلانے کی کوشش ناکام ہوگئی۔

"تمہارے بیٹے نے جو نمک حرامی کی میں وہ قطعاً نہیں بھولا، اس لیے پرانے حساب پھر کسی وقت کے لیے اٹھا رکھو۔ اس وقت یہ بتاؤ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" اس وقت دونوں اپنی اپنی آنکھیں ماتھے پہ رکھے ہوئے تھے۔

"میرا پوتا...... میں صرف تم سے مجتبیٰ چاہتا ہوں۔" بساط بچھائی جا چکی تھی۔

"میں تمہارے پوتے کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" لاعلمی کے اظہار پہ مختار احمد مسکرا کے رہ گیا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے اس علاقے پہ تمہارا اثر و رسوخ ختم ہو چکا ہے؟" یہ طنز تھا اور کافی سخت تھا۔ اسلم خان اپنی جگہ پہ پہلو بدل کے رہ گیا۔

"میں سینکڑوں کلومیٹر کی دوری سے اس کا سراغ لگا سکتا ہوں تو تمہارے لیے یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہونا چاہیے...... مجھے ایسی امید تھی۔" اپنی بات کے اختتام تک لہجہ تمسخرانہ ہو چکا تھا۔

"سراغ لگانے کے بعد یہاں تمہاری موجودگی کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔"

"یہ میرا علاقہ نہیں ہے اسلم، میرے بندے یہاں سر عام کارروائی نہیں کر سکتے اور نہ میں سفید حویلی والوں سے کھلی دشمنی مول لینے کی حالت میں ہوں۔ میرا پوتا، میرا مستقبل اور میرے نام کا آخری وارث ان کے قبضے میں ہے اور وہ مجھے ہر حال میں چاہیے۔" مختار احمد کا بس نہیں چل رہا تھا وہ آنکھ جھپکنے سے قبل ہی مجتبیٰ کو ڈھونڈ لیں۔

"زبیر اس سلسلے میں تمہاری مدد کیوں نہیں کر رہا؟" ایک اور پہلو سامنے رکھا گیا۔

"اس کی رگوں میں بھگوڑی ماں کا دودھ ہے سو اس سے کسی بہادری کی توقع رکھنا عبث ہے۔" مختار احمد تنک کر بولتے ہوئے یہ بھول گئے کہ وہ اسی بھگوڑی عورت کے بھائی کے سامنے بیٹھے ہیں لیکن یاد بھی تب رکھتے جب مقابل کوئی فرض شناس بھائی ہوتا یہاں تو منافع کی منڈی تھی جہاں سب بکتا تھا۔

"تمہاری مدد سے مجھے کیا حاصل ہوگا؟" چال آگے بڑھائی گئی۔

"اپنے دشمن کو نیچا دکھانے سے بڑا کوئی انعام ہوتا ہے کیا؟" لہجہ عیاری سے بھرپور تھا۔

"مجھے شیشے میں اتارنے کی کوشش نہ کرو۔"

"تم بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" مرضی کا مہرہ چلانے کا اختیار دیا گیا۔

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا
ڈاکٹر صاحب مرحوم 50 سال سے زائد عرصہ طب کے شعبے سے وابستہ رہے اور 20 سال سے زائد عرصہ "ماہنامہ آنچل" کے معروف سلسلے "آپ کی صحت" کے ذریعے قارئین کو ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مطابق طبی مشورے فراہم کرتے رہے۔ مندرجہ ذیل دوائیں ڈاکٹر صاحب کے 50 سالہ طبی تجربے کا نچوڑ ہیں۔
قدرتی بال، سر کی رونق بحال
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت
700/=
روپے
Aphrodite
Hair Grower
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے
چہرے و دیگر غیر ضروری بالوں کا مستقل خاتمہ
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت
900/=
روپے
Hair Inhibitor
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/800 روپے
ایفروڈائٹ بریسٹ بیوٹی
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت
600/=
روپے
Aphrodite
Breast Beauty
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے
ایفروڈائٹ پین کلر
ایک بوتل بذریعہ منی آرڈر
قیمت
700/=
روپے
Pain Killer
براہ راست کلینک سے لینے پر قیمت =/500 روپے
زیر نگرانی:
محمد عاصم مرزا
محمد آصف مرزا
محمد عامر مرزا
ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دکان نمبر 9، مدینہ میرس، پلاٹ نمبر SA-1 (ST-15)
سیکٹر B-14، شادمان ٹاؤن نمبر 2، نارتھ کراچی، کراچی-75850
فون نمبر: 021-36997059، صبح 10 تا رات 9 بجے
منی آرڈر کی سہولت میسر نہ ہونے کی صورت میں فون پر رابطہ کریں
منی آرڈر بذریعہ
پاکستان پوسٹ بھیجنے کا پتا:
منی آرڈر کرنے کے بعد فارم نمبر، نام، ایڈریس، مطلوبہ دوا، بھیجی گئی رقم، 0320-1299119 پر SMS کردیں

''مجھے حیدر اور ابراہیم واپس چاہیں۔'' یہ تو ساری بساط ہی الٹا دی گئی تھی۔
''میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔'' انہیں ابراہیم کی کیا پروا مسئلہ تو حیدر کا تھا اور حقیقت یہ ہی تھی کہ انہیں سالوں سے کچھ خبر نہیں تھی ورنہ اپنے فائدے کے لیے رشتے قربان کرنا ان کے لیے کبھی مشکل نہیں رہا تھا۔
''تو پھر یہ مصالحت بھی نہیں ہوسکتی۔'' پانسہ پلٹ چکا تھا۔ دونوں کے درمیان سالوں پرانی دشمنی کی شاخیں کٹنے کی بجائے مزید تناور ہوچکی تھیں۔
''سوچ لو درانی؟'' یہ یقیناً دھمکی تھی۔
''تم سوچ لو...... اپنا مستقبل خود کھودو گے۔'' وہاں سے بھی برابر جواب آیا۔
''یہ مت بھولو کہ تمہارا مستقبل بھی اکلوتا پوتا ہے جو نہ جانے کہاں شہر کی خاک چھانتا پھرتا ہے۔'' صورت حال خراب ہورہی تھی۔
''اسلم خان کل کی فکر نہیں کرتا، جو ہوں میں ہوں اور صرف میں ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا مطلب نشست برخاست ہوچکی تھی۔
شطرنج کا کھیل شروع ہونے سے پہلے ختم ہوچکا تھا۔ ایک دوسرے کے مفادات سے کھیلنے والے کبھی بھی کسی دوسرے کے مفاد کے لیے اکٹھے نہیں ہوسکتے تھے۔

✿......✿......✿

کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ ان سے کچھ فاصلے پہ بیٹھا وجود مسلسل انہیں اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھے ہوئے تھا اور وہ جی بھر کے کوفت کا شکار ہورہے تھے۔ آج یونیورسٹی میں تاخیر ہونے کے باعث افشین نے ان سے گھر تک چھوڑنے کے لیے کہا اور وہ انکار نہیں کرپائے تھے۔ اسے روڈ پہ تنہا چھوڑنا اچھا نہیں لگا سو اب وہ اس کے گھر مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔ پہلی بار کی طرح اس کی بہن دروازہ کھولتے اور بنا سلام دعا کیے غائب ہوگئی تھی جب کہ اس کی والدہ سے پہلی ملاقات تھی۔ وہ گفتگو کم اور گھورنے پہ زیادہ اکتفا کررہی تھیں۔
''تمہارے گھر میں کون کون ہے؟'' انہیں انداز پسند نہیں آیا لیکن جواب دینا مجبوری تھی۔
''میری والدہ اور ایک چھوٹی بہن ہے۔'' وہ جلد از جلد چائے ختم کرکے وہاں سے نکلنا چاہتے تھے۔
''کماتے کتنا ہو؟'' انتہائی ذاتی سوال نہایت دھڑلے سے پوچھا گیا۔
''الحمدللہ...... اللہ کا کرم ہے۔'' چائے اب بھی کچھ باقی تھی۔
''افشین بتاتی ہے کہیں اندرون لاہور میں تم لوگوں کی رہائش ہے۔'' وہ اتنی بھی بے خبر نہیں تھیں۔
''جی......'' انہوں نے اثبات میں سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔
''تمہاری اچھی بھلی تنخواہ ہے تو اس محلے ٹائپ ماحول سے نکل کیوں نہیں آتے، کہو تو اپنے اردگرد کوئی بات چلاؤں؟'' اس انتہائی درجے کی بے تکلفی نے ان کے ہاتھوں میں پسینے کی ننھی ننھی بوندیں پیدا کردی تھیں۔
''نہیں بہت شکریہ۔ میری امی کی اس گھر سے بہت یادیں وابستہ ہیں سو میں انہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔'' انہوں نے نہایت تفصیل سے جواب دیا تاکہ یہ موضوع ختم ہوجائے۔
''اچھا تو تم وہ ہو......''
''وہ کیا؟'' ان کے انداز پہ چونکنا فطری بات تھی۔
''وہ جنہیں ماماز بوائے کہتے ہیں۔'' بات کے اختتام پہ وہ خود ہی ہاتھ پہ ہاتھ مار کے ہنسنے لگیں اور ہنسی کی شدت

کافی زیادہ تھی۔

"وقت کافی زیادہ ہوگیا ہے اب میں چلتا ہوں۔" وہ کپ میں آخری گھونٹ چھوڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایسی بے تکلفی تو وہ اپنے ہم عصروں سے نہیں رکھتے تھے اور یہاں مقابل کی عمر کا اندازہ کسی گستاخی سے بھی باز رکھے ہوئے تھا۔

"ارے حازم اتنی جلدی آپ کہاں چل دیے؟" اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے نکلتے افشین آ گئی اور حیران لہجے میں سوال کیا۔

"امی انتظار کر رہی ہوں گی۔" وہ اب یہاں نہیں رکنا چاہ رہے تھے۔

"لیکن میں آپ کو کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔" وہ ان کے راستے میں دیوار بنی کھڑی تھی۔

"نہیں پلیز پھر کبھی سہی۔" انہوں نے کھانے کی فرمائش نہایت آرام سے رد کی۔

"آپ ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہیں۔" وہ روٹھ جانے کا اظہار کر رہی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے ابھی واقعی مجھے ضروری جانا ہے لیکن وعدہ رہا کسی دن لازمی کھانا کھاؤں گا۔" وہ واقعی اب یہاں سے جانا چاہتے تھے۔

"جیسی آپ کی مرضی...... آپ ہمیشہ اپنی مرضی ہی کرتے ہیں۔" وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلتے ہوئے خارجی دروازے تک آئی اور اسی خاموشی کے ساتھ انہیں رخصت کر دیا۔

"امی آپ نے انہیں کچھ کہا ہے؟" وہ دونوں ہاتھ کمر پہ ٹکائے سوالیہ نگاہوں سے ماں کی جانب دیکھ رہی تھی۔

"پہلے میری بات کا جواب دو، یہ انسان پسند کیا ہے تم نے اپنے لیے؟" ان کے لہجے سے ناپسندیدگی واضح جھلک رہی تھی۔

"کیوں...... کیا ہے اس انسان میں؟" اس بار اس کا لہجہ تلخ ہوا۔

"تم جیسی عقل مند اور ذہین لڑکی سے ایسی بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔" ان کی نگاہوں میں اس کے لیے تاسف جھلک رہا تھا۔

"امی...... آپ نے انہیں کیا کہا ہے؟" اب اسے یقین ہو چلا تھا یقیناً امی کی جانب سے کوئی ایسی بات ہوئی تھی جو انہیں بری لگی تھی ورنہ وہ اس قدر بامروت تھے کہ چاہنے کے باوجود تلخ نہیں ہو سکتے تھے اسی ایک خوبی کا وہ فائدہ اٹھاتی آ رہی تھی۔

"وہ ہی جو میں نے محسوس کیا اور میں تمہیں بتا رہی ہوں وہی حقیقت ہے۔"

"امی...... میں آپ کو بارہا بتا چکی ہوں میں حازم کو پسند کرتی ہوں اور اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرتے ہوئے انہیں ضرور اولیت دوں گی۔ اس کے باوجود آپ کوئی ایسی بات کیسے کر سکتی ہیں جو میرے لیے مشکل کا باعث بنے۔" وہ ان کی گول گول باتوں سے زچ ہونے لگی تھی۔

"اس کے پاس ہے کیا؟ ایک پرانے سے محلے میں رہائش، بہن کی ذمہ داری سر پہ ہے اور سب سے بڑھ کر ماں کا لٹو ہے اور تم چلی ہو اس کے ساتھ زندگی گزارنے۔" وہ اب کھل کے بولنے لگی تھیں۔

"وہ بے حد قابل انسان ہیں اور مجھے ان کا مستقبل روشن نظر آتا ہے باقی بہن اور ماں کا کیا ہے ان سے تو کبھی بھی جان چھڑائی جا سکتی ہے۔" وہ انہیں وہ نکتہ سمجھا رہی تھی جس کے باعث حازم شفیق اس کی نگاہوں میں آن بسا تھا۔

"تمہاری غلط فہمی ہے، یہ مڈل کلاسیے کبھی ماؤں کے دامن سے نہیں نکلتے۔" وہ اس کی بات سے متفق نہیں تھیں۔

''آپ بھی تو ایک شخص کو اس کے خاندان سے دور کر چکی ہیں تو میری بار یہ خوف کیوں؟'' وہ انہیں کیا حوالہ دے رہی تھی وہ فوراً اسے سمجھ گئیں۔

''اور اس سے پہلے جو دو تجربے ناکام ہو چکے ہیں وہ بھی تم جانتی ہو۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں ایسے انسان کے پیچھے مت بھاگو جو تمہارے قابل نہیں ہے، تم دو جمع دو کر کے زندگی گزارنے کے لائق نہیں ہو، تم کسی امیر زادے کے دل پہ حکمرانی کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ یہ محبت وغیرہ کے ڈھکوسلے مت پالو۔'' وہ اس کی کم عقلی کو کوس رہی تھیں۔

''آپ بے فکر رہیں میں کوئی بے وقوفی نہیں کروں گی۔'' وہ ان کی کسی بات کو سنجیدہ نہیں لے رہی تھی۔

''ہاں امی آپ فکر نہ کریں آپ کی بیٹی آپ سے زیادہ رشتوں کا استعمال جانتی ہے۔'' وہ نہ جانے کب سے کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی آخر کار بول پڑی۔

''تم تو چپ ہی کرو نہ جانے کس منحوس لمحے کی پیداوار ہو، ہر کام میں میری مخالف سمت جانے کی تم نے ٹھانی ہوئی ہے۔'' انہوں نے پل میں نوشین کو جھاڑ کے رکھ دیا۔ انہیں افشین سے جتنی امیدیں تھیں نوشین سے اسی قدر خار کھائے بیٹھی تھیں۔

''اللہ مجھے اس وقت سے بچائے جب میں آپ کی سمت چلنے لگوں۔'' وہ جو سوچتی تھی کہہ دینے میں عار محسوس نہیں کرتی تھی۔

''میری نظروں کے سامنے سے دور چلی جاؤ۔'' وہ ایک دم چیخیں سو وہ مسکراتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی۔ ان کا پارہ چڑھ چکا تھا سو اب بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

❁.......❁.......❁

وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹے سے آرائشی ہال میں بیٹھی انتظاری کوفت سے تنگ آ گئی تھی جب انٹرویو کا آغاز ہوا لیکن اب بھی اس کا وقت آنے میں بہت دیر تھی۔ یہ کافی مشہور کمپنی تھی اگر یہاں اس کی جاب ہو جاتی تو امی کی کئی پریشانیاں حل ہو سکتی تھیں۔ وہ خود کو پر اعتماد رکھنے کے ساتھ دل ہی دل میں آیات پڑھنے میں مصروف تھی۔ وہ اپنا نمبر آنے پہ دل سے سارے وہم اور وسوسے نکالتے ہوئے انٹرویو کے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ ایک وسیع کمرے میں طویل میز کے پار پانچ افراد بیٹھے تھے لیکن اس کی نگاہ سامنے بیٹھے انسان پہ مرکوز تھی۔ وہ انسان یہاں اس کے سامنے کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ خود کو ناکامی کے لیے تیار کر چکی تھی، اس کا دل چاہا وہیں سے واپس مڑ جائے لیکن ابھی وہ ایسی بے وقوفی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ خود کو پر اعتماد ظاہر کرتی آگے بڑھی، وہ کرسی کے قریب پہنچی تھی کہ فون سے نظر ہٹاتے ہوئے اس نے آنے والے کی جانب دیکھا اور اس کی طرح شدت سے چونکا۔

''تم یہاں......؟'' اس کے لہجے میں حیرانی کا عنصر زیادہ تھا یا بے یقینی کا وہ سمجھ نہیں پائی لیکن اس کی اونچی آواز پہ سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ شمارے میں)

❁

نزہت جبین ضیا

دلکشا نے بیڈ کے سرہانے سے ٹیک لگا کر کمرے کا سرسری سا جائزہ لیا، کمرے کی ہر چیز سے اس کے ذوق اور نفاست کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا تھا۔ بیش قیمت پردے، خوب صورت قالین، دیواروں پر آویزاں قیمتی تصاویر، وسیع و عریض بیڈروم کے ایک طرف اس کے جہیز کا سامان رکھا تھا باقی کمرہ عریش کی پسند اور ذوق کے مطابق خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ دلکشا کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان تھی۔ آج حقیقت میں وہ عریش کی دلہن بن کر آئی تھی۔ یہ شادی طوفانی عشق کا نتیجہ تو نہیں تھی البتہ رشتہ طے ہونے کے بعد سے شادی تک کا درمیانی سفر، باتیں، ملاقاتیں اور آپس کے تعلقات نے یقیناً یہ شادی لو میرج ہی بنادی تھی۔

دلکشا کی مسکراتی نظریں سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر آ کر رکیں۔ اپنا آپ دیکھا...... سرخ اور سفید امتزاج کا بھاری بھرکم شرارہ سوٹ، میچنگ نازک اور نفیس جیولری سیٹ، خوب صورت آویزوں سے سجے قیمتی بریسلیٹس اور حسین میک اپ نے اسے مزید حسین بنا تھا۔ اپنا آپ دیکھ کر خود پر بھی پیار آ رہا تھا۔ اب وہ منتظر تھی عریش کی گو کہ بھاری میک اپ اور کپڑوں سے بے چینی ہو رہی تھی مگر وہ چاہتی تھی عریش بھی دل بھر کے اس کو دیکھے۔ دروازہ ہلکی آواز کے ساتھ کھلا...... دلکشا نے جلدی سے خود کو سمیٹا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ بھاری پلکیں اٹھا کر دیکھا...... عریش بھی بلیک اور میرون شیروانی سوٹ اور کلاہ میں کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ دلکشا کے لبوں پر ایک بار پھر میٹھی مسکان آئی...... پلکیں خود بخود جھکیں...... دل بے ترتیب انداز میں دھڑکنے لگا، عریش شاہانہ انداز میں چلتا ہوا بیڈ پر آ بیٹھا...... دلکشا مزید سمٹ گئی۔

"ماشاء اللہ...... آج تو کچھ زیادہ ہی پیاری لگ رہی

ہو۔" عریش کے جملے پر دلکشا گلال ہوئی...... پلکیں مزید بوجھل ہونے لگی تھیں۔

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" عریش نے شیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور جواباً مسکرایا۔

"ہاں بھئی منہ دکھائی کا تحفہ تو دے دوں تمہیں...... بہت انتظار ہے ناں۔" عریش کا لہجہ کھنکتا ہوا تھا۔

دلکشا نے ہلکے سے سر ہلا کر شرمگیں مسکراہٹ سے عریش کو دیکھا۔ عریش نے پہلے دن سے ہی یہ سسپنس پھیلا رکھا تھا کہ میں منہ دکھائی کا بہت قیمتی اور انمول تحفہ دوں گا تمہیں جو سب سے الگ اور منفرد ہوگا۔" اور دلکشا واقعی اس تحفے کو لے کر کافی ایکسائیٹڈ بھی تھی۔ دلکشا کو یقین تھا کہ تحفہ بھی بیش قیمت اور انوکھا ہوگا۔ عریش نے جیب سے ہاتھ نکالا تو اس کے ہاتھ میں اس کا اپنا موبائل تھا...... دلکشا منتظر تھی کہ یقیناً دوسری جیب سے کچھ نکالے گا...... عریش نے گہری نظروں سے دلکشا کو دیکھا، دھیرے سے مسکرایا اور جھک کر موبائل میں کچھ دیکھنے لگا۔ دلکشا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ عریش تجسس کو مزید ہوا دے رہا تھا۔

"اسے جانتی ہو؟" اچانک ہی عریش نے موبائل اسکرین دلکشا کی آنکھوں کے عین سامنے لا کر کہا، دلکشا کی نظریں موبائل اسکرین پر ٹھہر گئیں...... اس کی آنکھیں حیرت وخوف سے پھیل گئیں، دل جیسے اچھل کر حلق میں آ گیا تھا، ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے ابھرے، زبان سلب ہوئی اور آنکھیں بے یقینی کی کیفیت میں تھیں۔

"کیوں محترمہ؟ یادداشت سلامت نہیں کہ واقعی بھول چکی ہو؟" عریش کا لہجہ ایک دم بدلا، اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ...... یہ...... آپ...... کے پاس، میرا مطلب۔"

"یہ...... یہ کیا لگا رکھی ہے؟ اسے جانتی ہو کہ نہیں...... یہ کون ہے، مجھ سے کیا رشتہ ہے؟ میرے پاس تصویر کیوں اور کیسے آئی، یہ سب باتیں بعد میں...... پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا اس سے کیا رشتہ تھا اور اب یہ کہاں ہے؟" عریش کے لہجے میں حقارت تھی، وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ دلکشا کے لیے یہ صورت حال قطعی غیر یقینی اور تکلیف دہ تھی۔

"بولو...... منہ میں زبان نہیں ہے کیا؟" اس بار عریش کی آواز بلند ہوئی تو وہ گھبرا کر رونے لگی۔

"یہ...... یہ میرے ساتھ کالج میں پڑھتا تھا...... دانش وقار لیکن...... لیکن عریش اللہ کی قسم...... میرا اس سے کوئی تعلق نہیں، کوئی رشتہ نہیں تھا...... یہ پیسے والا......"

"بس کردو...... آگے ایک لفظ بھی مزید مت کہنا...... جانتا ہوں...... تم نے اس کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں بنایا، وہ سچا تھا، تم سے پیار کرتا تھا اور تم...... تم نے اسے ٹھکرا دیا، تم اس قابل تھیں ہی نہیں...... مڈل کلاس، چھوٹی سوچ اور چھوٹے ذہن کی لڑکی پتا ہے یہ میرا بھائی تھا...... میرا چھوٹا اور لاڈلا بھائی جو مجھے ہر بات بتاتا تھا اس نے تمہارے متعلق بھی بتایا اور تمہاری تصویریں بھی دکھائیں، وہ تم سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن...... لیکن تم نے انکار کر دیا اور وہ دل برداشتہ ہو گیا اسی حالت میں ڈرائیو کر نہ پایا اور گاڑی بے قابو ہو گئی...... اس روز ایکسیڈنٹ سے پہلے تمہارے بارے میں مجھ سے فون پر بات کی، میرا بھائی غصے سے پاگل ہو رہا تھا...... میرا بھائی...... میرا بھائی ایکسیڈنٹ میں...... یا اللہ۔" عریش کہہ رہا تھا اور دلکشا آنکھیں پھاڑے سن رہی تھی، عریش کی حالت دیکھ کر دلکشا خوف سے کانپنے لگی۔ یہ تو ہنستا مسکراتا، محبتیں لٹانے والا ہر دم والہانہ انداز سے پیار کا اظہار کرتے رہنے والا عریش تھا لیکن آج غصے سے لال، آنکھوں میں نفرت، غیض وغضب لیے، شدت جذبات سے کانپتا ہوا عریش تھا۔

"اف اللہ...... یہ سب کیا ہے؟" دلکشا کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس بری طرح بپھرے ہوئے عریش کو کس طرح سمجھائے۔

"عریش...... پلیز یہ بات بالکل بھی نہیں ہے...... آپ پوری بات تو سن لیں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ دانش کو سمجھایا بھی تھا وہ......"

"بکواس بند کرو۔" عریش غرا کر پلٹا تو دلکشا سہم گئی۔

"نہ کچھ سننا ہے نہ، تمہاری ڈرامے بازیاں مجھ پر چل پائیں گی...... میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم میرے بھائی کی قاتل ہو، مجھے تم سے نفرت ہے، اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ میں نے تمہیں دل سے پسند کر کے تمہاری چاہت میں پاگل ہو کر تمہیں اپنایا ہے...... میرے پاس تمہاری منحوس تصویر موجود تھی، میری خوش نصیبی کہ تم مجھے مل گئیں اور میں نے سوچی سمجھی پلاننگ کے تحت تم سے شادی کی...... اب تم بھی ساری زندگی اس طرح میرے پیار کو، میرے التفات اور میری چاہت کو ترسو گی جیسے میرا بھائی ترسا۔ تم پل پل مرو گی، تمہیں تل تل ماروں گا۔"

"عریش یہ زیادتی ہے...... پلیز آپ میری بات سنیں۔" دلکشا کے پیروں تلے زمین نکل گئی، یہ کیا ہو رہا تھا، سزا بھی سنائی جا رہی تھی اور صفائی کا موقع بھی نہیں دیا جا رہا تھا۔

"دلکشا...... ایک لفظ بھی بولا تو ابھی کے ابھی تمہیں فارغ کر دوں گا، صبح طلاق کا تحفہ دے کر واپس بھیج دوں گا۔" عریش نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا، لہجے میں نفرت اور قطعیت نمایاں تھی۔

"نہ...... نہیں پلیز...... نہیں۔" وہ سر سے پیر تک کانپ گئی۔ عریش کے تیور اس وقت اتنے خطرناک تھے کہ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اگر وہ واقعی ایسا کچھ کر دیتا تو وہ زندہ بھی نہیں رہ پاتی...... اماں تو صدمے سے مر جاتیں، لوگ کیسی کیسی باتیں بناتے۔

"نہیں...... عریش۔" وہ ہاتھ جوڑے سسک پڑی۔

"عریش۔" اس کے کانپتے لبوں سے بہ مشکل سسکی کی صورت میں آواز نکلی، دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر وہ بلکنے لگی، یہ کیسا انکشاف تھا، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تقدیر اس طرح سے کھیل کھیلے گی۔ "اسی سرپرائز کے لیے کئی ماہ انتظار کیا میں نے۔"

"کہو کیسا لگا سہاگ رات کا سرپرائز؟" کانوں کے پاس آ کر وہ سفاک لہجے میں بولا، دلکشا نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ہاہاہاہا...... کتنا انوکھا اور دلچسپ تحفہ ہے ناں؟ میں کہتا تھا ناں کہ ایسا تحفہ دوں گا کہ تم ساری زندگی یاد رکھو گی...... سب سے الگ اور سب سے انوکھا تحفہ۔"

"عر...... یش...... یہ زیادتی ہے۔" وہ بمشکل کہہ پائی۔

"چپ...... چپ...... ایک دم چپ...... یہ زیادتی ہے اور کسی کی جان سے کھیلنا؟ کسی کے ساتھ موت جیسا گھناؤنا کھیل کھیلنا وہ...... وہ کیا ہے؟ وہ سب کیا تھا؟ تم قاتل ہو...... تم ظالم ہو، حسین چہرے والی بدشکل ڈائن ہو، میرے پیارے بھائی کو کھا گئیں، کیوں...... کیوں کیا وہ سب...... ہاں بتاؤ...... بتاؤ؟" وہ ہذیانی انداز میں کاندھا پکڑ کر دلکشا کو جھنجوڑ رہا تھا، اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، سارا بدن غصے سے کانپ رہا تھا...... ایک لمحے کے لیے دلکشا کو لگا جیسے وہ اس کا گلا دبا دے گا، عریش کا جنون اور غصہ حد سے بڑھنے لگا تھا۔

"یا اللہ......" دلکشا نے آنکھیں بند کر لیں، عریش کا تمتماتا ہوا چہرہ، اس کے چہرے پر پھیلی نفرت، حقارت، دلکشا کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

"اللہ پاک...... مجھے ہمت حوصلہ دے میرے مولا۔" وہ دل ہی دل میں اللہ پاک کو یاد کر رہی تھی اور خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، آنکھیں بند کیے وہ کسی اور انہونی کا انتظار کر رہی تھی تب ہی عریش نے ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر پھینک دیا۔

"محترمہ...... ایک دفعہ مار کر تسلی نہیں ہوگی میری...... میں تمہیں اپنے انداز سے، لہجے اور اپنے الفاظ سے ہر روز، ہر پل ماروں گا...... لمحہ بہ لمحہ تمہیں احساس دلاؤں گا پچھلے چند مہینوں کی دکھاوے کی، کی جانے والی محبت، اپنے منہ سے ادا ہونے والے ایک ایک لفظ کا خراج وصول کروں گا، اپنی اذیت، اپنی بے چینی اور بے قراری میں گزرے ایک ایک لمحے کا حساب سود سمیت واپس لوں گا تم سے...... تمہیں چھوڑوں گا نہیں نہ ہی تمہیں عزت دوں گا...... رشتہ برقرار رکھوں گا...... ہاں اپنے پاس، اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

وہ کانوں میں زہر اتار رہا تھا، دلکشا سن رہی تھی۔

"اٹھو اور جا کر کپڑے چینج کرو وحشت ہو رہی ہے مجھے تمہیں اس حالت میں دیکھ کر۔" وہ دوبارہ گویا ہوا۔ لہجہ بدستور زہر آلود تھا۔ اس کا دل چاہا اٹھے اور اٹھ کر عریش کو بھی دل بھر کر سنا دے اور یہ گھر چھوڑ کر واپس چلی جائے، اس طرح سے جینا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن تھا، یوں بھلا اتنی تذلیل اور تحقیر کے بعد بھی کوئی حیثیت باقی رہ گئی تھی کیا؟ لیکن واپس جاتی تو کس صورت سے، کیا کہتی؟ کس کس کو اپنی بے گناہی کا یقین دلاتی؟ کہاں خود کو اپنے حق میں صفائیاں دیتی؟ اسے اس حالت میں اور اس وقت گھر میں دیکھ کر اماں کی حالت بگڑ جاتی۔ کیا جواز ہوتا اس کے پاس؟

"یا اللہ...... یہ کیسی آزمائش میں ڈال دیا تو نے۔" اپنے زخمی وجود کو بمشکل گھسیٹا، موبائل بیڈ کے سرہانے پھینک کر عریش واش روم میں چلا گیا تھا...... دلکشا اپنے بکھرے وجود کو سمیٹنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، شکر تھا کہ گھر میں کوئی نہ تھا ورنہ عریش کی چیخ و پکار لوگوں کی نظروں میں بھی اسے مشکوک کر دیتی، پانچ منٹ میں عریش کپڑے بدل کر آ گیا اور دلکشا کپڑے لے کر واش روم کی طرف بڑھی...... منہ دھوتے ہوئے ٹھنڈے پانی کے ساتھ بے شمار گرم آنسو بہا ڈالے۔

"دانش اللہ تجھے سمجھے زندہ رہا تو میرے لیے مسائل کھڑے کیے اور مر کر بھی مجھے نئی اذیت دے گئے ہو تم۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی، کپڑے تبدیل کر کے آئی، جیولری اتار کر رکھی، عریش بیڈ کے کنارے پر تکیے سے ٹیک لگائے ہلکا سا نیم دراز موبائل دیکھ رہا تھا، دلکشا نے اپنے ہیئر اسٹائل سے بالوں کو نجات دلوائی، لمبے سیاہ ریشمی بالوں میں برش کر کے سلجھایا اور آ کر بیڈ کے دوسرے کنارے پر ٹک گئی، عریش کچھ دیر موبائل استعمال کرتا رہا پھر چادر تان کر لیٹ گیا۔ وہ بے بسی سے عریش کے لمبے چوڑے وجود کو دیکھتی رہی پھر آہستگی سے اٹھ کر بیڈ سے کچھ فاصلے پر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"یا اللہ...... یہ کیسا امتحان ہے میرے مولا؟ یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اتنا پیار کرنے والا انسان، گن گن کر ایک ایک لمحہ گزارنے والا، ہنس مکھ اور چاہتیں لٹانے والا، والہانہ انداز میں پیار جتانے والا انسان...... اتنا کٹھور، ظالم اور سفاک بھی ہو سکتا ہے، دل میں نفرتیں رکھنے کے باوجود محبتیں نچھاور کرتا رہا، اتنی بڑی اداکاری کرتا رہا، اف کتنی مہارت اور چال بازی سے اپنا مشن پورا کیا تھا کسی پل، کسی لمحے کبھی بھی، کسی بھی عمل سے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ دل میں کتنا بغض رکھتا ہے...... کتنی نفرتیں پال رکھی ہیں اپنے بھائی کو مظلوم سمجھ کر بنا سوچے سمجھے اس قدر سفاکی دکھا رہا تھا یہ کیسا فیصلہ تھا، کیسی سزا تھی؟ خود ہی عدالت لگا کر سزا بھی سنائی اور صفائی کا موقع بھی نہیں دیا۔" بے شک بھائی کی محبت تھی، جوان بھائی کی موت کا صدمہ سہنا آسان نہ تھا لیکن سارے معاملے کے پیچھے کیا تھا، یک طرفہ بات سن کر سارے کا سارا الزام دلکشا کے سر ڈال رہا تھا اور صفائی کا موقع بھی نہیں دے رہا تھا، دلکشا کی حالت عجیب تھی، وہ کچھ کہتی مگر وہ سننے کو تیار نہ تھا اور اگر کوئی دوسرا قدم اٹھاتی تو نتیجہ کچھ بھی نکل سکتا تھا، کس قدر بے بس ولاچار تھی وہ آج کے دن کا انتظار کرتے کرتے، آنے والے خوشگوار دنوں کے خواب بنتے بنتے کتنی حسین سوچیں لے کر وہ آئی تھی۔

آج کی رات کو لے کر کتنے ارمان، کتنے خواب سجائے تھے...... نئی زندگی میں قدم رکھ کر عریش کی محبت بھری شوخ و شریر سرگوشیوں میں ایک ایک لمحہ کشید کرنے کا سوچ کر ہی وہ آپ ہی آپ شرما رہی تھی، کیسے کیسے سپنے ریت کے ذروں کی طرح بکھر گئے تھے۔ آنکھوں میں سجے حسین خوابوں کی کرچیاں اس کے وجود کو لہولہان کیے دے رہی تھیں۔

"بہت بڑے اور شاطر کھلاڑی ہو تم عریش وقار...... کتنی خوب صورتی سے تم نے یہ بازی کھیلی اور کس سفاکی سے تم نے پینترا بدل کر مجھے مات دے ڈالی، بہت بڑی مات دی ہے تم نے عریش وقار...... واقعی یہ تحفہ میری زندگی کا سب سے انوکھا تحفہ ہے۔" دلکشا نے آنکھوں کی پوروں

کوانگلی سے صاف کرتے ہوئے سوچا اور عریش کی طرف دیکھا۔ "یہ کیسی انہونی شروعات تھی، بھلا یوں بھی کسی کی سہاگ رات ہوتی ہوگی؟ کون دلہا ہوتا ہوگا جو دلہن کو ایسی سوغات منہ دکھائی میں دیتا ہوگا؟"

"یا اللہ یہ کیسی آزمائش ہے، کیسے رہ پاؤں گی، کس طرح سے جی پاؤں گی؟ اتنی تحقیر اور اتنی تذلیل کے بعد کس طرح سے اس شخص کے ساتھ گزارا کر پاؤں گی؟ سارے ارمان، ساری خواہشات، خواب، خیال سب کچھ ڈھے گئے...... یہاں تک آنے تک کتنی باتیں سوچ رکھی تھیں، ابھی تو ڈھیر ساری باتیں کرنی تھی، بہت کچھ کہنا اور سننا تھا لیکن سب کچھ ختم ہو چکا تھا...... لگتا تھا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سلب ہو چکی تھی، اب آگے کیا ہوگا؟" بہت بڑا، بے حد چبھتا ہوا زہریلا سوال ننگی تلوار کی طرح سر پر لٹک رہا تھا۔ ٹھنڈی سانس لے کر دلکشا نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا تھا۔

❁......❁......❁

"امی جی...... کیا ہو گیا ہے آپ کو، کیسی دقیانوسی باتیں کر رہی ہیں آج کے اس دور میں۔" دلکشا، سلمٰی بیگم کے سامنے بیٹھی ان کی بات پر حیران ہو کر پوچھ بیٹھی تھی۔

"دلکشا میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں بس کہہ دیا کہ تم آگے پرائیویٹ پڑھو گی بات ختم۔" سلمٰی بیگم نے قطعیت سے کہا۔

"مگر کیوں امی؟ میں اتنی قابل اسٹوڈنٹ ہوں، میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں اور یونیورسٹی جانا چاہتی ہوں، یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے، ابھی تو ابا جی سے بات بھی نہیں کی آپ نے پہلے سے روڑے ڈال رہی ہیں۔" دلکشا کی جھنجلاہٹ عروج پر تھی۔

"میں پڑھنے سے منع نہیں کر رہی، بس تمہیں یونیورسٹی بھیجنے کی مخالف ہوں، تم نہیں جانتیں تمہارے ابا اور خاص طور پر تمہاری پھوپو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے، اسی لیے میں آگے تک بات پہنچانے سے منع کر رہی ہوں اور تمہیں سمجھا رہی ہوں۔" سلمٰی بیگم نے اس بار نرم انداز میں کہا ان کے لہجے میں نہ جانے کیا تھا کہ دلکشا چونکی۔

"پھوپو کون ہوتی ہیں منع کرنے والی اور ابا کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے امی...... کیا انہیں مجھ پر اعتماد نہیں، میں نے کبھی کوئی شکایت کا موقع دیا ہے کیا؟" دلکشا نے پوچھا۔

"نہیں بیٹی، ایسی کوئی بات نہیں...... بس ماضی کا ایک تلخ تجربہ ہے، جس کی وجہ سے تمہاری پھوپو اور ابا نے بہت کچھ جھیلا ہے، کچھ تلخ یا کچھ پرانے درد ہیں جس سے اٹھتی ہوئی ٹیسیں آج بھی تکلیف دیتی ہیں، میں نہیں چاہتی کہ تم ایک بار پھر پرانے زخموں کو کرید دو...... تمہاری وجہ سے ایک بار پھر پرانے درد انگڑائی لے کر جاگ جائیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنی تعلیم پرائیویٹ کر لو۔" سلمٰی کی باتوں سے دلکشا الجھ گئی، کیسی بے سروپا اور بے تکی سی باتیں تھیں۔

"امی پلیز مجھے پہیلیوں میں الجھائیں نہیں...... صاف صاف بات کریں اور آپ جانتی ہیں کہ میں جو پڑھنا چاہتی ہوں وہ پرائیویٹ ممکن نہیں۔" دلکشا جھنجلا کر بولی۔ تب ہی اجمل صاحب بھی آ گئے۔

"السلام علیکم ابا جی۔" ان کو اچانک سے سامنے دیکھ کر ماں بیٹی گھبرا گئیں۔ دلکشا نے حسب عادت سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیا ہوا بھئی؟ لگتا ہے ماں بیٹی کسی گمبھیر مسئلے میں الجھی ہوئی ہیں، خیر تو ہے ناں۔" انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہ...... نہیں...... ایسا خاص مسئلہ نہیں، بس گھر کی ہی باتیں تھیں...... آپ چائے پئیں گے؟" سلمٰی بیگم نے جلدی سے بات بنائی۔

"نہیں بیگم چائے کا موڈ نہیں ہے۔" اجمل صاحب نے کہا اور دلکشا کی طرف دیکھا۔

"کیوں...... کیا ہوا؟" اجمل صاحب نے حیرانی سے پہلے بیگم اور پھر بیٹی کی جانب دیکھا۔

"ابا جی میں نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن کی بات کی تو امی نے سختی سے منع کر دیا جبکہ یہ جانتی ہیں کہ میری پڑھائی ریگولر ہی ہوگی پرائیویٹ نہیں۔" اجمل صاحب ایک لمحے

کے لیے چونکے۔
"تو اپنے سبجیکٹ چینج کرلو، یہ تو ممکن ہے ناں؟" انہوں نے سنبھل کر دھیمے لہجے میں کہا۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔
"ابا جی پلیز...... یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ جانتے ہیں ناں پڑھائی اور سائنس میرا جنون ہے اور......"
"چپ کرو دلکشا...... ابھی میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا۔" اجمل صاحب کا لہجہ یکلخت بدلا تھا۔ چہرے پر کرختگی آ گئی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر کی طرف چلے گئے۔ سلمیٰ بیگم نے غصے سے دلکشا کی جانب دیکھا۔
"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا...... کہا بھی تھا کہ بات مت کرنا پھر بھی تم نے اپنی بکواس کر ڈالی اب رات تک تمہارے ابا بھی چپ رہیں گے، جس چیز کے بارے میں پتا نہیں تو کم از کم میرے کہنے پر تو مان لینا چاہیے۔" سلمیٰ بیگم نے اٹھتے ہوئے غصے سے دلکشا کو کھری کھری سنائی اور باہر کی جانب جانے لگیں۔
"امی جی...... وہی تو، جس چیز کا مجھے نہیں پتا، وہ مجھے بتائیں ناں...... آخر کیا وجہ، کیا مسئلہ ہے، ایسی کون سی تلخ داستان ہے؟ ایسا کون سا تلخ واقعہ ہے کہ آج کے دور میں اس ترقی یافتہ دور میں جبکہ لڑکیاں چاند تک پہنچ گئی، جہاز اڑا رہی ہیں...... محض اس بات کو ایشو بنالیا گیا کہ لڑکی یونیورسٹی میں نہ پڑھے...... امی جی مجھے بتائیے آخر وجہ کیا ہے، اس سارے معاملے میں پھوپو کا کیا ذکر ہے، ابا جی کیوں نالاں ہیں، آخر کیا وجہ ہے؟" دلکشا نے ماں کا ہاتھ تھام کر عاجزانہ لہجے میں پوچھا تھا۔ اس کے چہرے پر تجسس تھا، اس کی آنکھوں میں بے شمار سوالات مچل رہے تھے۔ سلمیٰ بیگم نے زخمی نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا اور دوبارہ کرسی پر ٹک گئیں، دلکشا بھی ان کے پاس آ بیٹھی، کچھ دیر سلمیٰ بیگم خاموش رہیں انہیں لگا تھا اب وقت آ گیا ہے کہ دلکشا کو سب کچھ بتادیا جائے۔
"دلکشا...... تمہاری ایک پھوپو نہیں ہیں بلکہ تمہاری شمسہ پھوپو سے بڑی ایک اور بہن تھیں، رابعہ پھوپو جو سب سے بڑی تھیں۔"
"ہیں......! ایک اور پھوپو مگر وہ کہاں ہیں، کہاں رہتی ہیں اور ہمارے گھر کیوں نہیں آتیں؟" یہ خبر دلکشا کے لیے غیر یقینی تھی، اس لیے وہ حیرانی سے سوال کررہی تھی۔
"پتا نہیں کہاں ہیں، کس حال میں ہیں، کس شہر میں ہیں؟ کسی کو بھی اس کا علم نہیں، رابعہ آپا تمہاری دادی کی شادی کے پانچ سال بعد پیدا ہوئی تھیں اور بہت خوب صورت و نازک سی تھیں، تمہارے دادا، دادی نے ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا...... سب لوگ ہی ان کو بہت پیار کرتے، ان کے لاڈ اٹھاتے، ان کی ہر جائز ناجائز خواہش اور ضد پوری کرتے...... بچپن سے ہی ضدی تھیں، ان کو اپنی مرضی چلانے کی عادت ہوگئی تھی، انہوں نے جو چاہا تمہارے دادا، دادی نے ان کے سامنے لاکر رکھ دیا، پڑھائی شروع کی تو دنیا جہاں کی قیمتی سے قیمتی چیزیں لاکر دیتے حالانکہ اس دوران تمہارے ابا جی اور شمسہ پھوپو بھی پیدا ہوگئے تھے لیکن رابعہ آپا کی اب بھی اتنی ہی اہمیت تھی، اس طرح اپنی مرضی سے ہر کام کرتیں، کپڑے خریدنا، سلوانا، جیولری سے لے کر گھر کی آرائش و زیبائش ہر بات، ہر کام ان کی پسند اور مرضی کے مطابق ہی ہوتا، گھر میں آنے والی کوئی بھی چیز پہلے وہ پسند کرتیں پھر باقی لوگ...... ان کو پڑھنے کا بھی شوق تھا، انٹر کرنے کے بعد انہوں نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اس عرصے میں تمہارے دادا کے بھائی کے یہاں سے رشتہ آ گیا، جب رشتے بھی خاندان میں طے ہوتے تھے اس لیے اماں، ابا نے رشتہ طے کردیا...... تب رابعہ آپا نے واویلا کیا کہ مجھے شادی نہیں کرنی، مجھے اپنے کلاس فیلو ندیم سے شادی کرنی ہے...... اماں نے بہت سمجھایا کہ بات ابا تک نہ پہنچے اور اپنے طور پر سختی بھی کی لیکن وہ تو آپے سے باہر ہوگئیں، جب ان کو یہ کہا گیا کہ تمہارا رشتہ خاندان میں ہوگا تو انہوں نے اپنی پڑھائی کو آڑ بنا کر طرح طرح کی دلیلیں دیں کہ میں پڑھی لکھی روشن خیال لڑکی ہوں مجھے آپ زبردستی سے مجبور نہیں کرسکتے...... مجھے اپنے اچھے برے کی خوب تمیز ہے، میں اپنے لیے بہتر

ایسی حقیقت کی داستان جو سورج کی روشنی میں
ہمیں کہیں دیکھائی نہیں دیتی لیکن بدرجہ اتم موجود ہے
اس طاقت کی روداد جو آج کے دور میں اپنا آپ منوا چکی ہے
شب کی تاریکی میں، پردوں کے پیچھے جگ مگ کرتی روشنیوں کی داستان
مصنفہ
صائمہ قریشی
اس شیطان کی گمراہی کے قصے جہاں وہ پوری طاقت کے ساتھ موجود ہوتا ہے
خواتین کی خودمختاری کے نام سے چلائی گئی تحریک نے
عورت کو کہاں پہنچایا عورت کی طاقت کی سرگزشت
شب کی تاریکی میں اپنی طاقت کی چکاچوند روشنی سے گمراہیوں کی دلدل
میں اپنے نام کی للکار پر مدہوشی میں سرمست من چلوں کی داستان
ہرایک کردار اپنے نام کی روشنی سے شب کی تاریکیوں کو کیسے سنور کر رہا ہے جاننے کے لیے
پڑھیے نامور مصنفہ صائمہ قریشی کے قلم سے لکھا گیا ایک سحر انگیز شاہکار ناول
ماہنامہ نئے اُفق
کے صفحات پر بہت جلد ملاحظہ کرنا نہ بھولیں
www.naeyufaq.com. Email:editorufaq@naeyufaq.com

فیصلہ کرسکتی ہوں...... پیار سے، غصے سے ہر طرح سے سمجھایا لیکن وہ اپنی بات پر اڑی رہیں، آخر میں ابا نے ان کو یونیورسٹی جانے پر پابندی لگادی تھی، وہ بڑی چالاک اور تیز تھیں، انہوں نے گھر میں رہتے ہوئے بھی نہ جانے کس طرح گھر کے فون سے اس لڑکے سے رابطہ کیا، بظاہر وہ خاموش تھیں، وہ گھر والوں سے بات بھی نہیں کرتی تھیں، کمرے سے بھی بہت کم باہر نکلتیں لیکن بمشکل دس بارہ دن ہی وہ اس طرح قید میں رہیں...... اب گھر والے مطمئن ہوگئے کہ شاید وہ ہار مان بیٹھی ہیں لیکن ان کے انداز کیا سازش اور منصوبہ پل رہا تھا اس سے سب بے خبر تھے۔ اس روز شاید جمعہ کا دن تھا حسب معمول تمہارے ابا، دادا اور دادی نماز کے لیے اٹھے شمسہ اور رابعہ کو جگانے جب ان کے کمرے میں تمہاری دادی گئیں تو وہاں پر صرف شمسہ بستر پر تھی رابعہ کا بستر خالی تھا، وہ گھبرا کر شمسہ کو جھنجوڑ نے لگیں...... شمسہ...... شمسہ یہ رابعہ کہاں ہے؟"

"اماں باتھ روم میں ہوں گی۔" شمسہ نے نیند سے بوجھل آواز میں جواب دیا۔

"نہیں...... نہیں ہے وہاں بھی...... ابھی تو میں وضو کر کے آئی ہوں، ہائے اللہ۔" انہوں نے سینے پر ہاتھ مارا، نہ جانے کیوں ان کے دل میں اچانک ہی درد اٹھا۔

"کیا؟" شمسہ بھی تیزی سے چادر پھینک کر کھڑی ہوئی اور جلدی سے لائٹ آن کی۔

"آواز سن کر ابا، تمہارے ابا جی بھی کمرے کی طرف آئے...... سامنے ہی میز پر پیپر ویٹ کے نیچے ایک خط رکھا تھا۔"

"ابا جی، اماں جی...... میں کوئی گائے، بکری نہیں ہوں کہ آپ کے اشاروں پر چلوں، میری اپنی زندگی ہے جو مجھے اپنے طور سے گزارنے کا پورا پورا حق ہے...... آپ لوگوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی میں نے لیکن آپ لوگوں کی ضد نے مجھے مجبور کردیا، ندیم اور میں دو سال سے ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور میں ندیم کے بغیر نہیں رہ سکتی اس لیے مجبوراً یہ قدم اٹھانا پڑ رہا ہے براہ مہربانی مجھے تلاش کرنے کی یا پیچھے آنے کی کوشش مت کیجیے گا، اپنی مرضی سے جارہی ہوں اس لیے آپ لوگ چاہ کر بھی مجھے واپس نہیں لاسکتے...... میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا پھر بھی اگر آپ لوگ چاہیں تو مجھے معاف کردیں۔

"رابعہ"

"اماں...... اماں...... رابعہ آپا...... گھر سے بھاگ گئیں...... اماں وہ رات کو نکل گئیں۔" شمسہ ہزیانی انداز میں چیخ کر اماں کی طرف بڑھیں۔

"ہائے میرے مولا...... یہ...... یہ کیا غضب کردیا کلموہی نے...... ہائے میں مرگئی۔" اماں دم سادھے شمسہ کی زبانی پہلے ہی خط سن چکی تھیں وہ ویسے بھی یہ سن کر حواس باختہ ہورہی تھیں۔

"ہائے ربا...... اجمل کے ابا ہم برباد ہوگئے، ارے جاؤ دیکھو کوئی...... پولیس میں جاؤ۔" اماں باقاعدہ بین کررہی تھیں، سینے پر ہتھڑ مارتے ہوئے کمرے سے باہر کی جانب لپکیں عین اسی وقت اجمل اور ابا جی بھی کمرے میں داخل ہوئے اندر سے آتی ہوئی واضح آوازیں شمسہ کی خوف زدہ آواز بیوی کا روتے ہوئے بین کرنا، وہ ایک لمحے میں سب کچھ سمجھ چکے تھے۔

"یہ...... یہ کیا کردیا، اتنی نابجار تو نہ تھی وہ...... ہمارا خون ہے وہ مگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے...... اف یہ کیسا امتحان ہے میرے مولا۔"

"ام جمل......" ابا نے پوری قوت سے آواز دی، اجمل کا خون پہلے ہی بے تحاشا کھول رہا تھا، ان کی کنپٹیاں سلگ رہی تھیں۔

"اس ناخلف کو کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالو اور فوراً گولی ماردو، ہماری غیرت کا یہی تقاضا ہے، اس منحوس کا وجود مٹا ڈالو۔" کہتے ہوئے ابا کی آواز رندھ گئی، ان کا سانس ٹوٹنے لگا وہ لڑکھڑائے...... بمشکل خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کی۔ شمسہ، اماں اور اجمل تیزی سے ان کی جانب دوڑے، ابا دل پر ہاتھ رکھے ایک جانب جھکتے چلے گئے۔ اجمل نے ان کو سہارا دے کر بیڈ پر لٹایا ان کے ہاتھ پیر اکڑنے لگے،

آنکھیں اوپر کو چڑھنے لگیں، بدن پسینے سے شرابور ہوگیا تھا۔

"ابا..... اباجی..... کیا ہوگیا آپ کو؟" شمسہ پاگلوں کی طرح ان کے ہاتھ کی ہتھیلی سہلاتے ہوئے چلائی، اماں زور زور سے پیٹھ رگڑنے لگیں۔ اجمل بدحواسی میں باہر کی جانب بھاگے تاکہ سواری کا بندوبست کیا جاسکے، ساتھ ہی گلی میں رہنے والے چچا اکبر کے دروازے کی گھنٹی زور زور سے بجائی اور ان کی گاڑی میں اباجی کو ہسپتال لے کر بھاگے، جاتے ہوئے اباجی مکمل طور پر بے ہوش ہوکر ہاتھوں میں آچکے تھے گھر میں شمسہ اور اماں کے پاس چاچی اور ان کی بیٹیاں آگئی تھیں، اباجی ہاسپٹل تک بھی نہ پہنچ پائے تھے کہ دل نے دھڑکنا بند کردیا تھا، اجمل دیوانوں کی طرح باپ کو جھنجوڑ رہے تھے مگر لمحوں میں سب کچھ ختم ہوگیا تھا..... ہنستا، بستا گھرانہ پل بھر میں اجڑ چکا تھا جب ایمبولینس کے ذریعے اباجی کی ڈیڈ باڈی اجمل گھر لے کر آئے تو گھر میں قیامت صغریٰ کا منظر تھا..... بات چھپائی بھی نہیں جاسکتی تھی، رشتے دار جمع ہونا شروع ہوئے، رابعہ کے گھر سے بھاگنے اور پھر اباجی کی موت نے رشتے داروں کے منہ میں گز گز بھر کی زبانیں بھی ڈال دی تھیں۔ نہ جانے کیسے شقی القلب اور سفاک ہوتے ہیں وہ خونی رشتے جو کسی کی موت پر آکر بھی گھٹیا اور دل جلی باتیں کرتے ہیں۔ ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں، رابعہ کی غیر موجودگی، اباجی کی موت اور اماں کا جھکا ہوا سر..... اماں کا کمزور اور ناتواں وجود ریت کی بھربھری دیوار جیسا ہوگیا تھا، جس کے پیروں تلے بیٹی نے زمین کھینچ لی تو اب سر سے شوہر کا سایہ بھی اٹھ گیا تھا۔"

"اجمل..... اجمل یہ کیا ہوگیا، یہ اچانک سے ہمارے گھر کو آگ کیسے لگ گئی؟ اجمل تیرے ابا غیرت مند تھے، ان سے یہ بدنامی برداشت نہ ہوئی وہ تو چلے گئے اور میں..... میں..... کیوں بچ گئی، اس کمبخت نے ہمارا گھر اجاڑ دیا، کتنی بے رحم ہے وہ۔"

"اجمل کے گلے سے لگ کر جو زار وقطار روئیں تو اجمل بھی برداشت نہیں کرسکے تھا۔ ان کا دل چاہ رہا تھا کہ کہیں سے بھی رابعہ کو ڈھونڈ کر لائیں اور ابا کے جسد خاکی کے سامنے لاکر اس کو موت کے گھاٹ اتار دیں..... ایک وقت میں گھر سے دو دو جنازے نکل جائیں، شمسہ اس قدر گہرے صدمات سے دوچار ہونے کے باوجود اس وقت بھی..... لوگوں کی چبھتی ہوئی نظروں سے بچنے کی کوشش کررہی تھی۔"

"اللہ تم کو سمجھے آپا..... تم نے ہمیں کس عذاب میں ڈال دیا، تمہیں، بہن کہتے ہوئے شرم آرہی ہے، کاش اباجی کی جگہ تم سرجاتیں..... تم نے ہمارا سائبان چھین لیا، تم نے بہت برا کیا..... بہت برا۔"

"وہ دل ہی دل میں بہن کو کوسنے دے رہی تھی، ساتھ ہی باپ کی چارپائی کی پٹی سے سر ٹیکے مسلسل آنسو بہا رہی تھی..... وہ کربھی کیا سکتی تھی۔ تدفین ہوگئی اماں شدت غم سے نڈھال ہوکر بے ہوش ہوگئی تھیں، شمسہ نے بمشکل سنبھالا، رفتہ رفتہ رشتے دار، محلے والے بھی اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔"

"ہائے اسی لیے کہتے ہیں لڑکی کو زیادہ مت پڑھاؤ..... دیکھو تو کیسے چونا لگا گئی وہ۔" یہ رشتے کی ممانی تھیں۔

"ہاں بھئی..... یہ واحد لڑکی تھی کہ جس نے اتنا پڑھا تھا..... کیسے بات کرتی تھی، ٹھیک کہہ رہی ہو شگو آپا ہمارے زمانے کی لڑکیاں اچھی تھیں بس اب بہت پڑھ لیا اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرلی۔" یہ شگو آپا کی نند تھیں۔

"دیکھتی نہیں تھیں، کیسے فیشن کے کپڑے پہنتی تھی، یہ بڑی بڑی ہیل کی جوتیاں، کیسے ٹھک ٹھک کر پڑھنے جاتی تھی۔"

"ہائے بچی میں نے خود دیکھا تھا ایک بار لمبی ساری بس میں لڑکے لڑکیاں سارے اکھٹے سفر کررہے تھے..... توبہ توبہ دیدوں کا پانی مرگیا تھا۔ بے غیرت نہ ہوتو۔" یہ تائی اماں کی زبان بھی ساتھ ہی چچی کا لقمہ بھی۔

"اف۔" شمسہ نے ساری باتیں، ساری سرگوشیاں اپنے کانوں سے سنی تھیں، اس کا کلیجہ کٹ رہا تھا..... ایسے

کڑے وقت میں، ان لوگوں کو اپنوں کی ہمدردی کی ضرورت تھی مگر وہ زخموں پر نمک پاشی کر رہے تھے۔

"اجمل کا خون کھول رہا تھا...... اباجی نے ساری زندگی اچھی طرح سے گزاری تھی...... خاندان تو خاندان اہل محلہ بھی اس خاندان کی شرافت اور عظمت کے معترف تھے، اس خاندان کی مثالیں دی جاتی تھیں، ایک رابعہ کے غلط قدم نے برسہا برس کی عزت، تکریم، مان سب کچھ خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا...... ایک تو گھٹیا اور غلیظ حرکت اور پھر اباجی کی موت؟ اباجی نیک، شریف، پانچ وقت کے نمازی اور مومن آدمی تھے اتنی بڑی بدنامی، اتنی تذلیل، اتنی تحقیر، ناقابل برداشت تھی...... برسوں سے بنائی ہوئی ساکھ ایک لمحے میں خاک ہوگئی تھی، بھلا کیسے برداشت ہوتا، کس طرح سے دنیا کا سامنا کرتے، کیسے لوگوں کی حقیر نظروں کو، ان کے طرح طرح کے زہریلے نشتر لگاتے سوالوں کا جواب دیتے...... کیسے کہتے کہ میری بیٹی گھر سے بھاگ گئی...... یااللہ۔" اجمل نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جکڑ لیے...... شدت جذبات سے ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں، ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"یہ سب کیا ہوگیا تھا؟ رابعہ آپا...... میں تمہیں پاتال سے بھی کھینچ لاؤں گا۔" وہ آپ ہی آپ بڑبڑائے۔

ابھی تو ابا کا کفن تک میلا نہ ہوا کہ ادھر رشتے داروں کی طرف سے سوشل بائیکاٹ کا اعلان ہوگیا، ایک تو اباجی کے انتقال کا بڑا صدمہ اور اوپر سے رشتے داروں کی بے اعتنائی اور بے مروتی حد سے بڑھی تو شمسہ اور اجمل کے طے شدہ رشتے بھی ختم کر دیئے گئے...... اماں کا رو رو کر برا حال ہوگیا...... ایک منحوس بیٹی کے انتہائی قدم نے یکے بعد دیگرے صدمے دیئے تھے...... ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ تینوں چھوت کے مریض ہوں، اتنے قابل نفرت اور حقیر بن کر رہ گئے تھے وہ لوگ...... اجمل رابعہ کی تلاش میں سرگرداں پھرتا رہتا...... شمسہ پڑھائی چھوڑ کر گھر بیٹھ گئی تھی، زندگی بوجھ بن کر رہ گئی تھی، کبھی کبھی اماں تکلیف سے گھبرا کر رو رو کر موت کی دعائیں مانگنے لگتیں، ایسے میں صرف ایک دور پرے کی خالہ ہی تھیں جو سب کی خبر گیری کر لیتیں...... ورد جب حد سے بڑھنے لگا تو اجمل نے گھر اور محلہ چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ رابعہ سے نفرت بڑھتی جا رہی تھی...... خاصی دور گھر خرید کر وہ لوگ وہاں شفٹ ہوگئے، کم از کم یہاں کے لوگ ان کے ماضی سے تو واقف نہ تھے، اماں کی صحت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی...... ایسے میں خالہ اپنے جاننے والوں کی توسط سے اجمل کے لیے سلمیٰ بیگم کا رشتہ لے آئیں...... سلمیٰ بیگم کے والدین نہیں تھے...... وہ چاچا کے گھر رہتی تھیں، چاچا، چاچی کے لیے بوجھ اور غیر اہم تھیں اس لیے فوری شادی طے کر دی گئی، خالہ جانتی تھیں کہ اس گھر کو سلمیٰ جیسی عورت کی ضرورت ہے سو سادگی سے شادی ہوگئی...... سلمیٰ بیگم انتہائی محبت کرنے والی، پرخلوص اور نیک خاتون تھیں انہوں نے بہت جلد شمسہ اور اماں کے ساتھ ساتھ اجمل کو بھی سنبھال لیا تھا...... ان کے حسن سلوک اور پیار سے شمسہ بھی زندگی کی طرف آنے لگی اور اماں بھی مطمئن ہوگئیں مگر شادی کے ایک ماہ بعد ہی ایک رات جو سوئیں تو صبح اٹھ نہیں پائیں اور اپنے ابدی سفر پر روانہ ہوگئیں، پچھلے دنوں خالہ بھی چل بسیں اور اب اماں نے بھی آنکھیں موند لیں...... ایک بار پھر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا...... ایسے میں سلمیٰ بیگم نے میاں اور نند کا غم غلط کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

کہتے ہیں وقت، بہت بڑا مرہم ہے، زخم چاہے کتنا گہرا ہی کیوں نہ ہو وقت کے ساتھ صبر آ ہی جاتا ہے، سلمیٰ بیگم کو اب شمسہ کی شادی کی فکر لگ گئی تھی...... بہت جلد ہی شعیب کا رشتہ آ گیا، شعیب اچھی فیملی کا سمجھدار اور شریف لڑکا تھا، سلمیٰ بیگم نے سلیقے سے شمسہ کے جہیز کی تیاری شروع کر دی۔ اجمل سرکاری آفس میں کام کرتے تھے، مناسب آمدنی تھی، سلمیٰ بیگم کا سلیقہ اور سگھڑاپا تھا کہ انہوں نے بہت کم وقت میں شادی کی اچھی خاصی تیاری کر لی تھی...... جس دن شمسہ رخصت ہوئی اس روز اجمل اور سلمیٰ بیگم نے شکرانے کے نفل ادا کیے کہ اللہ پاک نے اچھے طریقے سے اور عزت کے ساتھ اتنا بڑا کام کروا دیا...... ابا

اور اماں کی نشانی کو بھلے ہاتھوں میں سونپ کر بہت مطمئن تھے کہ آج اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے تھے۔

"دن ماہ و سال میں بدلتے گئے اجمل رابعہ کو تلاش کرتے کرتے تھک کر بیٹھ گئے لیکن اتنا ضرور ہوا کہ وہ اور شمسہ یونیورسٹی کے نام سے بدک گئے تھے...... اتنے سال گزر جانے کے باوجود اجمل صاحب آج بھی اس موضوع پر غصے سے بل کھانے لگتے، کبھی کبھی تو کئی دن تک چپ ہو جاتے، زخم بڑا کاری تھا اور اس زخم سے گاہے بگاہے ٹیسیں اٹھتی......" سلمیٰ بیگم کہتے ہوئے ایک لمحے کو رکیں...... دلکشا پوری توجہ اور انہماک سے سن رہی تھی، ماں کی خاموشی پر چونکی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"امی جی، اباجی بیچارے کتنے دکھی ہیں...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اباجی کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے نہ آپ نے کبھی بتایا لیکن امی، یہ بات بھی ضروری نہیں کہ یونیورسٹی میں پڑھنے والی ہر لڑکی رابعہ پھوپو جیسی ہو...... ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں لڑکیاں اب تک یونیورسٹیز میں پڑھ چکی ہیں ان میں سے چند ایک لڑکیاں ایسی ہوں گی...... یا وہ لڑکیاں بھی تو ایسی حرکتیں کر سکتی ہیں جو ان پڑھ ہوں یا جو معمولی تعلیم یافتہ ہوں...... بے شک اباجی، دادا اور دادی اماں کے ساتھ بہت برا ہوا لیکن میرے خیال میں تعلیم یا کوایجوکیشن میں پڑھنے کو ہی برا سمجھنا، معیوب اور قابل اعتراض ماننا، یہ بات بھی درست نہیں، تعلیم تو عقل، شعور اور زندگی کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ ہر لڑکی رابعہ پھوپو جیسی نہیں ہوتی امی۔"

"بے شک...... یہ بات تمہارے اباجی بھی جانتے ہیں لیکن بس نہ جانے کیوں اس قدر تلخ تجربے کے بعد ان کے دل میں خوف بیٹھ گیا ہے، تعلیم کے خلاف وہ بھی نہیں ہیں مگر وہ جن حالات سے گزرے ہیں جس طرح سے اچانک یتیمی اور گھر کا بوجھ آپڑا...... اس پر لوگوں کی باتیں، سب کے منفی رویے، رشتے داروں سے دوری اور اکیلاپن...... یہ سب کو لے کر ان کے ذہن میں بس ایک ہی بات ہے یا ان کے لاشعور میں کوئی خوف، اندیشہ اور ڈر بیٹھ گیا ہے کہ وہ اس طرح ذکر پر اس قدر جذباتی ہو جاتے ہیں، یہ قدرتی طور پر ہو جاتا ہے شاید ان کی کیفیت وہ خود ہی سمجھ سکتے ہیں...... جس پر گزرتی ہے، وہی دکھ کی اذیت کو سمجھ سکتا ہے دلکشا۔" سلمیٰ بیگم کی آواز رندھ گئی تھی۔

"جی امی...... شاید آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔" دلکشا نے سر ہلا کر کہا اس کی آنکھیں بدستور نم تھیں، وہ دل سے باپ کا دکھ محسوس کر رہی تھی، اجمل صاحب اس وقت گھر سے باہر چلے گئے تھے، ویسے بھی نماز کا وقت ہو رہا تھا یقیناً نماز پڑھ کر ہی واپس آتے، دلکشا کے دل پر عجیب سا بوجھ آپڑا تھا...... ماں کی زبانی سب کچھ سن کر اسے دھچکا لگا تھا، وہ تو آج تک یہی سمجھتی تھی کہ اس کی صرف ایک ہی پھوپو ہیں اور دادا، دادی کی وفات کے بارے میں بھی علم نہ تھا کہ دادا جی کس حالت میں فوت ہوئے اور صدمے سے ان کو اٹیک آیا یا دادی نے کیسا روگ پال لیا تھا کہ روگ برداشت کرتے کرتے وہ بھی چپکے سے دادا جی کے پاس چلی گئی تھیں۔

اجمل صاحب آ گئے اور وہیں صحن میں رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئے تھے، بالکل گم صم اور چپ چپ تھے، سلمیٰ بیگم ابھی کمرے میں ہی تھیں دلکشا، اجمل صاحب کے پاس آئی وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔ دلکشا ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گئی اور اپنے دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔

"اباجی......" انہوں نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

"آئی ایم سوری اباجی...... مجھے معاف کر دیں، مجھے پتا نہیں تھا کہ میرے اباجی کتنے دکھی ہیں، انہوں نے کیسی اذیت برداشت کی ہے، میں تو تمام حالات سے ناواقف تھی گو کہ پڑھائی میرا جنون ہے لیکن اباجی آپ کے خلاف جا کر، آپ کے جذبات کو پس پشت ڈال کر میں کوئی بھی کام نہیں کروں گی...... اباجی پلیز مجھے آگے نہیں پڑھنا اگر پڑھوں گی بھی تو پرائیویٹ ڈگری لوں گی، اپنے سبجیکٹ چینج کر لوں گی مگر آپ کو یوں چپ چاپ اور رنجیدہ نہیں دیکھ سکتی، آپ کی خوشی اور آپ کی مرضی کے

مطابق آپ کی اجازت سے ہر کام کروں گی، مجھے آپ کی مسکراہٹ عزیز ہے، آپ بالکل ریلیکس ہوجائیں کیونکہ آپ کو اس طرح دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہورہی ہے کہ میری بات سے آپ کے زخم تازہ ہوگئے، میں آیندہ یونیورسٹی کا نام تک نہیں لوں گی۔" دلکشا کہتے ہوئے رونے لگی تھی...... اجمل صاحب جو حیرانی سے اس کی باتیں سن رہے تھے، ان کو اپنی معصوم سی بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آ گیا، اس کی باتیں سن کر اجمل صاحب حیران رہ گئے تھے۔

"دلکشا...... میری بچی۔" انہوں نے دلکشا کو کاندھے سے پکڑ کر اٹھایا اور سینے سے لگالیا تھا۔

"دلکشا تم یونیورسٹی جاؤ گی، اپنی مرضی اور پسند کی پڑھائی کرو گی، مجھے تم پر بھروسا ہے بیٹی...... میری بیٹی تم کو رشتوں کا احترام کرنا آتا ہے...... تم دوسروں کی خوشی میں خوش رہنے والی اپنی خواہشات کو پس پشت ڈال کر رشتوں کے تقدس کا بھرم رکھنا جانتی ہو...... تم میرا فخر، میرا مان اور میرا بھروسا ہو، میں بخوشی اجازت دیتا ہوں، مجھے اعتماد ہے تم پر، یقین ہے کہ تم میرے اعتماد کو کبھی بھی ٹھیس نہیں پہنچاؤ گی۔" دلکشا بالکل بھی اس سچویشن کے لیے تیار نہ تھی، باپ کے منہ سے سن کر وہ حیرت و مسرت سے تیزی سے الگ ہوئی اور غیر یقینی انداز میں اجمل صاحب کو دیکھا۔

"ہاں۔" اجمل صاحب نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"تھینک یو...... تھینک یو سو مچ ابا جی...... آئی لو یو ابا جی۔" وہ بچوں کی طرح خوش ہورہی تھی...... سلمٰی بیگم بھی کچھ دیر پہلے وہاں آ گئی تھیں۔

"امی...... امی جی، ابا جی نے اجازت دے دی ہے...... ابا جی مان گئے ہیں۔" وہ بھاگتی ہوئی گئی اور ماں سے لپٹ گئی، سلمٰی بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اجمل صاحب نم آنکھوں سے دلکشا کو بچوں کی طرح خوش ہوتا دیکھ رہے تھے۔ ان کو یوں محسوس ہورہا تھا کہ آج وہ دوبارہ سے جی اٹھے ہیں، نئی امید، حوصلے اور اعتماد کے ساتھ ان کے سامنے ان کی بیٹی تھی جس پر ایک لمحے میں ہی ڈھیروں اعتماد کر بیٹھے تھے...... یہ فیصلہ کر کے اجمل صاحب کو لگا جیسے ان کے کاندھے سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔

❁...❁...❁

سلمٰی بیگم کے لمبے چوڑے لیکچر کے بعد دلکشا نے یونیورسٹی میں قدم رکھا تھا۔

"دلکشا تمہارے ابا جی نے تم پر مکمل اعتماد کر کے جو فیصلہ کیا ہے تم ہر صورت میں اس اعتماد، بھروسے اور اعتبار کا مان رکھنا، تمہارا مقصد صرف اور صرف پڑھائی ہے تو تمہارا سارا رجحان صرف پڑھائی پر ہی ہونا چاہیے۔"

"اف امی آپ اتنا پریشان ہورہی ہیں جیسے کہ میں کسی محاذ پر جارہی ہوں، امی مجھے ابا جی اور آپ کی عزت اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے...... آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں کیا؟"

"نہیں، بیٹی، مجھے تم پر پورا پورا بھروسا ہے لیکن بس ماں ہوں ناں اس لیے سمجھا رہی ہوں۔" سلمٰی بیگم اس کے سوال پر گڑبڑا کر جلدی سے بولیں۔

"میری پیاری امی۔" دلکشا نے آگے بڑھ کر ماں کی پیشانی چوم لی تو سلمٰی بیگم مسکرا دیں۔

دلکشا اپنے پلو میں ڈھیر ساری نصیحتیں لے کر ایسے یونیورسٹی پہنچی کہ جیسے واقعی کسی محاذ پر جارہی ہو لیکن واقعی اسے چند دن میں اندازہ ہوگیا تھا کہ یہاں کا ماحول بہت حد تک ایڈوانس تھا، لڑکے اور لڑکیوں کی دوستی عام بات تھی مگر اس کا پورا دھیان صرف پڑھائی پر ہوتا۔ وہ پابندی سے کلاس لیتی، کسی سے غیر ضروری تو کیا ضروری بات بھی نہیں کرتی، دیکھنے میں معصوم اور خوب صورت تھی ابتدا میں کچھ لڑکوں نے بھی بات کرنے کی کوشش کی لیکن پھر دلکشا کی بیزاری، سرد مہری کی وجہ سے اول فول بکتے وہ خود ہی دور ہوگئے تھے۔ دلکشا کو کسی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ پروفیسروں کی نظر میں وہ قابل اور محنتی لڑکی تھی بس اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا یہی اس کا مقصد تھا۔ اس کے بارے میں کون کیسی رائے قائم کرتا ہے یا اس سے کیسی کیسی الٹی سیدھی کہانیاں منسوب کرتا ہے۔ اسے ان باتوں سے کوئی

دلچسپی نہ تھی۔

ایک عبیرہ تھی وہ بھی دلکشا جیسی مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا مقصد بھی پڑھائی ہی تھا پھر اس کا کزن جو کہ منگیتر بھی تھا وہ بھی یونیورسٹی میں ہی دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں تھا...... پوری کلاس میں ایک عبیرہ تھی جو دلکشا کو اچھی لگی تھی، اس سے سلام دعا خود سے کر لیتی، وہ مسکرا کر حال چال پوچھ لیتی پھر عبیرہ سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی لیکن کبھی بھی دونوں نے کوئی پیریڈ مس نہیں کیا۔ ٹائم ہوتا دونوں کیفے ٹیریا میں آ جاتیں۔ یونیورسٹی کے لان میں بیٹھ کر باتیں کر لیتیں، کبھی آپس کی باتیں تو کبھی پڑھائی کے بارے میں ڈسکس ہوتی۔ دلکشا ہر سمسٹر میں نمایاں کامیابی حاصل کرتی، اب کچھ لڑکیاں اس سے جلنے بھی لگی تھیں مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ عبیرہ کے منگیتر فواد سے وقتاً فوقتاً اپنے بارے میں خبریں ملتی رہتی تھیں۔ دلکشا سنتی ضرور مگر کوئی خاص ری ایکٹ نہیں کرتی، ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا۔ اجمل صاحب اور سلمیٰ بیگم بھی مطمئن تھے ان لوگوں کی مختصر سی دنیا تھی، شمسہ آ جاتی تو اس کی دو بیٹیاں نمرئی اور اسریٰ کے ساتھ مل کر دلکشا نئی نئی ڈشز پکاتی، شمسہ بھی دلکشا کو بہت پیار کرتی تھی...... شمسہ کے شوہر شعیب بھی اچھے تھے، یہ لوگ آ جاتے تو خوب رونق لگ جاتی، کبھی اجمل صاحب بیوی اور بیٹی کو لے کر ان کے ہاں چلے جاتے۔ عید، بقرعید اور دیگر تہوار بھی دونوں فیملیز مل کر اچھی طرح انجوائے کرتے، زندگی بڑی پرسکون اور مطمئن تھی، اجمل صاحب ریٹائر ہو گئے تھے۔ گورنمنٹ ادارہ تھا اس لیے اچھی خاصی گریجویٹی اور فنڈ ملا تھا۔ جس کو مناسب جگہ لگا دیا تھا تا کہ دلکشا کی شادی کے وقت رقم کام آ سکے۔ گھر اپنا تھا، پینشن ملنے والی تھی، مستقبل کی طرف سے الحمدللہ کوئی فکر یا ٹینشن نہیں تھی۔ اس روز اجمل صاحب بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ چھٹی کا دن تھا، شمسہ کی فیملی کی دعوت تھی۔

"ارے بھائی، ابھی چار دن پہلے تو آپ کے یہاں سے ہو کر آئے ہیں، ہم لوگ یہ اچانک دعوت کس خوشی میں؟ کہیں دلکشا کی منگنی کی خوشخبری تو نہیں ہے۔" شمسہ نے کال کے جواب میں کہا۔

"ارے نہیں بھئی ایسا کچھ نہیں ہے...... ایسے منگنی کیسے ہو گی بھلا جب تک تم لوگ رشتے سے مطمئن نہیں ہو جاتے فائنل تھوڑی کروں گا میں۔" اجمل صاحب نے پیار سے کہا تو شمسہ مسکرا دی۔

"ہاں یہ بات تو ہے...... چلیں پھر آتے ہیں ان شاء اللہ۔"

"او کے اللہ حافظ۔" اجمل صاحب نے کہا اور کال کاٹ دی۔

"ارے بھئی سلمیٰ بیگم ذرا سودے کی لسٹ تو بنا دو...... دل کر رہا ہے آج اچھی سی دعوت ہو جائے۔"

"ہاں بھئی کیوں نہیں، ضرور کریں اچھی سی دعوت۔" سلمیٰ بیگم سودا لکھنے لگیں۔ تب ہی دلکشا بھی نیند سے اٹھ کر کمرے سے باہر آئی۔ چھٹی والے دن وہ دن چڑھے تک سوتی اور نیند پوری کرتی تھی۔

"کیا ہوا امی جی، کس کی دعوت، کیسی دعوت؟" اس نے جمائی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے بھئی تمہارے ابا جی کا دل کر رہا ہے آج تمہاری پھوپو وغیرہ کو بلوانے اور اچھا سا کھانا پکوانے کا۔" سلمیٰ بیگم نے جواب دیا۔

"تم منہ دھو لو...... میں تمہارے لیے ناشتہ بنا دوں۔"

"اچھا امی...... میٹھے میں ٹرائفل بنا لیں، بہت دن سے نہیں بنا۔" دلکشا نے جاتے ہوئے پلٹ کر گویا اپنی فرمائش بھی نوٹ کروا دی۔

رات کھانے پہ بہت رونق تھی۔ اجمل صاحب خوشگوار موڈ میں تھے۔ باتوں کا سلسلہ طول ہی پکڑتا گیا، نہایت خوشگوار ماحول میں کیسے وقت بیتا پتا نہ چلا۔ دوسرے دن شعیب کو آفس اور بچیوں کو اسکول بھی جانا تھا اس لیے یہ رنگین محفل اختتام کو پہنچی۔ سلمیٰ بیگم اور دلکشا نے کچن سمیٹا، برتن دھوئے اور کچن کی صفائی کی، سلمیٰ بیگم کام سے فارغ ہو کر کمرے میں آئیں تو اجمل صاحب خلاف توقع جاگ

رہے تھے۔

"بڑا اچھا لگتا ہے سلمٰی مجھے جب میری بہن میرے گھر سے یوں خوشی خوشی اپنے گھر لوٹتی ہے تو لگتا ہے ابا اور اماں مجھے دیکھ کر مسکرا رہے ہوں...... وہ دونوں بہت مطمئن ہوں، سچ ہی تو ہے بیٹیوں کے باپ اور باپ کے بعد بھائی کا گھر بہت بڑا سہارا اور آسرا ہوتا ہے۔ مجھے بڑا اچھا لگتا ہے جب شمسہ جاتے ہوئے میرے گلے سے لگ کر تمہیں اور مجھے دعائیں دیتی ہے۔" اجمل صاحب کی آواز بھرائی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، میکے کے نام سے اس کے چہرے پر جو عکس اور رنگ نمایاں ہوتے ہیں اس میں ماں، باپ، بھائی اور بہنوں کی محبت، شفقت، خلوص، مان، بھرم اور نہ جانے کتنے ہی خوب صورت جذبات شامل ہوتے ہیں۔" سلمٰی بیگم بھی جذباتی ہوگئیں۔

"ایسا کرو ذرا یہ وکس دے دو مجھے...... آج سر میں درد ہو رہا ہے، باتیں جو خوب کی ہیں۔" اجمل صاحب نے کہا تو سلمٰی بیگم نے ٹیبل پر رکھی وکس اٹھا کر اجمل صاحب کے ہاتھ میں پکڑائی۔

"ہاں سچ میں آج تو آپ ماشاء اللہ بہت بولے...... مجھے بہت اچھا لگا آپ نے مجھے بھی سراہا لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ آپ نے بھی میرا ہمیشہ اور بھرپور ساتھ دیا ہے۔" سلمٰی بیگم نے خوشدلی سے کہا تو اجمل صاحب اثبات میں سر ہلا کر مسکرا دیئے۔

دلکشا کو صبح یونیورسٹی جانا تھا اس نے اپنے کپڑے پریس کر کے ہینگ کیے، نوٹس اکھٹے کر کے بیگ میں رکھ کر وہ بھی لائٹ آف کر کے سونے کے لیے لیٹ گئی۔ آج دن بھر خوب کام کیا تھا، تھکن بھی ہوگئی تھی اس لیے جلدی وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ ابھی اس کی مکمل آنکھ لگی ہی تھی کہ غیر معمولی آوازوں پر وہ کچی نیند سے بیدار ہوئی...... پہلے تو اسے لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہو لیکن دوسرے لمحے اسے وہ آواز سلمٰی بیگم کی لگی...... لیٹے لیٹے ہی اس نے پوری آنکھیں کھول کر آواز کی سمت کا تعین کیا۔

"ہاں......" یہ تو سلمٰی بیگم تھیں جو شاید بہت زور سے اسے پکار رہی تھیں، کمرے کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے آواز نسبتاً کم لیکن واضح تھی۔

"الٰہی خیر۔" بے ساختہ گھڑی پر نظر ڈالی رات کے دو بج رہے تھے، وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اٹھ کر تقریباً دوڑتے ہوئے دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکلی۔

"امی جی کیا ہوا؟" دوسرے لمحے وہ اجمل صاحب کے کمرے میں موجود تھی۔

"دلکشا...... دیکھو تمہاری ابا بالکل چپ ہیں، ابھی مجھ سے پانی مانگا، میں نے دیا بس پانی پی کر لیٹے اور......" دلکشا بھاگ کر قریب آئی۔

"ابا جی...... ابا جی......" وہ پوری قوت سے چلائی مگر سب کچھ ختم ہو چکا تھا، اجمل صاحب دنیا سے ناتا توڑ چکے تھے۔

"امی...... امی......" دلکشا ان کے بے جان وجود کو دیکھ کر پاگلوں کی طرح ماں کی طرف پلٹی۔

"امی ابا چلے گئے۔"

"دلکشا کے ابا نہیں...... نہیں پاگل ہوگئی ہو کیا؟ ابھی تو بات کی ہے۔" سلمٰی بیگم نے پھٹی ہوئی آنکھوں سے شوہر کو دیکھا پھر غصے سے دلکشا کو ڈانٹا۔

"ابا...... ابا......" دلکشا اتنی زور سے چلائی، اتنی دلخراش چیخ تھی۔ کارنر کا گھر ہونے کی وجہ سے دیر رات تک محلے کے لڑکے کارنر پر بنے پان کے کھوکے کے پاس بیٹھے رہتے تھے، وہ لڑکے دوڑے چلے آئے، دلکشا کو کچھ سمجھ نہیں آیا تو وہ...... باہر کی جانب بھاگی اور شمسہ کو کال ملائی۔

"پھوپو ابا کو کچھ ہوگیا ہے جلدی سے آجائیں۔" وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔ پڑوس سے دو تین خواتین اور دو چار بزرگ افراد آگئے۔

جب تک شمسہ آئیں محلے کے بزرگ سلمٰی بیگم اور دلکشا، اجمل صاحب کو ہاسپٹل لے جا چکے تھے، سارا راستہ سلمٰی بیگم سے لپٹی ہوئی دلکشا زار و قطار روتے ہوئے دعائیں مانگ رہی تھی ساتھ ساتھ اجمل صاحب کے ہاتھ

اور پیر سہلا رہی تھی۔ ہاسپٹل پہنچے تو ڈاکٹر نے موت کی تصدیق کردی تھی۔

سلمٰی بیگم تیورا کر گر پڑیں۔ دلکشا تڑپ کر رونے لگی...... شمسہ اور شعیب بھی آگئے تھے...... یہ سب کیا ہوگیا تھا۔

"پھوپو...... ابا چلے گئے...... میں کیسے رہ پاؤں گی؟ پھوپو میں بہت کمزور ہوں، امی کو کیسے سنبھالوں گی، کیسے جیوں گی؟ یہ کیا ہوگیا، میں...... میں یتیم ہوگئی، میرا سائبان گر گیا۔" دلکشا کی دردناک چیخوں سے ہر آنکھ اشک بار تھی، وہ تڑپ رہی تھی، بلک رہی تھی مگر یہی ازل سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ جانے والے چلے جاتے ہیں مگر ڈھیروں یادیں چھوڑ جاتے ہیں۔

دلکشا بھی کچھ دن تک باپ کی جدائی میں تڑپی، روئی، بار بار بکھری اور خود کو سمیٹتے سمیٹتے پندرہ دن یونہی گزر گئے...... وہ اپنے آپ سے بیزار ہوگئی تھی...... سلمٰی بیگم اس کی وجہ سے خود کو کسی حد تک نارمل کرچکی تھیں، دلکشا پر باپ کی موت کا بہت زیادہ اثر ہوا تھا، شمسہ نے دلکشا کو زندگی کی طرف لوٹ آنے کی بھرپور کوشش کی اور زبردستی کہا کہ وہ یونیورسٹی جانا شروع کرے تاکہ اس کا ذہن بٹ جائے اور وہ مصروف بھی ہوجائے...... پندرہ سولہ دن بعد شمسہ کے بار بار کہنے پر وہ یونیورسٹی آئی تھی...... عبیرہ اس کو دیکھ کر دوڑی چلی آئی۔

"خیر تو ہے دلکشا، تم کہاں غائب تھیں...... کوئی خیر خبر نہیں؟" عبیرہ سے اتنی دوستی ہونے کے باوجود دلکشا نے اسے اپنا سیل نمبر نہیں دیا تھا، تب دلکشا نے اسے بتایا...... عبیرہ کو بھی بہت افسوس ہوا، پڑھائی کے حوالے سے بھی دلکشا کا اچھا خاصا نقصان ہوگیا تھا اس لیے اس نے اپنی پوری توجہ پڑھائی پر مرکوز کردی تھی۔

❁......❁......❁

اس روز پیریڈ فری تھا عبیرہ کے سر میں بھی درد ہورہا تھا تو دلکشا اور عبیرہ چائے پینے کے لیے کیفے ٹیریا آگئے، چائے اور سموسوں کا کہہ کر دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئیں، عبیرہ کی شادی شدہ بہنیں اس کے گھر آئی ہوئی تھیں جس کا شریر اور پیارا سا بیٹا تھا جس کی باتیں عبیرہ اکثر بتاتی رہتی، اس وقت بھی وہ اپنے پیارے اور شریر بھانجے کی شرارتیں اور باتیں سنا رہی تھی دونوں باتیں کرتے ہوئے چائے بھی پی رہی تھیں تب ہی تین چار لڑکے اور دو لڑکیوں کا ٹولا زور سے باتیں کرتے اور قہقہے لگاتے ہوئے اندر آیا...... شور اتنا تھا کہ بے ساختہ دلکشا اور عبیرہ نے بھی سر اٹھا کر ان لوگوں کی طرف دیکھا...... دھڑا دھڑ کرسیاں کھینچ کر وہ لوگ بیٹھ گئے...... باقی تمام لوگوں کو تو وہ دیکھتی رہتی تھی مگر ایک اسمارٹ سا لڑکا نیا تھا جو بڑی گہری نظروں سے دلکشا کی طرف ہی دیکھ رہا تھا...... شکل سے ہی اوباش لگ رہا تھا گریبان کھلا ہوا، شرٹ کی آستین چڑھی ہوئی اور لمبے بال، ایک نظر دیکھتے ہی وہ اچھی صورت ہونے کے باوجود بھی بگڑا ہوا رئیس زادہ لگ رہا تھا، جس طرح سے وہ کرسی پر پیر پھیلا کر اکڑ کر بیٹھا تھا اس سے اس کی شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا، دلکشا نے ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"چلیں عبیرہ۔" چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھ کر دلکشا فوراً کھڑی ہوئی، عبیرہ بھی کھڑی ہوگئی تھی، اس ٹولے کے آتے ہی ایک شور سا مچ گیا تھا، دلکشا کو وحشت سی ہونے لگی تھی۔

"اف توبہ کیسے عجیب وغریب حلیے بنا رکھے ہیں ان لوگوں نے، کیا لڑکے کیا لڑکیاں...... کارٹون بن کر آتے ہیں۔" باہر نکل کر وہ بولی۔

"ہاں ویسے ہی یہ لوگ واہیات تھے اوپر سے ایک نیا نمونہ بھی پچھلے دنوں ان کے اس ٹولے میں شامل ہوا ہے۔ یہ راجہ اندر بنا رہتا ہے، پیسے والا ہے اس لیے دماغ بے حد خراب ہے۔" عبیرہ نے کہا۔

"ہنہ۔" دلکشا نے منہ بنایا۔

"فواد بتا رہے تھے تفصیل ساری، ان کے ڈیپارٹمنٹ میں ہی ہے یہ لڑکا، دانش وقار ڈرنکر بھی ہے یار۔" عبیرہ نے آہستگی سے کہا۔

"اف اللہ، توبہ توبہ...... شکل سے ہی بے ہودہ لگ رہا

ہے گھور بھی رہا تھا کمبخت۔" دلکشا نے نفرت سے کہا۔

"اور پتا ہے لڑکیاں نہ جانے کیسی اندھی ہیں...... فواد بتا رہے تھے چند دنوں میں تین چار لڑکیاں موصوف کی گرل فرینڈ بھی بن گئیں اور چند لڑکیاں ابھی لائن میں لگی ہیں نہ جانے آج کل کی لڑکیوں کو ایسے لڑکے کیوں اتنا اٹریکٹ کرتے ہیں۔"

"توبہ استغفر اللہ...... لعنت ہے ایسی سوچ رکھنے والی لڑکیوں پر۔" دلکشا نے کہا۔

نہ جانے ایسے لوگ اوچھی حرکتیں کر کے کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں اسے لگتا دوسروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانے کے لیے ایسی حرکتیں کرتے ہیں...... یہی بات سچ بھی تھی۔ دلکشا نے یہ بات محسوس کی کہ دانش آتے جاتے رک کر اسے غور سے دیکھتا ہے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ ہوتی ہے، کبھی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے تو کبھی ہاتھوں سے بالوں کو سنوارتے ہوئے، عجیب وغریب نظروں سے اسے دیکھتا ہے ایک دو بار آوازیں بھی کسیں مگر دلکشا بالکل انجان بنی یوں گزر جاتی جیسے نہ تو اس نے دانش کو دیکھا ہے نہ ہی اس کی بات سنی ہے، عمیرہ نے بھی یہ بات محسوس کی تھی۔

"السلام علیکم!" اس روز جیسے ہی دلکشا نے یونیورسٹی میں قدم رکھا نہ جانے کہاں سے وہ اچانک سامنے آ گیا۔

"وعلیکم السلام!" بادل ناخواستہ اسے جواب دینا پڑا کیونکہ سلام کا جواب دینا بھی فرض تھا ورنہ تو دلکشا اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔

"کیا بات ہے بھئی، آپ کو ہم سے کوئی گلہ ہے کیا، کوئی شکایت؟" دانش نے دو قدم آگے بڑھ کر سوال کیا۔

"کیا مطلب؟" دلکشا نے اس کے سوال کے جواب میں سوال کر دیا۔

"مطلب یہ کہ سب گرلز مجھ سے ہائے ہیلو کرتی ہیں اور آپ......؟"

"معاف کیجیے گا...... وہ گرلز آپ کو ہائے ہیلو کرنے آتی ہوں گی...... میرا مقصد کسی سے راہ ورسم بڑھانا نہیں بلکہ صرف پڑھنا ہے۔" دلکشا نے تیکھے لہجے میں جواب دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

"واہ جی...... بڑے نخرے ہیں محترمہ کے۔" دانش کو اس کی حرکت پر غصہ آ گیا، تب ہی دانش کے دو تین دوست بھی آ گئے۔

"کیا ہوا یار؟"

"یار...... دو چار بار سلام کیا، آج جواب دیا...... بہت اتراتی ہے۔" دانش غصے سے بولا۔

"اوئے یہ لڑکی ایسی ہی ہے آدم بیزار اور بڈھی روح، پڑھاکو کیڑا، اچھی صورت شکل ہے مگر کسی سے بات کرتی ہے نہ کسی کو گھاس ڈالتی ہے، ایک اپنے جیسی بڑھیا لڑکی کو دوست بنا رکھا ہے بس...... خوامخواہ اپنا ٹائم ضائع نہ کر تیرے پاس کون سا لڑکیوں کی کمی ہے، گولی مار۔" ایک دوست نے مفید مشورے سے نوازا۔

"اپنے کو اچھی لگی ہے یہ، دوستی تو بنتی ہے ناں یار۔" دانش نے آنکھ دبا کر اوچھے انداز میں کہا ساتھ ہی تینوں کا قہقہ بلند ہوا۔

"ہائے۔" دو دن بعد وہ پھر راستہ روکے کھڑا تھا۔ دلکشا نے ماتھے پر بل ڈال کر تیز نظروں سے اسے گھورا اور سائڈ سے جگہ بنا کر خاموشی سے نکل گئی۔ اسی روز دانش کا جھگڑا کسی دوسرے گروپ کے لڑکے سے ہو گیا، یونیورسٹی کینٹین میں خوب مار پیٹ ہوئی، دانش نے کولڈ ڈرنک کی بوتل لڑکے کے سر پر دے ماری جواباً اس لڑکے کے دوست نے بھی کرسی اٹھا کر دانش کے سر پر جوابی حملہ کیا، دانش کا سر پھٹ گیا...... ہنگامہ مچ گیا بمشکل لڑائی پر قابو پا کر دونوں کو ہاسپٹل بھیجا، دانش کی والدہ کو خبر ہوئی وہ بھاگی ہاسپٹل پہنچیں، دانش کو ہمیشہ کی طرح پیار سے سمجھایا، دانش ہمیشہ کی طرح سر ہلاتا رہا، کرنا تو اسے اپنی ہی مرضی ہوتی، دانش کی ماں شمائلہ بیگم اس کی حرکتوں پر سرزنش کرتیں لیکن ڈھاک کے تین پات ہی رہتے۔ چوٹ خاصی گہری تھی دس دن تک شمائلہ بیگم نے اسے یونیورسٹی جانے نہیں دیا، اس دوران بڑے بھائی کی ویڈیو کال بھی آئی تو دانستہ دانش

آنچل کراچی
امید اور ناامیدی کے درمیان پرورش پاتی محبت کی حسین داستان
بنتے بگڑتے رشتوں سے آراستہ ایک معاشرتی ورومانی دلکش کہانی
کے صفحات پر
مجھے تسلیم کیوں نہیں کرتے
راحت وفا ایک بار پھر اپنے منفرد انداز میں شامل محفل ہو رہی ہیں
خاص موضوع اور خاص وقت میں جنم لینے والی ناقابل فراموش کہانی
عشق کے رنگ میں رچی محبت و وفاؤں کی لازوال داستان
بہت جلد آنچل کے صفحات پر جلوہ افروز ہونے والا ناول
زحمت سے بچنے کے لیے اپنی کاپی آج ہی بک کرالیں
مزید معلومات کیلئے 0300-8264242

سے بات نہیں کروائی کہ وہ سر پر لگی پٹی دیکھ کر پریشان ہوجاتا۔

⚙......⚙......⚙

دانش امیر فیملی سے تعلق رکھتا تھا، والد کا اپنا چھوٹا سا کاروبار تھا لیکن والد کی وفات جلد ہوگئی تھی ان کی موت کے بعد دانش کی والدہ شمائلہ بیگم نے بزنس سنبھالا تھا۔ دو بیٹے تھے بڑا بیٹا گریجویشن کے بعد پڑھنے کی غرض سے انگلینڈ چلا گیا تھا۔ ساتھ وہاں جاب بھی کررہا تھا اس سے تقریباً چار سال چھوٹا دانش تھا، بڑا بیٹا شریف، محنتی اور فرماں بردار تھا جبکہ دانش لاابالی، بدتمیز، مغرور اور کسی حد تک بگڑا ہوا تھا، شمائلہ بیگم کے بیجا لاڈ پیار نے دانش کو مزید شیر بنادیا تھا، کوئی روک ٹوک اور سختی کرنے والا نہ تھا۔ شمائلہ بیگم بڑے بیٹے کو دانش کی سرگرمیوں سے ہمیشہ مخفی رکھتیں، جب بھی وہ پڑھائی کے بارے میں پوچھتا تو دانش سے پہلے وہ جواب دے کر اسے مطمئن کردیتیں جبکہ اس کی واپسی پانچ چھ سال سے پہلے ممکن نہ تھی۔ دانش کی صحبت خراب دوستوں کے ساتھ تھی، ہر وقت ان ہی کے ساتھ رہتا، شمائلہ بیگم باز پرس کرتیں تو ان کو الٹی سیدھی باتیں کرکے انہیں جذباتی طور پر بلیک میل کرتا اور وہ بھی فوراً پسیج جاتیں، آئے دن کسی نہ کسی سے جھگڑا کرتا، اب تو ضد لگا رکھی تھی کہ پاپا کا پستول مجھے دے دیں...... میں استعمال نہیں کروں گا بس اپنے پاس رکھوں گا...... وہ غصے کا تیز اور جذباتی تھا اس لیے شمائلہ بیگم اس کی یہ ضد کسی صورت پوری کرنے کو تیار نہ ہوتیں۔ وہ کئی بار ناراض بھی ہوا مگر شمائلہ بیگم کسی صورت یہ رسک لینے کو تیار نہ تھیں۔ جذبات میں آکر پستول کا بھی استعمال کرسکتا تھا، اللہ پاک نے اچھی صورت شکل اور پیسہ دے رکھا تھا، فطرتاً وہ خوشامد پسند تھا، لڑکے اور لڑکیاں اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے، ذرا سی تعریف اور سراہنے پر وہ راجہ اندر بن جاتا اور شیخی میں آکر حاتم طائی کی قبر پر لات مارنے میں ذرا سی بھی دیر نہیں لگاتا، سرد مہری اور بے اعتنائی پر وہ چپ کر رہ جاتا...... وہ سمجھتا تھا کہ اور لڑکیوں کی طرح دلکشا بھی اس کی صورت شکل اور پیسے سے مرعوب ہوجائے گی مگر یہاں معاملہ اس کی سوچ کے برعکس تھا۔

''اے تمہیں کس بات کا گھمنڈ ہے، ہاں کس بات پر اتراتی ہو مڈل کلاس کی دقیانوسی لڑکی ہوکر...... اتنا ایٹی ٹیوڈ؟'' اس روز بھی دلکشا اور عبیرہ چائے پینے کیفے ٹیریا میں آئیں تب ہی وہ بھی چند لڑکوں کے ساتھ آگیا۔ وہی چھچھورا اور لوفرانہ انداز، دلکشا کو اس کی حرکتوں سے ہی چڑ تھی تب ہی وہ عبیرہ کا ہاتھ پکڑ کر فوراً ہی اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھی۔

''عبیرہ چلو۔'' دانش اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار نمایاں تھے اور یوں ایک دم سے اٹھ جانا دانش کو اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا...... جب، عبیرہ اور دلکشا اٹھ کر باہر کی طرف جانے لگیں اور ان لوگوں کی ٹیبل کے پاس سے گزریں تب ہی دانش ایک دم ہی کرسی سے کھڑا ہوکر عین سامنے آگیا اور بدتمیزی سے براہ راست دلکشا سے مخاطب ہوا۔ دلکشا نے نظریں اٹھا کر دانش کی طرف دیکھا۔

''بے شک...... میں مڈل کلاس کی دقیانوسی اور غریب لڑکی ہوں لیکن الحمدللہ شریف اور دین دار گھرانے سے تعلق رکھنے والی وہ لڑکی ہوں جو درس گاہ میں صرف اسی لیے آتی ہیں کہ جس مقصد کے لیے درس گاہیں بنائی جاتی ہیں...... یہ کوئی پکنک پوائنٹ، کوئی لونگ ایریا یا کوئی ہوٹل نہیں جہاں آکر اپنی امارت کی دھاک بٹھائی جائے، بدتمیزی اور بدتہذیبی کے مظاہرے کیے جائیں، آوازیں کسی جائیں اور اپنی دولت کی نمائش کی جائے، مجھے آئندہ روکنے کی یا بات کرنے کی کوشش کی تو میں تمہاری شکایت کردوں گی آئی سمجھ؟'' دلکشا نے متانت بھرے لہجے میں کہتے ہوئے انگلی اٹھا کر وارننگ دی اور تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ دانش آنکھیں پھاڑے اس پانچ فٹ سات انچ کی منہ زور لڑکی کو اتنے اعتماد سے بولتا دیکھ رہا تھا، اس کے آگے بڑھتے ہی چونکا...... تب ہی سامنے سے فواد بھی آتا دکھائی دیا، وہ عبیرہ سے ملنے ہی آرہا تھا۔

"اوئے دانش یار مار گولی...... پہلے بھی سمجھایا ہے تجھے کیوں اس دو ٹکے کی لڑکی کے منہ لگتا ہے۔" اس کے دوست نے کہا۔

"نہیں یار...... اب تو اس کے اچھی طرح سے منہ لگنا پڑے گا...... اتنا گھمنڈ، غرور، ذرا سی اچھی شکل کیا ہے خود کو پتا نہیں کہاں کی مہارانی سمجھنے لگی ہے، اب تو دیکھنا اسے نہ ناک رگڑوائی تو دانش نام نہیں میرا...... سمجھتی کیا ہے خود کو۔" دانش غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"اوئے یارا...... پاگل ہوا ہے کیا، تجھے کمی ہے کیا ایک سے ایک لڑکی مل جائے گی تجھے...... اس دو کوڑی کی لڑکی میں کیا رکھا ہے، خوامخواہ ہائپر ہو رہا ہے۔" دوسرا دوست بولا تھا۔

"میں نے کون سا اس لڑکی سے شادی کرنی ہے...... میں صرف اسے مزا چکھاؤں گا لیکن، محبت کا ناٹک کر کے زیر کروں گا، دیکھ لینا، کیسے لائن پر لاتا ہوں اس کو بہت شریف زادی ہے، ناں نکالتا ہوں اس کی شرافت۔" دانش غصے سے مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں غصہ، نفرت اور قطعیت نمایاں تھی۔ دوست بھی سر پکڑ کر رہ گئے تھے۔ وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی ضدی تھا۔

❁......❁......❁

"مما...... آج میں اپنے دوستوں کے ساتھ شکار پر جا رہا ہوں کل شام تک واپسی ہو گی۔" شمائلہ بیگم ٹی وی دیکھ رہی تھیں تب ہی دانش نے آ کر کہا۔

"نہیں...... تم رات میں گھر سے باہر مت جانا، بے شک دیر سے آ جانا مگر ساری رات کی اجازت نہیں دے سکتی۔" شمائلہ بیگم نے دوٹوک لہجے میں انکار کیا۔

"کیوں مما؟" وہ لاڈ سے بولا۔

"بس مجھے ڈر لگتا ہے، تم ابھی ان میچور ہو...... یوں رات کو گھر سے باہر رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔" انہوں نے اسی لہجے میں دوبارہ انکار کیا۔

"مما میں کوئی ننھا بچہ تو نہیں ہوں یار...... میں بغیر کہے چلا جاتا تو آپ کیا کر لیتیں۔" وہ بدتمیزی سے بولا۔

"دانش...... تم کچھ زیادہ بدتمیزی کرنے لگے ہو، لگتا ہے تمہارے بھائی کو شکایت کرنی پڑے گی۔" شمائلہ بیگم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"مما...... پیاری مما، مجھے بہت شوق ہے شکار کا...... اب پاپا زندہ ہوتے تو ان کے ساتھ چلا جاتا، سارے فرینڈز جا رہے ہیں، کچھ دو کے تو پاپا بھی ساتھ ہیں۔" شمائلہ بیگم ہاں تھیں، وہ ذرا سا رنجیدہ ہوتا تو تڑپ جاتیں۔ اس کی جھوٹی باتوں پہ راضی ہو گئیں۔

"او کے...... مگر اپنا خیال رکھنا۔" انہوں نے ڈھیر ساری نصیحتیں اسے جاتے ہوئے کیں۔

"او کے مما تھینکس۔" آگے بڑھ کر مما کا ماتھا چوما۔ شمائلہ بیگم مسکرا دیں۔ شکار وکار پر کیا جانا تھا، آج اس کے دوست عرباض کی سالگرہ تھی۔ رات بھر تاش اور ڈرنک کا پروگرام تھا۔ ابھی تک تو دن کی حد تک ایسے پروگرام بنتے تھے اس بار ذرا بڑا پروگرام تھا۔ عرباض نے خوب سبز باغ دکھائے تھے۔

پہلے تو ارباز نے کیک کاٹا، خوب شور شرابہ ہنگامہ اور ڈانس پارٹی ہوئی پھر پینے کا دور چلا...... پیتے پیتے بہکنے لگے ایک دوسرے کی گرلز فرینڈز کے بارے میں باتیں چلیں، یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ جب لڑکے ان بے وقوف لڑکیوں کا تذکرہ اپنے دوستوں میں مزے لے لے کر تے ہیں جو لڑکیاں ان لڑکوں کی چالبازیوں کی زد میں آ جاتی ہیں اور لڑکیاں اپنی تصاویر تک بھیج دیتی ہیں، خوب ہنسی مذاق اور چھچھورا پن عروج پر تھا تب ہی دانش نے اپنی موبائل گیلری سے تمام تصاویر میں سے دلکشا کی تصویر نکالی۔

"اوہو...... واؤ...... اوسم۔" وہ دوست جو پہلی بار اسے دیکھ رہے تھے دلکشا کی تصویر دیکھ کر داد دے رہے تھے۔

"یہ سالی ابھی قابو میں نہیں آئی...... اس کو تو خوار کروں گا۔" دانش نے قہقہہ لگا کر کہا۔ عین اسی لمحے بڑے بھائی عریش کی بے وقت کال آئی تھی...... دانش گڑبڑایا، ایک تو ہلکا ہلکا نشہ ابھی باقی تھا اوپر سے عریش سے ڈرتا بھی تھا،

بوکھلاہٹ میں نہ جانے کس طرح دلکشا کی تصویر عریش کو سینڈ کردی تھی۔
"یہ.....کون ہے؟" جواباً وہی تصویر عریش نے واپس سینڈ کی تو دانش کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔
"اوشٹ....." اس نے ہتھیلی پر مکا مارا۔
"دانش؟" میسج دوبارہ آیا۔
"وہ بھائی..... یہ..... میرے ساتھ پڑھتی ہے۔" عریش نے کال کرلی تھی۔
"اس کی تصویر تمہارے پاس کیا کررہی ہے دانش؟" عریش نے پوچھا تھا۔ "دانش کہیں تم فلرٹ تو نہیں کررہے کسی لڑکی کے ساتھ؟" اس بار لہجہ تھوڑا سا سخت ہوا تھا۔
"نہ..... نہیں بھائی بالکل بھی نہیں، مجھے سچ میں اچھی لگتی ہے، بھائی آئی ایم سیریس۔" جلدی میں جھوٹ گھڑا۔
"اوہ..... مطلب میرا بھائی بڑا ہوگیا ہے۔" عریش کا لہجہ خوشگوار ہوا تھا۔
"جی..... جی..... بھائی ابھی مما کو نہیں پتا ہے۔" دانش نے کہا تھا۔
"اوکے..... اوکے مما سوگئیں کیا؟ کال ریسیو نہیں کررہی ہیں۔"
"جی سوگئیں میں بھی سو رہا تھا۔" دانش جلدی کال بند کرنا چاہ رہا تھا۔
"اوکے اللہ حافظ۔" عریش نے کال بند کردی تھی۔
"اف....." دانش نے سکھ کا سانس لیا، عریش دانش سے بہت کم بات کرتا تھا، زیادہ تر شمائلہ بیگم سے ہی ساری باتیں ہوجاتیں، دانش کبھی یونیورسٹی، کبھی جم تو کبھی باہر ہوتا اس لیے اس سے کم کم بات ہوتی۔

❁.....❁.....❁

"دلکشا..... کیا بات ہے بیٹی آج یونیورسٹی نہیں جانا کیا؟" خلاف معمول اسے سوتا دیکھ کر سلمٰی بیگم نے کمرے میں آ کر اسے آواز دی۔
"نہیں امی۔" اس نے چادر سے سر نکال کر مندی مندی آنکھوں سے ماں کو دیکھ کر جواب دیا۔
"آج چھٹی تو نہیں ہے۔" سلمٰی بیگم کو حیرانی ہوئی کیونکہ وہ چھٹی نہیں کرتی تھی۔
"جی امی چھٹی نہیں، میرے سر میں درد تھا رات کو دیر سے سوئی ابھی نیند پوری کروں گی۔" دلکشا نے جواب دے کر دوبارہ چادر تان لی تاکہ اماں مزید سوال نہ کریں۔
"اچھا چلو ٹھیک ہے آرام کرلو۔" سلمٰی بیگم نے کہا اور کمرے سے باہر آ گئی تھیں۔ دس بجے کے قریب دلکشا اٹھی منہ دھو کر آئی تو سلمٰی بیگم نے ناشتہ تیار کردیا تھا۔
"دلکشا..... کیا بات ہے، تم کچھ پریشان ہو؟" اسے غائب دماغی سے ناشتہ کرتے ہوئے دیکھ کر سلمٰی بیگم نے پوچھا۔
"نہ..... نہیں تو..... پریشانی کس بات کی؟" دلکشا گڑبڑا کر جلدی سے بولی وہ خوامخواہ ماں کو پریشان نہیں کرنا چاہ رہی تھی جبکہ وہ واقعی پریشان تھی۔
دانش کی بدتمیزیاں بڑھتی جارہی تھیں، عبیرہ گاہے بگاہے فواد سے سنی ہوئی باتیں بتاتی رہتی، وہ عیاش، اوباش اور بددماغ لڑکا تھا، ضد میں آ کر کچھ بھی کرسکتا تھا۔ ویسے تو دلکشا کی عادت تھی سلمٰی بیگم ہمیشہ سے آیت الکرسی کا حصار کرکے گھر سے بھیجتی تھیں۔ یسین شریف ہمیشہ دلکشا کے بیگ میں ہوتی لیکن پھر بھی دانش کی آنکھوں سے خوف آتا تھا۔ کبھی کبھی دلکشا کا دل کرتا کہ دانش کے گھر اس کے والدین تک اس کی شکایت پہنچائے لیکن یہ ناممکن تھا، کیسے وہ یہ قدم اٹھاتی۔ یونیورسٹی میں لوگ دانش کی حرکتوں سے واقف تھے مگر ہر کسی کو اپنی عزت اور جان پیاری ہوتی ہے پھر آج کل کا دور بھی ایسا تھا کہ اگر کسی کے حق میں ذرا سا بھی کچھ کہہ دو تو جان کے دشمن بن جاتے ہیں، اپنی جان خطرے میں کون ڈال سکتا ہے بھلا، کل بھی دانش نے کیفے ٹیریا میں اتنی بدتمیزی کی تھی، آج ڈر کے مارے دلکشا یونیورسٹی نہیں گئی لیکن کتنے دن نہیں جاتی؟ جانا تو تھا..... نہیں جاتی تو ماں کو فکر ہوتی اس لیے تین دن کی چھٹی کے

بعد وہ یونیورسٹی آ گئی تھی۔ شکر تھا کہ وہ دن تک دانش نظر نہیں آیا، عبیرہ بھی پریشان ہوگئی تھی۔

"دلکشا تم اس سے سلام دعا کر لیتیں، بے شک زیادہ بات چیت نہیں کرتی لیکن تم نے پہلے دن سے ہی اس سے سخت رویہ رکھا، اس لیے اب وہ اپنی ہتک سمجھنے لگا ہے۔" عبیرہ سے اپنی پریشانی بیان کی تو اس نے کہا تھا۔

"عبیرہ...... تمہیں میں نے بتایا تھا ناں کہ میری فیملی اس معاملے میں کتنی قدامت پسند ہے اور میں صرف پڑھنے آتی ہوں دوستیاں بڑھانا یا حلقہ احباب وسیع کرنا میرا مقصد نہیں ہے، اگر اس سے ایک بار ہنس کر بات کرتی تو وہ روز روز بات کرتا۔"

"تو اب بھی تو وہ روز ہی تنگ کرتا ہے، فواد کہہ رہے تھے بہت عجیب قسم کا لڑکا ہے...... ضدی، انا پرست اور بد دماغ۔" عبیرہ نے برا سا منہ بنا کر اس کی خامیاں بیان کی تھیں۔

"ہاں یار...... اس سال کے بعد میں خود چھوڑ دوں گی یونیورسٹی، ویسے بھی امی کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور انہوں نے پھوپو وغیرہ سے میرے رشتے کے لیے کہہ دیا ہے...... سوچ رہی ہوں جتنا بھی پڑھ لوں...... کرنا تو وہی ہانڈی، چولہا، شوہر کی خدمت، ساس کی خدمت اور گھرداری ہی ہے...... امی بھی پرسکون ہو جائیں گی۔"

"ہائیں...... پاگل ہوگئی ہو کیا؟ تمہارا شوق اور جنون تھا پڑھائی کرنا، پڑھائی مت چھوڑنا، میں کہتی ہوں کہ ہم ڈین سے بات کرتے ہیں۔" عبیرہ اس کی بات پر حیرت سے اچھل پڑی تھی۔

"یار، کوئی فائدہ نہیں، ان کو نہیں تو کیا دوسرے پروفیسرز کو علم نہیں ہوگا، دانش جیسے اور بھی کئی لڑکے ہوں گے مختلف ڈیپارٹمنٹس میں، سب جانتے ہیں لیکن انجان ہیں، خبروں میں سنتے نہیں کہ اسٹوڈنٹ نے ٹیچر کو قتل کر دیا، نقل نہ کرنے دینے پر تو کبھی کسی بھی مرحلے پر سرزنش کرنے پر طیش میں آ کر اساتذہ کو بھی نہیں چھوڑتے یہ بگڑے ہوئے اوباش نوجوان۔"

"تو بس اس کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو...... وہی ایسے لوگوں کو انجام تک پہنچائے۔" عبیرہ نے کہا۔

"ہمم......" دلکشا نے سر ہلایا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔

کچھ عرصے تک دانش خلاف توقع دلکشا کی طرف سے انجان رہا...... دلکشا نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا کہ شاید اللہ نے اس کی دعائیں سن لی لیکن پتا یہ چلا کہ دانش آج کل کسی اور لڑکی کے چکر میں سیریس ہے تب ہی دوسری لڑکیوں سے دور ہے۔

"کہیں بھی جائے، مرے، کھپے ہمیں کیا...... بس اپنی شکل ہمارے سامنے نہ لائے۔" عبیرہ نے خود ہی اطلاع فراہم کی اور خود ہی تبصرہ کیا۔

"شکر اللہ کا" دلکشا نے بھی شکر ادا کیا۔

لیکن یہ خوشی عارضی ثابت ہوئی کہ مہینہ بھر بھی نہ گزرا تھا کہ اس لڑکی نے اسے کسی اور لڑکی کے ساتھ شاپنگ مال میں دیکھ لیا اور وہیں جا کر دانش کے منہ پر طمانچہ دے مارا اور سارے رشتے ختم کر دیئے وہ بھی کوئی عام لڑکی نہ تھی بلکہ اس کے والد کی پہنچ حکومتی سطح تک تھی اس لیے دانش جواباً تھپڑ تو کیا مارتا دم دبا کر وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ اپنی فرسٹریشن نکالنے کے لیے پہلے خوب دل بھر کے ڈرنک کی اور سڑکوں پر گاڑی لے کر آوارہ گردی کرتا رہا...... شاید پہلی بار وہ کسی لڑکی کو لے کر سنجیدہ ہوا تھا، اسے واقعی تکلیف ہوئی تھی، عادتاً کسی اور لڑکی کے ساتھ ذرا سی دیر کو باہر نکلا تھا کہ اچانک اس لڑکی نے دیکھ لیا تھا، دانش دیر تلک پاگلوں کی طرح ڈرائیو کرتا رہا، کچھ دیر کے لیے رکا، اسے وقت کا بھی اندازہ نہیں ہوا، شام کے آٹھ بج گئے تھے...... شائلہ بیگم نے پریشان ہو کر کئی بار کال ملائی مگر وہ تو انجان رہا آخر گھبرا کر انہوں نے عریش کو کال کی کہ تم پتا کرو وہ کہاں ہے؟ تین بجے واپس آ جاتا ہے، آج ابھی تک نہیں آیا...... اس کے دوستوں سے بھی پوچھا تو پتا چلا وہ آج یونیورسٹی بھی نہیں گیا۔ شائلہ بیگم رو رہی تھیں۔

"مما آپ پریشان نہ ہوں، وہ تھوڑا سا لاابالی ہے،

دوستوں کے ساتھ ہوگا...... میں پتا کرتا ہوں۔"

"دانش...... تم کہاں ہو؟ مما کی کال ریسیو کیوں نہیں کررہے۔ گھر جاؤ فوراً، مما کتنی پریشان ہیں۔" عریش نے اچھی خاصی سرزنش کرڈالی تھی۔

"بھائی...... بھائی...... اس نے مجھے چھوڑ دیا...... بھائی وہ چلی گئی، بے وفا مجھے چھوڑ گئی۔" وہ نشے میں دھت بمشکل اتنا ہی کہہ سکا۔

"کون...... کیوں؟ کیا کہہ رہے ہو دانش۔" عریش نے چلا کر پوچھا۔

"وہ...... اس کو تو...... اس کو چاہا تھا میں نے۔" دانش نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ عجیب سا انداز، عجیب سا لہجہ، عریش اس کی آواز، انداز سے بری طرح گھبرا گیا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ دانش شراب بھی پی سکتا ہے...... وہ سمجھ رہا تھا کہ دانش بہت پریشان اور دکھی ہے۔

"دانش...... دانش۔" عریش نے پکارا مگر دانش نے کال کاٹ دی تھی، عریش نے دوبارہ کال ملائی مگر نمبر بند تھا۔

"اف......" عریش نے سر تھام لیا، معاملہ سمجھ میں آ گیا تھا کہ دانش جس لڑکی کو چاہتا ہے اس نے بے وفائی کی، اسے دھوکا دے گئی، دوسری طرف وہ بے حد اپ سیٹ اور پریشان تھا...... دانش کے بارے میں سوچ کر اس کا دماغ گھوم رہا تھا، اسے دانش پر بے تحاشا ترس آ رہا تھا، مظلوم اور بے بس نظر آ رہا تھا اور اس لڑکی پر بے تحاشہ غصہ بھی۔

دانش نے موبائل سیٹ پر پھینکا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"سمجھتی کیا ہے وہ خود کو...... میری انسلٹ کی ہے اس نے، میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔" ہذیانی انداز میں کہتے ہوئے اس نے گاڑی اسپیڈ بڑھا دی تھی...... اس کا رخ اس لڑکی کے گھر کی جانب تھا اور آنکھوں میں نشے کے ساتھ ساتھ اچانک ہی خون اتر آیا تھا۔ نشے میں بدمست اول فول بکتا وہ گاڑی کی اسپیڈ مسلسل بڑھا رہا تھا...... ہوش وحواس کھونے لگے تھے، اسی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا نہ ٹریفک کے قوانین کا پاس تھا نہ ہی اسپیڈ کا اندازہ...... وہ نیم پاگل ہو چکا تھا، تب ہی آگے پیچھے کی گاڑیوں کے ہارن سے بے نیاز تھا، گاڑی کی اسپیڈ پر قابو نہ رکھ سکا، اسٹیئرنگ ہاتھ سے چھوٹنے لگا تھا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا آ گیا، تیز رفتاری آخری حدوں پر تھی، گاڑی بے قابو ہو گئی تھی تب ہی فٹ پاتھ پر چڑھتی ہوئی سامنے لگے بجلی کے پول سے پوری رفتار سے ٹکرائی زوردار دھماکہ ہوا، آس پاس کے لوگ، گاڑیوں والے، پاس کے دکان والے دوڑے چلے آئے، گاڑی تباہ ہو چکی تھی، دانش بھی بری طرح زخمی ہو کر اسی وقت ختم ہو چکا تھا۔ بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔

"ہاسپٹل لے جاؤ...... ہاسپٹل۔" مجمع میں سے آواز آئی۔

"ارے پہلے شناختی کارڈ نکالو۔" کسی نے آواز لگائی، اتفاق سے وہاں سے شمائلہ کی دوست اپنے شوہر کے ساتھ گزر رہی تھی گاڑی رکی تو ناعمہ کی نظر گاڑی کے نمبر پر پڑی، اس نے آنکھیں پھاڑ کر نمبر دیکھا اور منہ ہی منہ میں دہرایا۔

"عباد...... یہ گاڑی تو شمائلہ کے بیٹے کی ہے۔" ناعمہ سیٹ سے اچھل پڑی۔

"اوہ تو بہت ڈینجر ایکسیڈنٹ ہوا ہے یار۔" عباد فوراً گاڑی کی طرف بھاگے۔

"یااللہ...... یہ...... یہ دانش تھا...... اف خدایا۔" ناعمہ سے دانش کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی، وہ چیخ مار کر رونے لگی تھی۔ سب لوگ متوجہ ہو گئے۔ عباد نے بمشکل سنبھال کر اسے گاڑی میں بٹھایا، پانی پلا کر حواس بحال ہوئے، لوگوں کی مدد سے ڈیڈ باڈی ہاسپٹل پہنچائی گئی شمائلہ کو اطلاع دی گئی تھی، ناعمہ ہی انہیں ہاسپٹل لے آئی تھی...... شمائلہ کا برا حال تھا، وہ ہوش میں تو تھیں مگر بے حال، ایک بیٹا کوسوں دور تھا، اور دوسرا بیٹا اس قدر خطرناک حادثے کا شکار ہو چکا تھا...... ڈاکٹرز کی رپورٹ کے

مطابق وہ نشے کی حالت میں تھا۔
"ک...... کیا...... نہیں...... نہیں میرا بیٹا ایسا نہیں ہوسکتا، وہ لاڈ میں بگڑا ضرور تھا مگر نشہ نہیں کرسکتا۔ وہ شراب نہیں پی سکتا۔" لیکن حقیقت یہی تھی...... شمائلہ شدت غم سے تڑپ رہی تھیں، عریش کو بھی اطلاع دے دی گئی۔
"یااللہ...... یہ کیا ہوگیا۔" عریش کوسوں دور بیٹھا تڑپ تڑپ کر رو رہا تھا، اس کا چھوٹا اور لاڈلا بھائی یوں ناگہانی حادثے کا شکار ہوکر دنیا سے چلا گیا تھا۔ کچھ گھنٹے پہلے تو بات ہوئی تھی اف کتنا دکھی اور دلبرداشتہ تھا وہ...... عریش پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگا، کس قدر بے بس تھا وہ، اپنے بھائی کا آخری دیدار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس وقت وہ جاب کی وجہ سے بری طرح پھنسا ہوا تھا، ایگریمنٹ باقی تھا ابھی دو ڈھائی ماہ سے پہلے کسی صورت وطن واپسی ناممکن تھی۔ ادھر ماں تڑپ رہی تھی...... ادھر بیٹا بلک رہا تھا، کبھی کبھی انسان سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کتنا بے بس اور لاچار ہوتا ہے کہ ہزار ہا چاہنے کے باوجود کچھ بھی نہیں کر پاتا...... کس قدر اذیت ناک وقت تھا وہ، شمائلہ بیگم کے بزنس پارٹنرز کی فیملیاں ساتھ تھیں، کچھ دور پرے کے رشتے دار، ناعمہ اور اس کے گھر والے، پرانے نوکر جنہوں نے شمائلہ بیگم کو دکھ اور اذیت کے اس کرب کے وقت سنبھالا دیا تھا۔ دانش کی تدفین ہوگئی۔ شمائلہ بیگم بالکل چپ ہوگئیں نہ کاروبار پر توجہ تھی نہ خود پر...... عریش دن میں کئی بار فون کرتا، شمائلہ بیگم گم صم کبھی جواب دیتیں کبھی چپ چاپ فون کو گھورتی رہتیں۔
"عریش...... تم آجاؤ میرے پاس آجاؤ، میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔" وہ تڑپ کر روتے ہوئے کہتیں دوسری جانب عریش بھی جذباتی ہوجاتا۔
"مما...... میں پوری کوشش کررہا ہوں، میرا دل بھی یہاں نہیں لگ رہا، میں جلدی آجاؤں گا...... پلیز مما ہمت کریں، خود کو سنبھالیں۔" عریش کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر ماں کے پاس آجائے، ماں کے گلے سے لگ کر وہ دل بھر کر رونا چاہتا تھا۔ وہ اپنے گھر واپس آکر دانش کے کمرے میں بیٹھ کر اپنا آپ ہلکا کرنا چاہتا تھا دیار غیر میں ایک ایک لمحہ گزارنا بھی عذاب لگنے لگا تھا، نہ دن میں چین آتا نہ رات میں سکون...... اس کے کانوں میں بس دانش کے آخری الفاظ گونج رہے تھے، کس قدر ٹوٹا ہوا تھا اس کا لہجہ، کس قدر یاسیت تھی اس کے انداز میں، کتنا بے بس تھا وہ اور وہ یوں یوں ہی چلا گیا...... اس لڑکی کے لیے عریش کے دل میں بے تحاشا نفرت بھر گئی تھی...... جس کی کج ادائی نے دانش کی جان لے لی تھی...... وہ تو حالات سے بے خبر تھا، اسے خبر تو وہی ملی جو اس نے سنی تھی۔

❁......❁......❁

حسب معمول سر جھکائے، سر پر اچھی طرح سے دوپٹا لپیٹے دلکشا جیسے ہی ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھی عیرہ دوڑ کر پاس آئی تھی۔
"السلام علیکم!" حسب عادت دلکشا نے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام، پتا ہے دانش کا کل بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ موقع پر ہی ختم ہوگیا۔" عیرہ کی بات پر دلکشا بری طرح اچھل پڑی تھی۔
"کیا...... کہاں، کیسے ہوا؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تب عیرہ نے تفصیل بتائی۔
"یہ خبر تو ٹی وی پر بھی چلی تھی، اللہ معاف کرے بہت برا حادثہ تھا۔ اللہ پاک سب کو محفوظ رکھے آمین۔ میں نے تو جب سے سنا نیند نہیں آئی ساری رات، فواد تو دیکھ کر آئے ہیں، بہت برا حال تھا اس کی والدہ کا بھی...... یونیورسٹی کے کچھ لڑکے اور فواد تو ہاسپٹل بھی گئے تھے، پتا چلا کہ حادثہ تیز رفتاری کے باعث ہوا، گاڑی بے قابو ہوگئی اور اس نے شراب بھی پی رکھی تھی۔" عیرہ نے ذرا سا دم لے کر ساری تفصیل بتائی۔ دلکشا ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی تھی۔
"اللہ اس کے گھر والوں پر کیا بیتی ہوگی...... جوان موت پر کیا حال ہوگا ان کا؟" دلکشا کو حقیقت میں افسوس ہوا گو کہ دانش خراب لڑکا تھا، ایسا لڑکا کہ جس سے دلکشا کو حقیقتاً خوف آتا تھا۔ وہ خود کو غیر محفوظ محسوس کرتی تھی لیکن تھا تو انسان کسی ماں کا بیٹا جوان جہان خوب صورت، بھلا ماں

کو کیا اندازہ ہوگا کہ ان کا بیٹا کیا گل کھلاتا ہے ان کے لیے تو محض بیٹا تھا، جگر گوشہ نہ جانے کیوں دلکشا کی آنکھیں بھیگ گئیں...... اس روز ہر جگہ دانش کے حوالے سے ہی بات ہو رہی تھی، ہر کوئی اس کے حادثے اور موت کے بارے میں اپنے طور سے قیاس آرائیاں اور کچھ لوگ مصالحے دار الٹی سیدھی باتیں کر رہے تھے، جانے والا چلا گیا تھا، اب اس کے بارے میں کوئی کچھ بھی کہے...... چاہے اچھا یا برا۔

رفتہ رفتہ حالات معمول پر آ گئے تھے، یہی قانون قدرت ہے۔

عریش مستقل طور پر واپس آ گیا تھا۔ شائلہ سے ملا تو ماں بیٹے کی آہ و بکا سے پورا گھر گونج اٹھا تھا، اتنا بڑا صدمہ تھا صبر آتے آتے ہی آتا تھا، دانش سے وابستہ ایک ایک بات عریش کو یاد آ رہی تھی اوپر سے شائلہ بیگم کی حالت دیکھ کر بھی عریش بہت پریشان ہو گیا تھا، وہ پہچان میں نہیں آ رہی تھیں، چند دنوں میں اتنی کمزور، بیمار اور لاغر ہو گئی تھیں کہ عریش کو ان کو دیکھ کر گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"مما...... آپ نے اپنی کیا حالت بنالی ہے، وہ چلا گیا، میں تو ہوں ناں آپ کو میرے لیے جینا ہوگا...... آپ کو خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میرا کیا ہوگا؟" عریش ماں سے لپٹ کر بری طرح رو رہا تھا۔ شائلہ بیگم کی حالت بھی بہت دگرگوں تھی، اب رونے کے علاوہ کر بھی کیا سکتی تھیں، ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دانش یوں اچانک چھوڑ کر چلا جائے گا اوپر سے یہ انکشاف کہ وہ شراب بھی پیتا تھا، یہ بات تو عریش سے چھپائی گئی، عریش کچھ سنبھلا تو سب سے پہلے اس نے کاروبار سے ماں کو علیحدہ کیا کیونکہ کاروبار بھی برائے نام ہی رہ گیا تھا، عریش کو اچھی جاب کی آفر پہلے سے ہی تھی شائلہ بیگم ویسے بھی اس قابل نہ تھیں کہ کام کر سکیں، اس لیے سب کچھ سمیٹ کر عریش نے پرکشش جاب قبول کر لی تھی۔

پیسے کی کمی بھی نہیں تھی مگر جو کچھ بھی تھا اس کو طریقے سے سنبھالنا بھی تھا، شائلہ بیگم کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ ایک کل وقتی ملازمہ ہر وقت موجود رہتی جو شائلہ بیگم کا خاص خیال رکھتی۔ شائلہ بیگم کو دیکھ کر لگتا تھا کہ اب ان کو زندگی کی چاہ نہیں ہے، بس وہ بے دلی سے زندگی گزار رہی ہیں بڑا سا گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا، ہمیشہ سے ہی وہ اس گھر میں زیادہ تر ملازمہ کے ساتھ ہی رہیں لیکن دانش کی موجودگی کا احساس تو ہوتا اس کے آنے اور جانے کا مخصوص ٹائم ہوتا، اس کا دم غنیمت تھا۔

عریش بھی مصروف ہو گیا، آفس سے آ کر وہ سارا وقت شائلہ بیگم کو دیتا، نہ دوست احباب تھے نہ ہی اس کو تفریح کا خاص شوق تھا کبھی کبھار شاپنگ کرتا تو زبردستی شائلہ بیگم کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا کہ باہر نکلنے سے دل بہل جائے گا...... کبھی اخبار پڑھ کر سناتا، کبھی ٹی وی کھول کر کوئی ڈرامہ لگا دیتا...... نمازوں سے فارغ ہو کر شائلہ بیگم اکثر قرآن پاک بھی پڑھ لیا کرتیں، پابندی سے ہاسپٹل لے جانا اور روٹین چیک اپ کروانا بھی عریش کبھی نہیں بھولتا، شوگر اور سانس کا مرض تو تھا ہی اب مستقل بی پی ہائی رہنے لگا تھا...... عریش ان کی طرف سے بہت فکرمند رہتا تھا۔

دانش کو اچانک سے کھونے کے بعد عریش کے لیے شائلہ بیگم ہی رہ گئی تھیں جن کا ساتھ بہت ضروری تھا۔ ویسے بھی والد کی وفات کم عمری میں ہی ہوئی تھی تب سے شائلہ بیگم نے بہت ہمت، حوصلے اور مستقل مزاجی سے دونوں بیٹوں کو سنبھالا تھا۔

❁......❁......❁

یونیورسٹی میں کچھ دن دانش کے حوالے سے جھوٹی سچی باتیں ہوئیں اور پھر آہستہ آہستہ دانش قصہ پارینہ بنتا چلا گیا...... دن پر لگا کر گزرتے چلے گئے، دو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا ان دو سالوں میں شمسہ کے شوہر شعیب کا ٹرانسفر اسلام آباد ہو گیا اور نہ چاہتے ہوئے بھی شمسہ کو فیملی کے ساتھ وہاں جانا پڑا، نمرہ اور اسریٰ تو جاتے وقت بہت روئی تھیں۔ ان کو سلمیٰ مامی اور دلکشا آپی کی اتنی عادت ہو چکی تھی کہ دوری کے تصور سے ہی بہت مغموم تھیں۔

نوکری تو نوکری ہوتی ہے نوکری بھی خاصی اچھی تھی سو نہ چاہتے ہوئے بھی بوریا بستر سمیٹے شمسہ بیگم اسلام آباد کوچ کر گئیں...... ادھر سلمیٰ بیگم کو دلکشا کی شادی کی بھی فکر ہو رہی تھی وہ اچھے رشتوں کی تلاش میں تھیں مگر...... اچھی صورت شکل، تعلیم یافتہ، سگھڑ، نیک اور شریف ہونے کے باوجود پتا نہیں کیا بات تھی کہ کوئی رشتہ طے نہیں ہو رہا تھا۔ شمسہ ہمیشہ یہی تسلی دیتیں۔

''بھابی کون سا دلکشا بوڑھی ہوگئی ہے، آپ فکر نہ کریں، اللہ پاک نے ہر کام کی تکمیل کے لیے وقت مقرر کیا ہوتا ہے اور جہاں اور جب اس ذات پاک کی مرضی ہوتی ہے وہ کام اسی وقت پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے، ہم انسان صرف نیک گھڑی اور خیر کی دعا ہی مانگ سکتے ہیں۔'' یقیناً دلکشا کے لیے بھی اللہ پاک نے نیک گھڑی مقرر کر رکھی تھی جس کے پورے ہونے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا، دلکشا نے ایک اسکول میں وائس پرنسپل کا عہدہ سنبھال لیا تھا، اسی دوران گھر کے اوپر کے پورشن کی مرمت کروا کر شعیب صاحب کے دوست کی فیملی کو کرایہ پر دے دیا تھا تاکہ وقت بے وقت خدانخواستہ کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو سلمیٰ بیگم اور دلکشا کو سہارا رہے...... انس چالیس پینتالیس سالہ تھے ان کی بیوی صنوبر اور دو بیٹے ارحم اور ارسل تھے۔ سلمیٰ بیگم کا دل بھی بچوں سے بہلا رہتا۔

چار اور پانچ سال کے ارحم اور ارسل بہت شریر اور باتونی تھے، صنوبر بھی سلمیٰ بیگم اور دلکشا کا بہت خیال رکھتیں۔ اکثر صنوبر اور دلکشا گروسری وغیرہ یا پھر کبھی دوسری شاپنگ کرنے ساتھ چلی جاتیں ارحم اور ارسل کو بھی دلکشا کے اسکول میں داخل کروا دیا تھا گویا ان لوگوں کے آنے سے ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی اپنا آ گیا ہو، انس بے حد شریف النفس اور صوم وصلوٰۃ کے پابند انسان تھے جن کو دلکشا بھائی کہتی اور وہ بھی دلکشا کا چھوٹی بہنوں کی طرح خیال رکھتے۔

دراصل صنوبر اور انس کی پسند کی شادی تھی، دونوں کی فیملیاں مخالف تھیں اس لیے یہ دونوں اپنی اپنی فیملی سے کٹے ہوئے تھے، خود بھی محبت کے ترسے ہوئے اور اکیلے تھے، ان لوگوں کو بھی شعیب اور شمسہ کے جانے کے بعد سلمیٰ بیگم اور دلکشا سے مل کر بہت اچھا لگا تھا بالکل ایک خاندان کی طرح تعلقات تھے۔ دلکشا اسکول جاتی تو اسے اس بات کا اطمینان رہتا کہ پیچھے سلمیٰ بیگم اکیلی نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ صنوبر ہوتی ہے، بچے بھی دلکشا کے ساتھ ہی وین سے اسکول چلے جاتے۔

❁......❁......❁

گزشتہ دو سالوں میں شمائلہ بیگم بھی داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ والدہ کی موت کے بعد عریش کو اتنے بڑے گھر سے وحشت ہونے لگی تھی، اس نے وہ گھر فروخت کر کے اسی ایریا میں ایک چھوٹا سا بنگلہ نما گھر خرید لیا تھا۔

عریش کا نہ گھر آنے کا وقت ہوتا...... نہ کوئی پراپر روٹین تھی، آفس سے دیر تک واپس لوٹتا، آفس میں واحد دوست احسن تھا جس سے اس کی اچھی خاصی دوستی تھی اور احسن عریش کے حالات سے واقف بھی تھا سوائے دانش کی موت کے، باقی تمام باتیں عریش نے احسن سے شیئر کی تھیں، احسن اس کے اکیلے پن پر اکثر اسے ٹوکتا...... وہ خود شادی شدہ تھا اس کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھا لیکن اپنی بیوی عظمیٰ کے ساتھ خوشگوار زندگی گزار رہا تھا۔ وہ اکثر کہتا۔

''یار کب تک یونہی اکیلا رہے گا...... کتنی مشکل زندگی ہے، نہ گھر میں پکانے والی ہے، نہ کپڑے دھونے والی، نہ تمہارا خیال رکھنے والی، یار وحشت نہیں ہوتی تمہیں اکیلے؟'' وہ تلخی سے ہنس دیتا۔

''یار...... دل ہی نہیں کرتا، مما کو ارمان تھا میری شادی کا، زندگی نے ان کو موقع نہیں دیا...... اب کس کے لیے شادی کروں؟ عادت ہوگئی ہے یونہی تنہائی کی، تنہائی سے وحشت ہوتی ہے جب ماضی کی یاد آ جائے تب بہت اکیلا پن محسوس ہوتا ہے پھر نارمل ہو جاتا ہوں۔'' وہ بکھرے ہوئے لہجے میں جواب دیتا۔

''پھر بھی یار...... شادی کے بنا زندگی بے کار ہے، میں

بھی شادی کرنے میں انٹرسٹڈ نہیں تھا، اماں ابا اور بہنوں کی زبردستی پر شادی کرلی، واقعی اب لگتا ہے کہ اصل زندگی تو یہی ہے، بس یار، تم بھی ہاں کردو، میں خود تمہارے لیے اچھی سی لڑکی تلاش کروں گا۔" احسن پیار سے کہتا۔

"رہنے دو یار، تم کس چکر میں پڑ گئے۔ چائے منگواؤ سر میں درد ہو رہا ہے۔" عریش بے زاری سے بولا۔

"ایک بات تو بتاؤ؟" احسن نے آنکھیں ترچھی کرکے بغور اس کے بیزار چہرے کی طرف دیکھ کر تھوڑا سا جھک کر سوال کیا۔

"ہمم......" عریش نے ابرو اٹھائے۔

"کہیں تم ناکام عاشق تو نہیں ہو...... اور عشق میں ناکامی کے بعد شادی نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھے ہو، اب قسم توڑنے کی ہمت نہیں؟" احسن نے سوال کیا۔ ایک لمحے کو عریش کے چہرے پر دکھ کا سایہ لہرایا، اسے نہ جانے کیوں دانش کی یاد آ گئی۔ وہ بھی تو ایسی ہی سچویشن کا شکار ہوا تھا۔

"کیا...... کیا ہوا؟ کیا میری بات میں صداقت ہے۔" احسن تھوڑا سا جھکا اور گہری سوالیہ نظریں عریش کے چہرے پر گاڑ کر کھوجنے والے انداز میں پوچھا۔

"ارے نہیں، نہیں...... یار ایسی کوئی بات نہیں، سوچوں گا۔ اس موضوع پر ابھی صرف اور صرف چائے کی طلب ہے بس۔" عریش نے جان چھڑانے والے انداز میں گویا فی الحال اس موضوع کو اپنی طرف سے بند کرنے کا اعلان کردیا تھا۔

"اوکے یار، منگوالی ہے، بس آتی ہی ہوگی تمہاری چائے۔" احسن نے پیچھے ہوتے ہوئے کرسی سے ٹیک لگاتے کہا لیکن یہ حقیقت تھی کہ احسن کو عریش پر ترس آتا تھا...... وہ دل سے چاہتا تھا کہ اس کا بھی گھر بس جائے وہ بھی ایک نارمل اور اچھی زندگی گزارے۔

❁......❁......❁

"امی جی، میری ایک کولیگ کی بہن کی شادی ہے مختصر افراد کا پروگرام ہے مگر اس نے مجھے خاص طور پر انوائیٹ کیا ہے...... دل تو نہیں چاہ رہا لیکن سوچ رہی ہوں چلی جاؤں۔" رات میں کھانا کھاتے ہوئے دلکشا نے ماں کو مخاطب کرکے کہا۔

"ضرور...... ضرور جاؤ بیٹی۔" سلمٰی بیگم تو دل سے چاہتی تھیں کہ دلکشا ایسی تقاریب میں جایا کرے، ایسے مواقعوں پر ہی اکثر خواتین لڑکیاں پسند کرتی ہیں۔

"ہاں...... بہت اصرار کیا ہے اس نے، ایک تو عبیرہ پاگل بھی شادی کے بعد اتنی مصروف ہوگئی ہے کہ ایک میسج کرنے کے لیے بھی ہفتہ بھر لگ جاتا ہے۔" کافی دنوں سے عبیرہ سے بھی بات نہیں ہوئی تھی اس لیے دلکشا کو غصہ آرہا تھا۔

"ارے بیٹی، شادی کے بعد سسرال اور سسرال والوں کی ساتھ ٹائم گزارنا پڑتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ اچھی لڑکی ہمیشہ پہلے سسرال والوں کا، شوہر کا اور اپنے گھر کا زیادہ خیال رکھتی ہے، شروع کے کچھ دن ہوتے ہیں! اگر لڑکی اپنی خواہشات، پس پشت ڈال کر خوش اسلوبی، مستقل مزاجی پوری محبت اور لگن کے ساتھ گھر والوں کے ساتھ مثبت رویہ استوار رکھے تو وہ اپنے حسن سلوک سے سب کا دل جیت لیتی ہے اور ایک لڑکی کو سسرال میں اچھا مقام، عزت، پیار، مان اور اعتماد سب کچھ مل جاتا ہے، بس یہی تو وہ اہم اور ضروری چیزیں ہوتی ہیں جن کے خواب پلکوں پر سجا کر ایک لڑکی میکے کے آنگن سے سسرال کی دہلیز تک کا سفر طے کرتی ہے، خوش نصیب ہوتی ہیں وہ لڑکیاں جن کو سسرال میں یہ سب کچھ مل جائے...... ان ہی اصول پر چل کر ہر لڑکی اپنے قدم جما لیتی ہے اور اعلیٰ مقام پا لیتی ہے، مجھے تو بہت خوشی ہے کہ وہ اپنے شوہر اور سسرال والوں کو بھرپور وقت دے رہی ہے۔" سلمٰی بیگم نے لمبی چوڑی مگر بڑی کارآمد گفتگو کر تھی...... دلکشا خاموشی سے سنتی رہی، تب ہی صنوبر آ گئی، وہ چنے کی دال کا حلوہ لے کر آئی تھی آج انس کی فرمائش پر بنایا تھا۔

"ارے واہ...... زبردست بھابی، میرا دل بھی کر رہا تھا کچھ میٹھا کھانے کو۔" دلکشا نے صنوبر کے ہاتھ سے گرما گرم حلوے کی پلیٹ لیتے ہوئے کہا۔

"آجاؤ بیٹی، کھانا کھالو...... آج دلکشا نے کڑھی پکائی ہے۔" سلمیٰ بیگم نے دعوت دے ڈالی۔

"نہیں آنٹی جی، انس اور بچے کھانے پر انتظار کررہے ہیں۔" صنوبر نے معذرت کی۔

"اچھا ایسا کریں...... یہ پیالہ لے جائیں، بھائی کو بھی کھلائیں اور آپ بھی کھالیں۔" دلکشا نے دسترخوان پر رکھا ہوا کڑھی کا پیالہ اٹھا کر صنوبر کی جانب بڑھایا۔

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔" صنوبر نے مسکراتے ہوئے پیالہ تھاما اور پلٹ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

"بڑے ہی مزے کا حلوہ پکایا ہے بھابی نے۔ لیں امی آپ بھی کھالیں۔" صنوبر کے جانے کے بعد دلکشا نے حلوے کی پلیٹ ماں کی طرف بڑھائی۔

"بہت مزا ہے صنوبر کے ہاتھ میں، ہر چیز بہترین پکاتی ہے ماشاءاللہ۔" سلمیٰ بیگم نے دل سے تعریف کی۔ دلکشا نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آئی اور شادی کے لیے لباس کا انتخاب کرنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

ہال میں زیادہ لوگ نہیں تھے جب وہ داخل ہوئی تھی، دور سے عندلیب آتی دکھائی دی۔ دلکشا کو دیکھ کر عندلیب بہت خوش ہوئی اور گرم جوشی سے گلے لگالیا اور اس کو لے کر اپنے پاپا اور مما سے ملوانے لے گئی۔ دلکشا سب سے ملی پھر انولپ عندلیب کو تھمایا...... بارات آچکی تھی۔

"دلکشا پلیز، تم مائنڈ مت کرنا...... میں ذرا مہمانوں کو دیکھ لوں تم بیٹھ جاؤ۔" عندلیب نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں...... میری فکر مت کرو۔ تم میزبان ہو، تم اپنے مہمانوں کو دیکھو۔" دلکشا نے اس کے کاندھے تھام کر پر خلوص لہجے میں کہا۔

"اوکے تھینک یو دلکشا، ابھی آتی ہوں۔"

"دل...... کشا۔" کچھ فاصلے پر بیٹھے عریش کے کانوں میں یہ آواز پڑی۔

"دل کشا۔" وہ زیرلب بڑبڑایا...... منفرد اور ذرا ہٹ کے نام تھا۔

"دل کشا......" یہ نام...... یہ نام تو اس کے ذہن کے کسی گوشے میں، بکل مارے بیٹھا تھا وہ پہلے تو ٹھٹکا پھر تیزی سے گردن موڑی، آواز کے تعاقب میں نظریں بے ساختہ اٹھیں، یکا یک عریش کو لگا جیسے اس کا سر چکرا گیا ہو، اس نے پلکیں جھپک کر دوبارہ اسی جانب دیکھا، اس کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیلتی چلی گئی تھیں، ایک مرکز پر آکر جم گئیں، وہ جیسے ایک لمحے میں پتھر کا ہوگیا تھا، ٹکٹکی باندھے وہ مسلسل عین سامنے دیکھ رہا تھا، بھیڑ سے کچھ فاصلے پر وہ کرسی پر اکیلی بیٹھی، عریش کی نگاہوں کی مکمل زد میں تھی۔ عریش حیرت کی تصویر بنا مسلسل دیکھ رہا تھا، ٹی پیک اور لائٹ پرپل کومبینشن کا نفیس موتیوں اور دھاگے، ہلکے سے تلے والے نازک سے کام والے جارجٹ کے لانگ فراک، پرپل چوڑی دار پاجامے اور ٹی پنک نازک سی سینڈل میں دوپٹا سر پر ڈالے وہ نگاہیں جھکائے اپنے موبائل میں مصروف تھی۔ اچانک اس نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا۔

"اف...... وہی...... ہوبہو وہی تھی بالکل وہی۔" تصویر جو آج بھی عریش کے موبائل گیلری میں موجود تھی وہ جو دانش نے بھیجی تھی عریش کا دل عجیب انداز سے دھڑکنے لگا۔

"وہی نام، یقیناً وہی لڑکی ہے۔" عریش نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں...... اس کا پارہ ہائی ہونے لگا، تلخ یادیں شدت سے سر اٹھانے لگیں، وہ تیزی سے جگہ سے اٹھا، غم وغصے سے اس کی حالت غیر ہورہی تھی لیکن اچانک اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ جیسے کسی غیبی طاقت نے اس کے قدم جکڑ لیے ہوں...... اس کا دماغ بہت تیزی سے چلا تھا، چند لمحوں میں ہی اس کے چہرے کی کرختگی، اس کی آنکھوں میں پھیلی غصے کی لالی اور اس کے دل ودماغ پر چھایا ہوا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا، ایک لمبی سانس لے کر اس نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی، رومال سے چہرہ صاف کر کے وہ دھیمے دھیمے قدموں سے چلتا ہوا دلکشا

کی ٹیبل تک آیا......دلکشا اس وقت سوفٹ ڈرنک کے ہلکے ہلکے سپ لے رہی تھی۔
"ایکسکیوزمی مس۔" بھاری آواز پر دلکشا نے چونک کر سر اٹھایا۔
"اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو یہاں بیٹھ سکتا ہوں کیونکہ میری طرح آپ بھی غالباً اس وقت تنہا اور بوریت کا شکار ہیں؟" متانت بھرے لہجے اور دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ مخاطب ہوا تھا، دلکشا نے بغور اسے دیکھا۔ ڈارک گرے ڈریس پینٹ، گرے اور بلیک لائننگ کی شرٹ میں سلیقے سے بال سنوارے دراز قد، اسمارٹ اور اچھی شکل وصورت والا لڑکا تھا......لب ولہجے سے شائستگی نمایاں تھی، ایک لمحے کو دلکشا کا دل چاہا کہ منع کر دے لیکن پھر وہ یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ کیا پتا عندلیب کا خاص مہمان ہو۔
"ضرور۔" دلکشا نے نہ چاہتے ہوئے لہجے کو خوشگوار بنا کر کہا۔
"دراصل میں اپنے دوست کے ساتھ آیا ہوں......وہ مجھے بٹھا کر پتا نہیں کہاں غائب ہوگیا، مجھے ایسی تقاریب میں وحشت ہوتی ہے اور وہ زبردستی لے آیا لیکن اب سوچتا ہوں کہ بہت اچھا کیا جو میں آ گیا۔" آخری جملہ ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا تھا۔ دلکشا نے چونک کر اسے دیکھا، وہ دھیرے دھیرے مسکرا رہا تھا۔ دلکشا گڑبڑا گئی تھی۔
"جی......میری فرینڈ کی بہن کی شادی ہے ظاہر ہے وہ بہت بزی ہے اس لیے میں اکیلی بیٹھی ہوں اور کسی کو جانتی نہیں، ویسے میں بور نہیں ہو رہی تھی۔" دلکشا نے کہا۔
"ہمم......" عریش مسکرایا۔
"آپ......کیا کرتی ہیں؟" لگتا تھا کہ وہ مسلسل بات کرنا چاہ رہا تھا۔
"میں وائس پرنسپل ہوں ایک اسکول کی۔" دلکشا کو بھی نہ جانے کیوں وہ عام لڑکوں سے قدرے مختلف لگا، سنجیدہ اور پروقار۔
ماشاء اللہ......میں ایک یہاں پر بھی اکیلا اور اتفاق سے اس دنیا میں بھی اکیلا......میرے مما، پاپا نہیں ہیں، میں بالکل اکیلا ہوں۔" اس کا لہجہ رندھ گیا تھا۔
"اوہ......" دلکشا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
"سوسیڈ......بہت دکھ کی بات ہے۔" دلکشا کو واقعی دکھ ہوا تھا۔
"آپ کا نام تو دلکشا ہے اور میرا عریش وقار۔" اگلے لمحے وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔
"ہائیں......میرا نام آپ کو کیسے پتا چلا؟" دلکشا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔
"ہاہاہا، دیکھیں بس......منفرد اور بہت اچھا نام ہے اس لیے یاد رہ گیا۔" یکایک اس کا لہجہ سنجیدہ ہوا تھا، دلکشا بدستور حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عریش چاہ رہا تھا کہ کسی طرح دلکشا کے بارے میں سب کچھ معلوم کرلے، قسمت سے آج نظر آئی ہے نہ جانے پھر کب ملے ملے یا نہ ملے وہ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔
"دلکشا......دلکشا۔" عندلیب آواز دیتی ہوئی آ گئی تھی۔
"چلو یار کھانا کھالو یا کہو تو میں یہیں لگوادوں؟" تب ہی عریش کا دوست بھی آتا ہوا دکھائی دیا۔ عریش جلدی سے اٹھ کر دوست کی جانب بڑھ گیا تھا۔
"نہیں......نہیں عندلیب، مجھے لے کر پریشان مت ہو میں لے لوں گی کھانا......میں مہمان نہیں ہوں۔" دلکشا نے اٹھتے ہوئے عندلیب کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے کہا اور کھانے کی ٹیبل کی سمت بڑھ گئی۔ عریش نظر نہیں آ رہا تھا۔ دلکشا بھی مزید بات کرنے کی خواہاں نہیں تھی تب ہی جلدی سے کھانا کھا کر وہ عندلیب سے مل کر باہر نکل آئی کیونکہ صنوبر کی کال بھی آ گئی تھی صنوبر اور انس اسے لینے آ گئے تھے۔
"بہت شکریہ بھابی، انس بھائی قسم سے بہت اچھا لگا، بالکل سگے بھائی بھابی کی طرح آپ لوگوں نے میرے لیے اتنا وقت نکالا۔" گاڑی میں بیٹھ کر اس نے شکریہ ادا کیا تھا۔
"پاگل لڑکی، اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں، ہم

ساتھ رہتے ہوئے اتنا تو کر سکتے ہیں، ظاہر ہے اس وقت تم اکیلی کس طرح واپس آتیں۔ آنٹی بھی مطمئن ہیں۔" صنوبر نے اس کے گال پر ہلکے سے چپت لگا کر پر محبت لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

"یہ بتاؤ انجوائے کیا شادی میں؟" صنوبر نے پوچھا۔

"جی اچھا لگا...... بہت دنوں بعد کسی شادی کی تقریب میں گئی تھی، ماشاء اللہ دلہا دلہن دونوں بہت پیارے ہیں، کھانا بھی بہترین تھا۔ اچھا لگا۔" دلکشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گڈ یہ تو بہت اچھی بات ہے...... اللہ پاک تمہارے نصیب بھی بلند کرے آمین۔" صنوبر نے دل سے دعا دی۔ ویسے تو دلکشا نے کبھی بھی کسی لڑکے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا...... کبھی بھی اس بارے میں سوچا بھی نہیں تھا...... ہمیشہ فاصلہ رکھا لیکن عریش کو دیکھ کر اسے قدرتی طور پر کوئی جھنجلاہٹ، کوئی بیزاری اور چڑ نہیں ہوئی تھی، وہ قدرے ڈیسنٹ لگا تھا۔

"توبہ......" دوسرے لمحے دلکشا نے سر جھٹکا، نہ جانے کیوں اچانک عریش کا خیال آ گیا تھا۔

عریش نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا...... اس کی نظریں دلکشا کو تلاش کر رہی تھیں لیکن وہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"اف۔" وہ بے چینی سے آگے بڑھا، ہال سے باہر آ کر بھی دیکھا مگر وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"افوہ......" عریش نے ہونٹ کاٹتے ہوئے ہتھیلی پر مکا مارا، دس پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ چھلاوے کی طرح غائب ہو گئی تھی۔ حالانکہ کتنی دیر تک وہ عریش کی نگاہوں کی زد میں ہی تھی۔ ذرا سا دھیان ہٹا اور وہ غائب...... اتنا اچھا اور سنہرا موقع قسمت سے ملا تھا۔ وہ کہاں سے آئی تھی؟ اور اب شاید کبھی دکھائی بھی نہ دے۔

"یار میں اس سے نمبر ہی لے لیتا...... مزید کچھ بات کر لیتا۔" وہ بری طرح پچھتا رہا تھا، خود پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ یہ ایسی بات تھی کہ اپنے دوست سے ذکر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ "کاش میں یہاں نہیں آتا تو کم از کم یہ پچھتاوا تو نہ ہوتا۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا، اسے دانش کی یاد شدت سے آ گئی تھی، دلکشا کو دیکھ کر پرانے زخم پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ وہ ایک بار پھر سے بے قرار اور بے چین ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

دلکشا اسکول سے آ کر نماز پڑھتی پھر سلمٰی بیگم کے ساتھ لنچ کرتی اور کچھ دیر آرام کر لیتی کیونکہ دونوں ماں بیٹی فجر سے جاگ رہی ہوتی تھیں۔ اس روز بھی حسب معمول سو کر اٹھی تو روزانہ کی طرح سلمٰی بیگم اپنے روزمرہ کے کام نبٹا چکی تھیں اور اب نماز عصر کی تیاری کر رہی تھیں...... دلکشا نماز پڑھ کر چائے بنا کر لے آئی اور دونوں ماں بیٹی صحن میں بیٹھ کر چائے پینے لگیں۔ انس کی آج کل ایوننگ ڈیوٹی تھی وہ دوپہر میں جا کر رات کو بارہ بجے کے بعد واپس آتا تھا۔

"صنوبر بھابی آ جائیں میں نے چائے بنا لی ہے۔" دلکشا نے آواز لگائی تو صنوبر نیچے چلی آئی، اس وقت ارحم اور ارسل ٹیوشن پڑھنے گئے ہوئے تھے۔

"شکریہ...... دلکشا۔" اپنا کپ لے کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی صنوبر نے مسکرا کر دلکشا کا شکریہ ادا کیا تھا۔

چائے پی کر صنوبر اوپر چلی گئی، سلمٰی بیگم اور دلکشا کو کچھ گھر کا سامان لینا تھا اس لیے وہ دونوں بازار کی طرف نکل گئیں...... بازار سے مطلوبہ سامان لے کر دونوں باہر آئیں آج گرمی بھی کچھ زیادہ تھی، سلمٰی بیگم کو گرمی سے چکر سے آنے لگے تھے۔

"امی آپ یہاں بیٹھیں میں آپ کے لیے جوس لے کر آتی ہوں۔" دلکشا نے ایک دکان کے باہر رکھی کرسی پر ماں کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... اتنی خراب طبیعت نہیں ہے میری، میں چل سکتی ہوں، بس رکشہ دیکھ لو۔" سلمٰی بیگم نے کہا اور ساتھ چل دیں، سڑک پر آ کر دلکشا رکشہ دیکھنے لگی، سلمٰی بیگم پیچھے کھڑی تھیں، تب ہی سلمٰی بیگم کو اچانک زور سے چکر آنے لگے، انہوں نے دلکشا کو آواز دی، دلکشا پلٹ کر

تیزی سے بھاگی، ان کو سنبھالنے لگی لیکن وہ ہاتھوں سے پھسلنے لگیں، قبل اس کے کہ وہ زمین پر گرتیں، دو مضبوط مردانہ ہاتھوں نے سلمیٰ بیگم کو سنبھال لیا تھا۔ دلکشا نے حیرت اور گھبراہٹ سے ہاتھوں کے تعاقب میں اوپر کو نظریں اٹھائیں، اس کے ذہن میں جھما کا ہوا وہ عریش تھا۔

''ہاسپٹل لے جائیں شاید بی پی لو ہو رہا ہے۔'' مجمع سے کسی نے آواز لگائی۔ دلکشا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

''دیکھ کیا رہے ہیں گاڑی میں بٹھیں جلدی کریں۔'' عریش کی آواز پر وہ گڑبڑائی اور کوئی وقت ہوتا تو شاید یوں کسی اجنبی کی گاڑی میں ہرگز نہ بیٹھتی مگر اس وقت صورت حال نازک اور مشکل تھی۔ قریبی پان کی شاپ والا پانی کی ٹھنڈی بوتل لے آیا تھا...... سلمیٰ بیگم کو پانی پلایا اور فوری گاڑی میں بیٹھا کر قریبی ہاسپٹل لے آئے، دلکشا بہت پریشان تھی۔ عریش اس وقت کسی فرشتے کی مانند آ گیا تھا۔

''کوئی پریشانی کی بات نہیں، گرمی کی وجہ سے بی پی معمولی سا لو ہو گیا تھا، میں نے انجکشن لگا دیا ہے، ابھی ٹھیک ہو جاتی ہیں۔'' دلکشا کو روتا دیکھ کر ڈاکٹر نے پاس آ کر تسلی دی۔

''آپ اپنی والدہ کو گھر لے جا سکتے ہیں۔'' دوسرا جملہ ڈاکٹر نے عریش کو دیکھ کر کہا تو عریش نے مسکرا کر دلکشا کی طرف دیکھا یعنی ڈاکٹر عریش کو بیٹا سمجھ رہا تھا۔

''بہت بہت شکریہ...... آپ نے بہت مدد کی، میں تو بری طرح گھبرا گئی تھی۔ پہلی بار امی کی حالت اس طرح سے دیکھی ہے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔'' دلکشا کو اب خیال آیا تھا۔

''شکریہ کی بات نہیں، یہ انسانی فریضہ سمجھ کر کیا ہے، اللہ پاک کو ہمیں اس طرح سے دوبارہ ملوانا مقصود تھا، شاید اسی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے...... شکر الحمدللہ آپ کی والدہ اب بہتر ہیں۔'' عریش ویسے ہی قدرت کی اس مہربانی پر بے پناہ خوش تھا پچھلے ایک ماہ سے وہ دلکشا کو لے کر مسلسل ذہنی دباؤ کا شکار تھا اور اس وقت اس انو کھے ملاپ پر اندر سے بہت خوش تھا۔ سلمیٰ بیگم کی خراب طبیعت اور عریش کا بروقت وہاں پہنچنا اس بات کی دلیل تھی کہ اللہ پاک کی مہربانی عریش پر بھی۔

جب کہ دلکشا کے لیے یہ محض اتفاق اور عریش کا احسان ہی تھا۔ دلکشا سلمیٰ بیگم کو ساتھ لے کر کلینک سے باہر آئی تو عریش کو ابھی تک کاریڈور میں موجود دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''اب کیسا فیل کر رہی ہیں آنٹی؟'' وہ کرسی سے اٹھ کر سلمیٰ بیگم کے قریب آ گیا۔

''الشکر الحمدللہ بہت بہتر ہوں...... بہت شکریہ بیٹا، تم نے اتنی مدد کی اللہ پاک تمہیں اجر دے آمین۔'' سلمیٰ بیگم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تشکرانہ لہجے میں کہا۔

''نہیں آنٹی، شکریہ کی بات نہیں، مجھے شکریہ کہہ کر شرمندہ نہ کریں۔ آپ کے علاوہ بھی کوئی ہوتا تو میں اسی طرح مدد کرتا...... یہ احسان نہیں ہے، اگر کسی کو پریشان دیکھ کر ہم اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مدد نہ کر سکیں تو میرے خیال میں یہ بے حسی کی انتہا ہو گی، آج میں کسی کے کام آؤں گا تو کل ضرورت پڑنے پر میرے کام بھی کوئی آئے گا اور سچ کہوں تو میں آج بہت مطمئن، پرسکون اور پر امید ہوں۔'' آخری جملہ گویا سلمیٰ بیگم اور دلکشا کی سمجھ سے باہر تھا پھر بھی دونوں کے چہروں پر تشکر تھا۔

''ہاں بیٹا بات تو ٹھیک ہے تمہاری...... اللہ پاک تمہیں اجر دے آمین۔'' سلمیٰ بیگم نے کہا اور آگے بڑھ گئیں وہ بھی تیزی سے باہر کی جانب چل دیا۔ میڈیکل اسٹور سے دوائیں لے کر سلمیٰ بیگم اور دلکشا باہر آئے تو وہ سامنے کھڑا نظر آیا۔

''آنٹی اگر آپ برا نہ مانیں اور مجھ پر بھروسا کر سکتی ہیں تو میں آپ کو گھر چھوڑ دوں؟'' اس کے لہجے میں التجا تھی۔

''بیٹا کیسی باتیں کر رہے ہو؟ اب تم مجھے شرمندہ کر رہے ہو۔'' سلمیٰ بیگم جلدی سے بولیں۔

''بہت بہت شکریہ، آپ نے پہلے ہی بہت وقت

دے دیا ہے، گھر یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے میں ٹیکسی کرلوں گی۔" اس سے پہلے کہ سلمیٰ بیگم کچھ کہتیں، دلکشا نے نہایت شائستگی سے معذرت کرلی تھی۔

"اوہ ٹھیک ہے...... واقعی آپ کا سوچنا بجا ہے، آج کل حالات ایسے نہیں کہ کسی اجنبی کو گھر کا راستہ دکھایا جائے...... آئی ایم سوری...... ویسے میں انتہائی شریف اور معقول بندہ ہوں پھر بھی آپ کی مرضی۔" عریش نے جذباتی ہوکر نہایت سنجیدہ لہجہ اختیار کیا تھا۔

"نہیں...... نہیں بیٹا، ایسی کوئی بات نہیں، مجھے اچھی طرح اندازہ ہوگیا ہے تم کسی اچھے اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہو خوامخواہ تمہیں تکلیف ہوگی۔ ہمیں تمہارے ساتھ جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" سلمیٰ بیگم جلدی سے بولیں۔ دلکشا چپ تھی۔

"مجھے تکلیف بالکل نہیں ہوگی ماں جی...... آپ میری ماں کی طرح ہیں، پلیز آیئے۔" عریش نے تھوڑا سا سر جھکا کر سعادت مندی دکھائی، دلکشا نہ چاہتے ہوئے آگے بڑھی کیونکہ سلمیٰ بیگم لفظ ماں جی پر واقعی جذباتی ہوچکی تھیں۔ عریش نے جھٹ آگے کا دروازہ کھول کر سلمیٰ بیگم کو آگے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور دلکشا کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔

"شکریہ ماں جی، مجھ پر بھروسا کرنے کا، آپ کو برا تو نہیں لگا میں آپ کو ماں جی کہہ لوں؟ مجھے آپ مما جیسی لگی ہیں۔" عریش نے سیٹ سنبھال کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ہاں بیٹا ضرور، یقیناً تمہاری مما بھی تمہاری طرح ہمدرد اور اچھی ہوں گی...... اللہ پاک ان کو سلامت رکھے۔" سلمیٰ بیگم کی بات مکمل ہوئی تو عریش کے چہرے کا رنگ ایک دم پھیکا پڑ گیا...... اس کے چہرے پر اداسی کے سائے لہرانے لگے تھے۔

"ان کی مغفرت کی دعا کیجیے ماں جی...... اللہ پاک نے مجھ سے باپ اور ماں دونوں سائے جدا کردیئے ہیں۔ تب ہی کسی بزرگ خاتون یا صاحب کو دیکھ کر مجھے بے ساختہ اپنے والدین یاد آجاتے ہیں۔" اس کے لہجے میں بے پناہ یاسیت تھی۔ آنکھوں میں دکھ ہی دکھ تھا۔

"اوہ معاف کرنا بیٹا، اللہ پاک تمہارے والدین کو اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔" سلمیٰ بیگم کے ساتھ دلکشا کو بھی یہ سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔

"بہن بھائی وغیرہ؟" سلمیٰ بیگم نے پوچھا، عریش کے چہرے پر ایک دم ہی دکھ کے ساتھ ساتھ تاریک سایہ سا لہرایا تھا۔

"میں بہت بدقسمت ہوں ماں جی...... اللہ پاک نے میرے لیے تنہائی لکھ دی ہے، ساری نعمتوں سے محروم ہوں، اکیلا اور اپنے آپ سے بیزار انسان۔" اس کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔ آواز رندھ گئی تھی۔

"اف......" دلکشا نے بے ساختہ اسے دیکھا۔

دلکشا بھی بہت دکھی ہوگئی تھی جبکہ سلمیٰ بیگم کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ اتنا اچھا، اتنا پرخلوص انسان اور اتنا دکھی، وہ حقیقت میں بہت آزردہ تھیں۔

"تھوڑی دیر بعد گھر آ گیا تھا بس یہاں روک دو بیٹا۔" سلمیٰ بیگم نے کہا، گاڑی رکی، عریش نے ہلکا سا سر اٹھایا اور گھر کا جائزہ لیا...... ڈبل اسٹوری سادہ طرز کا بنا ہوا، مکان تھا کارنر کا ہونے کی وجہ سے دو جانب سے تھوڑا سا زمین کا حصہ لے کر اس پر ڈم ڈم کی باڑھ لگی ہوئی تھی۔

"آنٹی جی بس دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔" سلمیٰ بیگم اترنے لگیں تو عریش نے سر جھکا کر عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"بالکل...... بالکل بیٹا تم بھی ہمارے ساتھ گزشتہ ڈیڑھ گھنٹے سے خوار ہورہے ہو، ایک کپ چائے تو پی لو کم از کم...... مجھے اچھا لگے گا۔" سلمیٰ بیگم نے مہمان نوازی دکھائی۔

"بہت شکریہ ماں جی پھر کبھی سہی۔ مجھے بھی اچھا لگے گا آپ کے ساتھ چائے پینا مگر کچھ ضروری کام ہے ہاں ایک گزارش ہے آپ سے، ایک بیٹے کی طرف سے......" شائستگی سے معذرت کرتے ہوئے دل کی بات زبان پر آہی گئی۔

"بالکل بالکل بیٹا ضرور۔" سلمٰی بیگم نے کہا۔

"کبھی کبھی اگر ایک بیٹے کو ماں سے ملنے کا دل چاہے تو کیا میں آپ سے ملنے آسکتا ہوں؟" باادب لہجے میں اجازت چاہی۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں، بیٹا ضرور، مجھے خوشی ہوگی۔" سلمٰی بیگم نے فراخدلی دکھائی۔ دلکشا کو بھی عریش سے ہمدردی ہوگئی تھی۔ اتنا اچھا، پیارا انسان اور کس قدر دکھی تھا۔ اتنے پیارے پیارے رشتوں سے محروم کتنا اکیلا تھا وہ...... فطرتاً ہمدرد بھی شاید اسی لیے تھا کہ وہ اپنوں کی محبت اور خلوص سے ترسا ہوا تھا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے جاچکا تھا۔ سلمٰی بیگم اور دلکشا اندر آئے۔ سلمٰی بیگم تو کمرے میں جا کر لیٹ گئیں دلکشا سودا سمیٹ کر رات کے کھانے کی تیاری کرنے کچن میں آ گئی بعد میں صنوبر اور انس کو بھی سلمٰی بیگم کی طبیعت کا پتا چلا تو وہ لوگ بھی مزاج پرسی کرنے آئے۔ سلمٰی بیگم مسلسل عریش کا ہی ذکر کر رہی تھیں۔ عریش کے لیے دعائیں بھی مانگ رہی تھیں...... اٹھتے بیٹھتے، بس عریش، عریش کا ذکر سنتے سنتے دلکشا بھی عاجز آ گئی تھی۔ سلمٰی بیگم کو یہ بھی ملال تھا کہ ہائے کم از کم بیچارے بچے کا نمبر ہی لے لیتی تو کبھی کبھی خیریت معلوم کر لیتی۔

"ارے امی جی، بس بھی کردیں وہ بیچارے دن اور رات ہچکیوں کی زد میں رہتے ہوں گے...... رحم کردیں ان کے حال پر اب۔" آخرکار دلکشا نے لگاتار ہفتے بھر صرف وہی ذکر سنا تو مزاحیہ انداز میں ماں کو ٹوکا، سلمٰی بیگم اس کی بات پر مسکرا کر رہ گئی تھیں۔

❁......❁......❁

اتوار کے دن حسبِ معمول دلکشا نے گھر کی تفصیلی صفائی اور ڈسٹنگ کی، لنچ بھی صنوبر کی فرمائش پر بنایا اسے کافی دن سے دلکشا کے ہاتھ کی سبزی کی بریانی اور کوفتے کھانے کا دل کر رہا تھا۔ خاص طور پر دلکشا نے آج لنچ میں سبزی کی بریانی، کوفتوں کا سالن اور سوئیاں پکائیں...... لنچ سے فارغ ہو کر ہفتے بھر کے کپڑے دھونے واشنگ مشین بھی لگا لی مغرب سے کچھ پہلے کپڑے دھو کر فارغ ہوئی، وہ فریش ہو کر باہر آئی تو سلمٰی بیگم نے جب تک چائے بنالی تھی۔ دونوں ماں بیٹی صحن میں بیٹھ کر چائے پی رہی تھیں کہ ڈور بیل بجی...... دلکشا چائے کا کپ میز پر رکھ کر دروازے تک آئی۔

"السلام علیکم!" غیر متوقع طور پر عریش کو سامنے دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے گڑبڑائی تھی۔

"وعلیکم السلام!" اس نے جواب دیا تھا۔

"میں اماں جی سے ملنے آیا ہوں...... ان کو یہیں بلوا دیں تا کہ سلام کر کے چلا جاؤں...... شاید انٹری ناممکن ہے۔" شرارت بھرے لہجے میں ہلکا سا طنز کیا تھا۔

"اوہ سوری...... آجائیں۔" دلکشا کو احساس ہوا تو جلدی سے بولی اور راستہ دیا۔

"السلام علیکم! اماں جی۔" وہ سلمٰی بیگم کے آگے تھوڑا سا جھکا۔

"وعلیکم السلام! ارے بڑی عمر ہے ماشاءاللہ تمہاری، تمہیں ہی یاد کررہی تھی دل میں، جیتے رہو۔ کیسے ہو؟ اتنے دن بعد یاد آئی؟" اماں کے گلے شکوے شروع ہوگئے تھے۔

"بس ماں جی مصروف رہتا ہوں، آج چھٹی تھی تو سوچا آپ سے ملاقات کرلوں۔" ایک اچٹتی سی نظر دلکشا پر ڈال کر وہ سعادت مندی سے بولا۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔" دلکشا نے میز سے چائے کی ٹرے اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ضرور...... گھر کی چائے نصیب ہی کم کم ہوتی ہے۔" وہ معصومانہ لہجے میں بولا۔ دلکشا چائے دے کر اپنے روم میں چلی گئی۔ سلمٰی بیگم نے اپنے بارے میں بتایا...... اس نے کچھ اپنی باتیں کیں، آج یاد سے سلمٰی بیگم نے اس کا نمبر لے لیا تھا اور ساتھ ہی اپنا نمبر بھی دے دیا تھا، کچھ دیر بیٹھ کر وہ پھر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا تھا۔

"بہت سعادت مند اور سیدھا بچہ ہے...... بتاؤ تو ہم سے بھلا کیا رشتہ ہے، اچھا خاصا پیسے والا ہے پھر بھی ہم

جیسے متوسط لوگوں سے اتنی اچھی طرح سے میل جول رکھا ہوا ہے...... آج کے دور میں بھی دیکھو کچھ امیر صرف نام کے نہیں بلکہ دل کے بھی امیر ہیں...... اللہ تعالیٰ خوش رکھے آمین۔" سلمٰی بیگم نے دل سے دعا دی۔

دوسری بار وہ آیا تو انس اور صنوبر بھی گھر پر تھے۔ انس اس سے ملا بہت شائستہ اور نپی تلی گفتگو کرنے والا، انس بھی اس سے مل کر خوش ہوا تھا...... سلمٰی بیگم نے صنوبر اور انس کو پہلے سے اس کے بارے میں بتادیا تھا کہ کس طرح اس روز عریش نے ان لوگوں کی مدد کی اور واپسی میں گھر تک ڈراپ بھی کیا...... غائبانہ تعارف تو تھا آج ملاقات بھی ہوگئی تھی۔ انس کو بھی عریش سے مل کر اچھا لگا تھا۔

❁......❁......❁

ایک بات سلمٰی بیگم اور دلکشا نے خاص طور پر محسوس کی تھی کہ عریش جب بھی آتا اور جتنی دیر بھی یہاں بیٹھتا اس کی نگاہوں کا مرکز سلمٰی بیگم ہی ہوتیں۔ بھی دلکشا کو نظر بھر کر نہیں دیکھتا...... بس سلام دعا کر لیتا یا کبھی گفتگو کے دوران اچٹتی سی نگاہ ڈال لیتا، جیسے عموماً لڑکے لڑکیوں سے بات کرنے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، رابطہ رکھنے کے لیے پہلی ملاقات میں سیل نمبر مانگ لیتے ہیں، حیلے بہانوں سے گھور گھور کر دیکھتے ہیں لیکن عریش قطعاً مختلف تھا، اس کی بات میں ٹھہراؤ اور شائستگی ہوتی، بڑی محتاط اور نپی تلی باتیں کرتا۔ بلاشبہ وہ بہترین شخص تھا۔

ویسے تو عموماً اتوار کو ہی آدھے گھنٹے کی لیے آجاتا لیکن اس روز اچانک ہی دن میں آگیا۔ سلمٰی بیگم گھر پر اکیلی تھیں۔ دلکشا ابھی اسکول سے واپس نہیں آئی تھی۔

"خیریت تو ہے بیٹا؟" سلمٰی بیگم بے وقت اسے دیکھ کر پریشان ہوگئی تھیں۔

"جی...... جی ہاں جی، آپ سے اکیلے میں کچھ ضروری بات کرنی تھی، اس لیے اس وقت چلا آیا۔ معذرت چاہتا ہوں اگر آپ کو ڈسٹرب کیا ہو، دراصل یہی وقت اس بات کے لیے مجھے بہتر لگا۔" اس نے تمہید کے ساتھ معذرت بھی کی۔

"نہیں میں ڈسٹرب تو بالکل بھی نہیں ہوئی۔ البتہ حیران ضرور ہوں کہ ایسی کون سی بات ہے؟ مجھے تو فکر ہوگئی۔" سلمٰی بیگم واقعی حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی تھیں۔

"ماں جی سمجھ میں نہیں آرہا کہ بات کس طرح شروع کروں۔ تھوڑا سا ڈر بھی رہا ہوں اور گھبراہٹ بھی ہورہی ہے، ویسے تو یہ باتیں بزرگ ہی کرتے ہیں لیکن میں اپنے بزرگ کھو چکا ہوں اور بھائی، بہن میں کوئی بڑا اللہ پاک نے دیا نہیں، دوست احباب میرے ہیں نہیں ایک واحد دوست ہے جو اس وقت بیرون ملک میں ہے، اس لیے بہ حالت مجبوری مجھے ہی یہ بات کہنی پڑرہی ہے کہ میں آپ کی بیٹی دلکشا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" سلمٰی بیگم اس کی بات پر اچھل پڑیں، انہیں قطعی امید نہیں تھی کہ عریش دلکشا کا رشتہ بھی مانگ سکتا ہے، بظاہر دلکشا سے بالکل لاتعلق نظر آنے والا دل میں یہ خواہش رکھتا ہے، حالانکہ کتنی بار سلمٰی بیگم کا دل شدت سے چاہا تھا کہ یہ خوب صورت، مالی لحاظ سے مستحکم اور شریف لڑکا ان کا داماد بن جائے لیکن عریش کی کی بات سے کبھی بھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ دلکشاء میں انٹرسٹڈ ہے۔

"ماں جی کیا ہوا؟ بہت معذرت کہ اگر آپ کو میری بات بری لگی ہے تو مگر حلفیہ کہتا ہوں کہ میں شریف انسان ہوں، امریکہ جیسے ملک میں تنہا سالوں گزارنے کے بعد بھی الحمدللہ سگریٹ تک نہیں پیتا، کبھی بھی کسی لڑکی کی طرف اس نظر سے نہیں دیکھا، شادی کے نام سے بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر آپ لوگوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں آپ سے خاص لگاؤ ہوگیا ہے، اکیلا رہتے رہتے عاجز بھی آگیا ہوں، روپے پیسے کی کمی نہیں ہے، بس اچھے جیون ساتھی کی ضرورت محسوس کرنے لگا ہوں، پھر بھی اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں مگر پلیز کوئی بدگمانی دل میں نہ لایئے گا۔" اس کا لہجہ انکساری میں ڈوبا ہوا تھا۔

"نہیں بیٹا...... ایسی کوئی بات نہیں۔" سلمٰی بیگم چونکیں۔

"ایسے معاملات جھٹ پٹ طے نہیں ہوتے، میں دلکشا سے پوچھ کر فیصلہ کروں گی، انس اور صنوبر سے بھی مشورہ کرلوں پھر ان شاءاللہ کوئی راستہ نکل آئے گا۔" سلمٰی بیگم نے متانت سے کہا۔

"جی ٹھیک ہے...... بہت بہت شکریہ، آپ ہر طرح سے مطمئن ہوجائیں میں انتظار کروں گا، آپ کا فیصلہ میرے حق میں ہو یا نہ ہو مجھے دل و جان سے قبول ہوگا۔" عریش نے سعادت مندی سے سر جھکا کر ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

"اچھا ماں جی میں چلتا ہوں۔" عریش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"جائے، جوس کچھ لے لو۔" سلمٰی بیگم نے کہا۔

"شکریہ ماں جی پھر کبھی سہی۔" کہتا ہوا وہ باہر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سلمٰی بیگم بے حد خوش تھیں، دلکشا کی شادی کو لے کر وہ بہت فکر مند رہتی تھیں اور عریش جیسا لڑکا ان کا داماد بن جائے اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہوگی۔ ایک ماں، اپنی بیٹی کے لیے جیسے آئیڈیل داماد کی متلاشی ہوتی ہے عریش ان تمام خصوصیات پر پورا اترتا تھا۔ سلمٰی بیگم کے دل کی خواہش بھی یہی تھی، اللہ پاک نے ان کی خواہش پوری کردی تھی۔

دلکشا کو بھلا کیا اعتراض ہوتا، قابل اعتراض کوئی نکتہ تھا ہی نہیں پھر بھی سلمٰی بیگم نے انس اور صنوبر سے مشورہ بھی کیا، انس کو ذمہ داری دی کہ عریش کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات جو عام طور پر رشتہ کے حوالے سے کی جاتی ہیں وہ کرلے پھر رشتہ پکا کردیا جائے، عریش نیک شریف اور بھلا لڑکا تھا، اس ایریا میں آئے کچھ سال ہی ہوئے تھے۔ آفس بھی کچھ ماہ پہلے جوائن کیا تھا، اچھی ریپوٹیشن تھی، تھوڑی بہت معلومات کے بعد رشتہ طے کردیا گیا تھا...... دلکشا بہت خوش تھی، رشتہ پکا ہونے سے پہلے ایک دن عریش نے دلکشا سے خود بات کی تھی اور دلکشا کی تسلی بخش گفتگو سے وہ بھی مطمئن ہوگیا تھا۔ عریش چاہتا تھا کہ شادی بھی جلدی کردی جائے۔ انتہائی سادگی سے وہ صرف نکاح کر کے رخصتی چاہتا تھا، کسی قسم کے جہیز سے بھی انکار کررہا تھا مگر سلمٰی بیگم کی زبردستی اور اصرار تھا کہ جو کچھ بھی دلکشا کے لیے جوڑ کر رکھا ہے وہ ہر صورت میں اسے دوں گی...... میرا آگے پیچھے کون ہے، جس کے لیے کچھ بچا کر رکھوں، دلکشا اس بات کو لے کر بہت آزردہ اور پریشان تھی کہ اس کی شادی کے بعد سلمٰی بیگم تنہا رہ جائیں گی لیکن انس اور صنوبر نے اس کو پیار سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"تم ہم دونوں کو ابھی تک غیر سمجھتی ہو کہ ہم آنٹی کا خیال نہیں رکھ سکتے۔" ان کے خلوص اور محبت پر دلکشا آبدیدہ ہوگئی تھی۔ یہ بھی عریش کی شرافت کا ثبوت تھا کہ جب دونوں کی بات پکی ہوگئی اور رشتہ طے ہوگیا تب اس نے دلکشا کو اپنا سیل نمبر دیا اور اس کا نمبر لیا تاکہ ایک دوسرے کی پسند ناپسند اور عادات واقف ہوجائیں۔

اکثر و بیشتر کال پر دونوں بات کرتے، عریش بہت اچھی اور نرم گفتگو کرتا، اس کا خیال رکھتا، اپنی چھوٹی چھوٹی باتیں اس سے شیئر کرتا، اس کے لیے گفٹس لاتا، پیار بھرے جملے، محبت بھرا لہجہ دلکشا کو کسی اور جہاں لے جاتا، وہ ہواؤں میں اڑنے لگتی، کبھی کبھی عریش کی باتوں پر وہ کھلکھلا کر ہنس دیتی اگر عریش سامنے ہوتا تو اس کی ہنسی پر قربان ہونے لگتا، پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھتا، اتنی گہری نظریں ہوتیں کہ دلکشا بلش ہونے لگتی اور آنکھیں پھیلا کر معصومیت سے پوچھتی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" وہ خمار آلود لہجے میں کہتا تو دلکشا شرما جاتی۔

"بس ہنستی رہا کرو" وہ خمار بھرے لہجے میں کہتا۔

دلکشا مسکرا کر پیار سے اسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلا دیتی، عبیرہ سے آج کل دلکشا کی بات چیت نہیں ہوپاتی کیونکہ عبیرہ کے سسرال میں کوئی قریبی رشتے دار کی شادی تھی اور وہ سسرال والوں کے ساتھ حیدرآباد گئی ہوئی تھی۔ لمبا پروگرام تھا کچھ ماہ کے لیے گئی تھی۔ شادی کی تیاری میں

بھی مصروف تھی اسی لیے بات چیت تقریباً بند ہی تھی۔
عریش نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا کہ شادی کے بعد ماں جی کو ہم اپنے ساتھ ہی رکھیں گے مگر سلمیٰ بیگم نے کہہ دیا تھا کہ ہمارے یہاں بیٹیوں کے گھروں میں ہم جاتے ہی بہت کم کم ہیں...... رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دلکشا کے لیے کپڑے، جیولری، شوز اور دیگر ضروری سامان خریدنے کے لیے عریش نے دلکشا کی مرضی اور پسند کو مقدم رکھا اور اس کو ڈھیر سارے پیسے دے دیئے کہ وہ خود ہر چیز اپنی پسند سے لے لے کیونکہ اسے تو لیڈیز شاپنگ کا کوئی تجربہ تھا ہی نہیں۔

"ارے واہ بھئی، ماشاء اللہ تمہارے تو بڑے مزے ہیں، دلکشا، دلہے بھائی تو ابھی سے فریفتہ ہیں تم پر...... اللہ پاک نظر بد سے بچائے آمین۔" صنوبر کبھی کبھی پیار سے اسے چھیڑتی، وہ صرف مسکرانے پر اکتفا کرتی اور دل ہی دل میں اللہ پاک کا شکر ادا کرتی واقعی وہ کتنی خوش نصیب تھی کہ اتنا چاہنے والا، اتنا خیال رکھنے والا جیون ساتھی ملا تھا۔ ہر بات میں دلکشا کی پسند کا خیال رکھتا، کچھ چیزیں خود بھی خریدی تھیں جو بقول عریش کے سرپرائز تھیں۔

"اوہو سرپرائز بھی ہے...... ایسا کون سا سرپرائز ہے بھلا...... ہر چیز کا تو مجھے علم ہے، ایسی کون سی چیز ہے جو آپ نے چھپا کر رکھی ہے؟" دلکشا اترا کر پوچھتی۔

"یہ تو تمہیں بعد میں پتا چلے گا۔ ایسا زبردست پلان ہے میرا۔" وہ قہقہہ لگا کر بولتا۔ "تمہاری آنکھیں دل، دماغ سب کچھ کھل جائے گا، دیکھ لینا۔"

"ہائے اللہ آپ تو میرا تجسس بڑھا رہے ہیں، بھلا ایسا کون سا گفٹ ہے، مجھے تو کھلبلی ہو رہی ہے۔" وہ واقعی حیران ہو کر پوچھتی۔

"ہاہاہا...... ایسا ہی گفٹ ہے میری جان...... انوکھا، شاکڈ کر دینے والا، تمہاری سوچ کی حدوں سے دور بہت دور ایسا تحفہ جسے ساری زندگی یاد رکھو گی۔ تحفے کے ساتھ، ساتھ تحفہ دینے والے کو بھی کیونکہ میں یہی چاہتا ہوں کہ تم، ساری زندگی مجھے یاد رکھو۔" اس کا لہجہ ذومعنی ہو جاتا دلکشا تو بس اس کی آواز کے سحر میں ڈوبنے لگتی۔

"سچی۔" وہ کھلکھلائی۔

"مچی۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتا۔

"قسم سے یار...... تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" وہ شرما جاتی۔

شادی کی تیاری مکمل ہو چکی تھیں عریش کی خواہش تھی کہ شادی سادگی سے ہو، اسی طرح سے چند لوگوں کی موجودگی میں جن میں انس، صنوبر، عریش کے تین کولیگ دوست، دلکشا کی تین ٹیچرز اور محلے کے چند بزرگ حضرات اور خواتین شامل تھے۔ جہیز کے حوالے سے دی جانے والی چیزیں سلمیٰ بیگم کے اصرار پر پہلے ہی عریش کے گھر بھی دی گئی تھیں۔ عریش نے سادگی کے باوجود دلکشا کے لیے شادی اور ولیمے کے بہت قیمتی جوڑے اور جیولری منگوائی تھی۔ میک بھی اپ شہر کے بہترین بیوٹی پارلر سے کروایا تھا۔ بقول عریش کے یہ یادگار وقت ہوتا ہے اس وقت کی تصاویر اور ویڈیو ساری عمر دیکھی جا سکتی ہے اس لیے اس ایونٹ کی تیاری بہترین ہونی چاہیے اسی لیے دلکشا آج بہت حسین لگ رہی تھی۔ عریش بھی بہت شاندار دلہا لگ رہا تھا۔ سلمیٰ بیگم نے دونوں کی نظر اتاری۔ ڈھیر ساری دعاؤں کے حصار میں دلکشا بابل کی دہلیز پار کر کے سسرال پہنچی۔ دل میں بے شمار ارمان، بہت کچھ کہنے اور سننے کی خواہش لیے یہاں آئی تھی۔

❁......❁......❁

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب عریش نے کروٹ بدلی تھی۔ آنکھیں کھول کر سامنے کی طرف دیکھا تو دلکشا صوفے پر بیٹھی تھی اس کی طرف سے رخ موڑے۔ آنکھیں مکمل کھلی ہوئی تھیں وہ تو اپنے ماضی کے دریچے میں گم تھی۔ تھوڑا سا اوپر ہو کر تکیے سے سر اٹھا کر عریش نے بغور اسے دیکھا۔

"یہ سوگ بند کرو...... میرے کمرے میں نحوست مت پھیلاؤ، لائٹ آف کر کے چپ چاپ سو جاؤ...... سوگ منانے کو ساری زندگی پڑی ہے۔ میری نیند خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔" اتنا سفاک لہجہ دلکشا بری طرح چونکی،

جلدی سے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں اور بنا کچھ کہے اٹھ کر لائٹ آف کردی۔ نیا گھر، اجنبی جگہ اور اپنے گھر سے خاصا بڑا بھی تھا، ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کمرے سے ہی باہر چلی جائے، ابھی تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ گھر کیسا ہے، کچن کہاں ہے؟ پھر رات کے چار بجے وہ کہاں منڈلاتی...... اسی لیے مجبوراً اسے بھی بیڈ کے دوسرے کنارے پر لیٹنا پڑا...... نیند تو ویسے بھی روٹھ چکی تھی۔ وہ دعا مانگتے مانگتے فجر کی اذان کا انتظار کرنے لگی، ایک وہی ذات ہے جو گھپ اندھیرے اور تاریک راستوں میں روشنی کی کرن دکھاتی ہے۔ بے چینیوں کو چین اور بے قراریوں کو قرار مل جاتا ہے۔

یہ بات تو عریش نے شادی سے پہلے ہی کلیئر کردی تھی کہ تم کو جاتے ہی گھر سنبھالنا ہے...... نہ کچن کے لیے کوئی ملازمہ رکھی ہے نہ دیگر گھر کے کاموں کے لیے اور اس بات پر دلکشا نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر کہا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں جناب، ان شاء اللہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا...... میں مانتی ہوں کہ آپ اکیلے ہیں؟ میں ذہنی طور پر تیار ہوں، دوسرے دن ناشتہ میرے ہاتھ کا ہی ملے گا بس آپ ضرورت کی چیزیں کچن اور فریج میں لاکر رکھ دیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے حضور مجھے لسٹ بنا کردے دیں۔" وہ جھک کر پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولا تھا۔

"اوکے باس۔" وہی شرمیلی اور مخصوص مسکراہٹ سے جواب ملا تھا۔

"قسم سے یار۔" وہ تھوڑا سا اور جھکا۔

"کیا؟" دلکشا نے پلکیں اٹھائیں۔

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" محبت بھرے لہجے میں گنگنایا۔

"اف......" اسے لگا جیسے واقعی عریش نے ابھی ابھی اس کے کان میں یہ بات کہی ہو...... اس نے چونک کر دیکھا، عریش مزے سے چادر تانے سو رہا تھا، ٹھنڈی سانس لے کر جائے نماز تہہ کرکے بیڈ کے سرہانے رکھی، قرآن پاک لے کر کمرے سے باہر آ گئی۔ دن نکلنے والا تھا اس لیے ہمت کرکے بیڈروم سے ملحقہ کمرے میں صوفے پر بیٹھ کر تلاوت کرنے لگی، جانے کتنی دیر تک وہ کلام پاک کی تلاوت میں کھوئی رہی، جب کہ روشنی بھی ہوگئی، اسے احساس تک نہیں ہوا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔

"میرے دل میں تمہارے لیے جو نفرت پنجہ گاڑ کر بیٹھی ہے وہ عبادت سے بھی کم نہیں ہوگی۔ آئی سمجھ۔" وہ سر پر کھڑا بول رہا تھا۔

"اٹھو اور ناشتہ بناؤ، مجھے بھوک لگ رہی ہے...... ہاں پہلے ایک کپ چائے بنا کر دو مجھے۔" حاکمانہ انداز، شاید اب اسی طرح کے جملے، یہی نفرت اور حقارت کے ساتھ ہی ہر رات کا اختتام اور ہر صبح کا آغاز ہونا تھا...... کچھ کہہ کر یا چپ رہ کر ہنس کر یا رو کر کسی بھی طرح سے اس زندگی کو گھسیٹنا تو تھا ہی...... دوسرا کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔ جینا، مرنا، تڑپنا، رونا سب کچھ یہیں پر اور اسی گھر سے وابستہ تھا۔ یہ کیسی نئی زندگی کی شروعات تھی، کیا کسی کے ساتھ ایسا بھی ہوتا ہوگا، یوں ارمانوں کا گلا گھونٹا گیا ہوا؟ اتنی تضحیک اور تذلیل وہ بھی، ایک غلط بات کو لے کر یک طرفہ بات سن کر۔

وہ خاموشی سے اٹھی قرآن پاک کو چوم کر جزدان میں رکھ کر کچن کا تعین کرتی ہوئی روم سے باہر نکلی۔ ساتھ ہی سرسری سا گھر کا جائزہ لیا...... گیٹ سے داخل ہونے کے بعد تو دو طرف چھوٹا سا لان تھا اور درمیان میں راہداری اور راہداری سے کچھ آگے کورڈ کار پارکنگ تھی۔ اس بیڈروم سے ملحق ایک اور بیڈروم تھا...... کاریڈور کے دوسری جانب بھی تین کمرے یقیناً ایک ڈرائنگ روم اور ایک بیڈروم اور ایک کامن روم تھا، دوسری جانب اوپن بڑا سا کچن اور کچن کے ساتھ ہی لاؤنج تھا جس میں ڈائننگ ٹیبل دیوار کے ساتھ صوفہ سیٹ، سامنے کی وال پر بڑی سی ایل ای ڈی۔ صوفے سیٹ کے کچھ فاصلے پر ایزی چیئر، دیوار کے دوسری طرف لمبا چوڑا سا سائیڈ بورڈ اور دیوار میں بنا شیشے کا خوب صورت سا ریک تھا جس میں خوب صورت برتن اور

شو پیس تھے۔ وہیں پر بڑا سا فریج اور فریج کے ساتھ ہی چھوٹا سا فریزر تھا...... کچن پھوہڑ پنے اور مردانہ ہاتھوں کا مارا نظر آرہا تھا۔ سب سے پہلے تو دلکشا نے چولہے پر چائے کا پانی رکھا، تھوڑی سی جدوجہد سے چینی اور پتی کے ڈبے مل گئے۔ فریج میں دودھ، انڈے، مکھن، جیم اور کچن میں شیلف پر ڈبل روٹی موجود تھی۔ چائے تیار کر کے کمرے میں جا رہی تھی کہ عریش خود ہی کمرے سے باہر آگیا اور صوفے پر بیٹھ کر اخبار کا مطالعہ کرنے لگا۔ دلکشا نے چائے کی پیالی اس کے سامنے رکھی اور واپس کچن کی طرف مڑ گئی...... ساتھ ہی ناشتہ بھی تیار کیا...... سلائس، ہاف فرائی انڈا، مکھن، جیم، شہد سب کچھ سلیقے سے ٹیبل پر سجایا...... فریش جوس بھی تیار کیا، ساری چیزیں ٹیبل پر رکھ کر صرف عریش کی طرف دیکھا، عریش خاموشی سے ٹیبل پہ آبیٹھا۔

ایک انڈا، ایک گلاس دودھ اور جوس کے لیے بھی ایک ہی گلاس، عریش نے سرسری سی نظر ناشتے پر ڈالی۔ وہ ناشتہ رکھ کر پلٹی، اس کا رخ بیڈروم کی طرف تھا۔

"کیوں تم نے کچھ نہیں کھانا پینا؟" عریش نے دیکھا تھا کہ اس نے چائے کا بھی صرف ایک ہی کپ بنا کر اسے دیا تھا اور خود نہیں لیا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں۔" مختصر جواب دیا۔

"اس طرح سے کب تک بھوک ہڑتال کرو گی، میرے گھر میں میرے ساتھ رہو گی، کل کلاں کچھ ہوگیا تو لوگ تو میرا گلا پکڑیں گے ناں میرے گھر میں ہو، بدقسمتی سے میری بیوی بھی ہو تو یہ ذمہ داری تو میری بنتی ہے ناں اپنے لیے بھی ناشتہ بنا کر لاؤ۔" اس نے حکم دیا تو دلکشا نے زخمی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ذمے داری...... بس یہی ذمہ داری ہے، تین وقت کی روٹی اور کوئی ذمہ داری، کوئی حق کوئی فرض نہیں ہے۔" بے بسی سے سوچ رہی تھی۔

"جی بالکل زندہ تو رہنا ہے مجھے، اپنے لیے نہ سہی، دکھاوے اور دوسروں کے لیے۔" تلخی سے سوچتی ہوئی واپس کچن کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی تو اسے میکے بھی جانا تھا، شام کو دعوت ولیمہ کے نام پر دلکشا کے گھر والوں کو اس نے ہوٹل میں ڈنر پرائیویٹ بھی کر رکھا تھا۔ یہ دنیاداری بھی تو نبھانی تھی۔ لوگوں کے سامنے اپنی ہتک اور اپنی بے عزتی کا بھلا کون پرچار کرتا ہے؟ یہ سب تو سہنا تھا اور گھر سے باہر، دوسروں کے سامنے مصنوعی خوش ہونے کا ناٹک بھی کرنا تھا...... خود کو مطمئن ظاہر کرنا تھا، جیسا شادی سے پہلے تھی۔

یہ بات طے تھی کہ صبح ناشتے کے بعد عریش دلکشا کو میکے چھوڑ جائے گا اور شام کو واپس لے آئے گا تاکہ اسے پارلر چھوڑ آئے اور ولیمے کی مختصر سی دعوت کی تیاری کر سکے...... ناشتے سے فارغ ہوئے تو صرف نو ہی بجے تھے...... اتنی جلدی تو میکے بھی جانا ممکن نہ تھا اس لیے عریش نے ناشتے کے بعد کوئی انگلش مووی لگائی تھی...... دلکشا جلے پیر کی بلی کی طرح سارے گھر میں ادھر ادھر گھومتی رہی، باہر لان کی طرف آگئی، کیاریوں کے ساتھ ہی سنگی بینچ بنے تھے دوسری جانب گارڈن چیئرز کا سیٹ رکھا تھا وہ ایک چیئر پر بیٹھ گئی۔

"یااللہ! اس طرح کیسے زندگی گزرے گی بھلا؟ اللہ پاک مجھے حوصلہ دے۔" اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔ "عریش آپ ایسے تو نہ تھے۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

"ساڑھے گیارہ بجے تک تمہیں تمہارے گھر چھوڑ دوں گا اگر تیار ہونا ہے تو ہو جاؤ۔" "اگر" پر زور دیتے ہوئے وہ عین سامنے کھڑا تھا۔

"اگر......" وہ طنز سے بولی...... "اگر نہیں...... مجبوری ہے میری۔" بے ساختہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخی سے بولی۔

"ہاہاہاہا...... بہت خوب...... یہ بات بھی ٹھیک ہے، چلو پھر مجبوری میں ہی تیار ہو جاؤ۔ گیارہ بج چکے ہیں۔" عریش نے جاندار قہقہہ لگا کر اس کے طنز کا جواب بھرپور طنز سے دیا۔

وہ دوپٹا سنبھال کر کھڑی ہوگئی۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ

بجے تیار تھی۔ میکے کی طرف کا لائٹ پرپل کلر کی کی لانگ شرٹ، چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا بھاری کام والا پرپل اور بلو کلر کا دوپٹا سر پر اچھی طرح سے سیٹ کر کے ہلکے میک اپ اور میچنگ نازک خوب صورت سی جیولری، پرپل نازک پٹیوں والی ہائی ہیل کی سینڈل پہنے لمبے بالوں کو ہاف کر کے کیچر لگا کر اپنے سوگوار حسن اور ساری رات جاگنے کی وجہ سے سرخ اور مخمور آنکھوں کے ساتھ وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ عریش تیار ہو کر آیا، ایک لمحے کو وہ دیکھتا رہ گیا، دوسرے ہی لمحے سر جھٹک کر آگے بڑھا، ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم کی بوتل اٹھائی اور اسپرے کرنے لگا۔ دلکشا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، محض اتفاق تھا کہ لائٹ پرپل کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ میں نکھرا نکھرا سا عریش بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"کاش...... کاش عریش آپ ایسے نہ ہوتے۔" دل نے چپکے سے کہا مگر وہ بھی سر جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

"چلیں محترمہ...... میں لاک کر کے آتا ہوں۔" لہجے میں تیزی اور طنز نمایاں تھا۔ وہ پرس اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

"اتنا اچھا گھر کوئی بھی آگے پیچھے نہیں، اتنا اچھا اور ڈیسنٹ شوہر، سب کچھ تو تھا مگر؟" وہ یہی سوچتی ہوئی باہر کی سمت چل دی۔

اس وقت وہ عجیب حالت کا شکار تھی۔ امی جی کے سامنے اسے خوش رہنے کی اداکاری کرنی تھی، اپنے اندر کو اندر ہی دبا کر بظاہر ہنسنا مسکرانا اور شرمانا تھا، ایک انتہائی تکلیف دہ صورت حال کا سامنا کرنا تھا، کیسے کر پائے گی یہ سب کچھ، اپنے لیے ہی فکر مند تھی لیکن عریش...... اف عریش تو کمال کا اداکار نکلا تھا، اس قدر خوش مزاجی، اتنا ہشاش بشاش اور خوشگوار انداز، سلمیٰ بیگم تو صدقے واری جا رہی تھیں۔ دلکشا حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ویسے ایکٹر تو وہ واقعی بہترین تھا۔ گزشتہ آٹھ نو مہینے سے ایکٹنگ ہی تو کر رہا تھا۔

"واہ بھئی واہ عریش وقار، تم کتنے منافق ہو، کتنے دو غلے اور ڈبل فیس انسان ہو تم، کتنی خوب صورتی سے سب کو شیشے میں اتارا ہے تم نے، کتنی مہارت سے اپنا پلان مکمل کیا ہے تم نے۔" وہ بس سوچتی ہی رہ گئی۔ آدھ پون گھنٹہ بیٹھ کر عریش واپس چلا گیا تھا۔

دلکشا کے لیے اب امتحان زیادہ کڑا تھا اور نہ جانے کیسے وہ اپنا آپ چھپا کر مسکرا رہی تھی، سلمیٰ بیگم اور پھر صنوبر کے آ جانے کے بعد بھی اس نے کسی بات سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ رات اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے...... کل رات سے آج تک وہ کتنی اذیت کا شکار رہی، ایک ایک لمحہ کس دکھ اور تکلیف کے ساتھ گزارا ہے، رات سے ابھی تک کا سفر کتنے کانٹوں پر چل کر طے کیا ہے۔ اسے بے تحاشا رونا بھی آ رہا تھا، اپنا گھر، اپنا کمرہ، آنگن، کچن گو کہ یہ سب کچھ عریش کے خوب صورت اور بڑے سے گھر کے سامنے بہت کم تھا لیکن یہاں رہتے ہوئے اسے مان، محبت، عزت تو حاصل تھی۔ ایک وقت وہ کھانا نہیں کھاتی تھی تو سلمیٰ بیگم تڑپ جاتیں، خود اس کے لیے کچھ پکانے کو کھڑی ہو جاتیں اگر کبھی رات کو اسے نیند نہیں آتی تو سلمیٰ بیگم خود بھی نہیں سوتیں، اٹھ کر اس کے سر میں تیل کی مالش کرتیں، نرم اور ملائم ہاتھوں کے لمس سے وہ جلد گہری نیند میں چلی جاتی۔ پرسکون اور بھرپور نیند نہ کوئی فکر نہ کوئی ٹینشن، جو بھی تھا اب اسے ان ہی حالات کے ساتھ گزارا کرنا تھا۔ یہی ایک صورت تھی...... دوسری صورت زیادہ خطرناک محسوس ہوتی کیونکہ اس وقت وہ اکیلی اذیت کا شکار تھی جبکہ بات چار لوگوں میں پھیل جاتی اور سلمیٰ بیگم شاید یہ غم برداشت نہیں کر پاتیں۔

ولیمے کی تقریب بھی ہو گئی اور ایک بار پھر دلکشا اسی بڑے سے آراستہ پیراستہ مگر اذیت ناک گھر جو خوب صورت قید خانہ تھا آ گئی تھی۔ وہی کمرے کا تلخ اور سرد ماحول، وہی کٹھور اور بدمزاج سا انسان، وہی ماحول جس میں اسے نہ جانے کب تک رہنا تھا اس شخص کے ساتھ جس سے دلکشا کو سچی محبت تھی اور اس شخص کو دلکشا سے نفرت، شدید نفرت یہ محبت بھی بڑی عجیب چیز ہے جب

کسی سے تمام تر شدتوں سے ہوتی ہے اور جواب میں بے اعتنائی، کج ادائی اور نفرت بھی ملے تو انسان خود کو کس قدر بے بس محسوس کرتا ہے یہ تو وہی جانتا ہے جس کو محبت، خلوص، چاہت کے جواب میں صرف اور صرف بے رخی اور حقارت ملے۔

غموں سے جوڑ دیتی ہے
محبت مار دیتی ہے
بہت آزار دیتی ہے
محبت خار کی صورت
دلوں کو زخم دیتی ہے
محبت درد بن کر پھر
رگ و پے میں اترتی ہے
محبت آنکھ کا آنسو
محبت درد دل بھی ہے
محبت آہ و زاری ہے
محبت ساز غم بھی ہے
محبت ایک المیہ ہے
یہ دکھوں کی گواہی ہے
محبت روگ ہے دل کا
محبت درد بسمل ہے
محبت خوار کرتی ہے
بہت بیزار کرتی ہے

❀......❀......❀

ہفتہ بھر جیسے تیسے کٹا اور پھر عریش نے آفس جانا شروع کر دیا وہ جو چوبیس گھنٹے سر پر سوار رہتا، وقتاً فوقتاً اپنے لفظوں کے نشتر سے دلکشا کو طنزیہ گھاؤ لگاتا رہتا تھا کم از کم دلکشا کو اس سے چھٹکارا مل گیا تھا، چند گھنٹوں کے لیے لیکن یہ تنہائی، کرب اور بے بسی بھی کبھی کبھی دلکشا کے لیے بڑی تکلیف دے، بڑی اذیت ناک ہوتی، وہ کوشش کرتی کہ میکے بھی کم کم جائے، کہیں کبھی جذبات میں آ کر امی اس کے دل میں نہ جھانک لیں، خوب صورت آنکھوں کو وہ ہر دم کاجل اور مسکارے سے سجائے رکھتی تھی کہ کہیں امی جی اس کی آنکھوں کے اندر چھپے درد کو نہ پڑھ لیں......اس کے اندر اٹھتے ہوئے طوفانی جذبوں کی آگ تھی، کہیں اس آگ کی تپش امی تک نہ پہنچ جائے......کتنا مشکل تھا یہ سفر، یہ صرف وہی جانتی تھی۔

دن گزرتے رہے، ہر رات اپنے ساتھ اذیت اور کانٹوں کا بچھونا بن کر آتی تو ہر دن بے قراری، اضطراب اور بے چینی میں گزرتا، عریش بنا کہے، چکن، گوشت، سبزی اور فروٹ لے آتا اور دلکشا اپنا فرض پوری ذمہ داری اور احسن طریقے سے نباہ رہی تھی۔ وہ صبح سویرے بیدار ہو جاتی، سب سے پہلے نماز فجر پڑھتی پھر قرآن پاک کی تلاوت کرتی جب پو پھٹنے لگتی وہ قرآن پاک رکھ کر کچن میں آ جاتی، کبھی سلائس تو کبھی پراٹھوں کا ناشتہ تیار کرتی...... عریش بھی جلدی اٹھ جاتا، فریش ہو کر وہ کپڑے چینج کر کے ہی کمرے سے باہر آتا تب تک ناشتہ بالکل تیار میز پر لگا ہوتا تھا......وہ بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگتا، ناشتہ کرتے کرتے اگر دلکشا کو ناشتے کے لیے بیٹھا نہ دیکھتا تو صرف آنکھیں اٹھا کر اسے تیز نظروں سے دیکھتا اور لٹھ مارنے والے انداز میں کہتا۔

"کیوں......تم نے روزہ رکھا ہے کیا؟"

"دل نہیں کر رہا ابھی۔" مختصر سا جواب آتا۔

"کیوں، اب کیا سوگ ہے؟ اب تو تم کو عادی ہو جانا چاہیے ان حالات کا۔" لہجے سے کٹھور پن نمایاں ہوتا۔

"عریش پلیز آپ کیوں نہیں سمجھتے کہ......"

"بس مجھے بھاشن دینے کی ضرورت نہیں...... جتنا سمجھا ہوں اور جتنا سمجھ رہا ہوں وہی کافی ہے میرے لیے، اپنی تاویلیں، اپنی وضاحتیں اپنے پاس رکھو آئی سمجھ۔" وہ درمیان سے ہی بات کاٹ کر کاٹ دار لہجے میں حتمی انداز میں انگلی اٹھا کر کہتا، دلکشا بے بسی سے ہونٹ کاٹ کر رہ جاتی اور چپ چاپ کمرہ کی طرف بڑھ جاتی۔

عریش ناشتہ کر کے آفس چلا جاتا، دلکشا گھر کے کاموں میں لگ جاتی، پہلے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھتی دو چار لقمے خود بھی زہر مار کرتی......کچن صاف کر کے گھر

کی صفائی کرتی، ہفتے میں ایک بار چھٹی والے دن عریش کی موجودگی میں مما اور دانش کے روم کی صفائی کرتی، سارا ہفتہ دونوں کمرے بند ہی رہتے، ناشتے کے بعد اکثر سلمیٰ بیگم کی کال آجاتی، وہ موڈ بالکل فریش کر کے ماں سے کچھ دیر بات کرتی، لنچ کا اہتمام نہیں کرتی، عموماً لنچ کرتی ہی نہیں تھی کبھی کبھار دل کرتا تو تھوڑا بہت چکھ لیتی، ورنہ رات کو ہی کھاتی، کھانے کے حوالے سے وہ شادی سے پہلے ہی جانتی تھی کہ عریش کو کھانے میں کیا پسند ہے، اس لیے وہ عریش کی پسند کا ہی خیال رکھتی...... کبھی کبھار عریش کے حکم پر وہ اس کے ساتھ شاپنگ مال بھی چلی جاتی۔

"تم میرے گھر میں ہو دل چاہے یا نہ چاہے اتنا تو کرنا ہی پڑے گا ناں اپنے لیے گرمیوں کے کپڑے لے لو۔" احسان جتانا گویا اس کے فرائض میں شامل تھا۔

"ہیں میرے پاس کپڑے۔" وہ منہ پھیر کر اپنے آنسو چھپاتی۔

"پتا ہے مجھے ہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ تمہاری اماں یہ کہیں کہ میری بیٹی گرمیوں میں بھی وہی پرانے کپڑے پہن رہی ہے...... میں اپنا امیج خراب کرنا نہیں چاہتا۔ میں گاڑی میں بیٹھ رہا ہوں پانچ منٹ میں باہر آجاؤ۔" وہ آرڈر دے کر چلا جاتا اور دل نہ چاہتے ہوئے بھی دلکشا کو جانا پڑتا۔

"عریش کاش آپ یہ سب پیار، محبت اور اپنائیت سے کریں تو میں خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی مانوں گی مگر آپ تو دنیا دکھاوے کے لیے صرف اپنی واہ واہ کے لیے سب کر رہے ہیں، میری ذات سے کوئی دلچسپی، ہمدردی یا خیال نہیں ہے آپ کو۔" وہ دل ہی دل میں سوچتی ہوئی کن انکھیوں سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے اپنے خوبرو شوہر کو دیکھتی جو اس کا ہونے کے باوجود بھی اس کا نہیں تھا...... اتنے قریب ہونے کے باوجود درمیان میں میلوں کا فاصلہ تھا جو شاید گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

سارا دن وہ گھر میں بولائی، بولائی پھرتی، اتنا بڑا گھر اور تنہائی، گیٹ پر چوکیدار ہوتا تھا، بس ٹی وی سے دلچسپی نہ تھی۔ موبائل استعمال کرنے کی شروع سے ہی عادت نہیں تھی، عبیرہ سے آج کل رابطہ بالکل بھی نہیں تھا۔ عبیرہ کے علاوہ کوئی دوست بھی نہیں تھی کبھی کبھی صنوبر سے بات کر لیتی، کرنے کو خاص بات ہی نہیں تھی۔ جیتے جاگتے، چلتے پھرتے، صحت مند اور نارمل انسان کے لیے شاید سب سے بڑی اور تکلیف دے سزا تنہائی ہے، بالکل اسی طرح آج کل دلکشا کی حالت تھی، عریش کی طرف سے باہر جانے پر کوئی روک ٹوک نہ تھی، روپے پیسے کی کمی نہ تھی، ہر قسم کی آسائش موجود تھی، عریش نے کہہ رکھا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے بھی شاپنگ کر سکتی ہے، پیسے گھر میں الماری کی دراز میں موجود ہوتے...... ایک دو بار وہ یونہی گھبرا کر قریبی بازار بھی چلی گئی اور دو چار چیزیں بے وجہ ہی خرید لیں۔ سب کچھ تھا مگر وہ استحقاق، ہاں اس کے رشتے کی مناسبت سے اس کے حقوق کی ادائیگی، محبوب کا التفات جس کی آرزو لے کر یہاں آئی تھی، وہی نہیں ملا تھا۔ اپنے شوہر کی بے اعتنائی اور نفرت عورت کے لیے سب سے بڑا دکھ اور اذیت ہوتی ہے۔

اتوار کا دن تھا، ہفتے کا کوئی بھی دن ہو، دلکشا کی وہی روٹین تھی، وہ صبح جاگ جاتی جبکہ عریش اتوار کے دن کو بھرپور انداز میں مناتا اور اپنی نیند پوری کرتا، دلکشا نے نماز اور تلاوت کی اور کچھ دیر کے لیے لان میں آگئی، جاتی گرمیوں کے دن تھے، صبح کا موسم بڑا بھلا لگتا تھا اپنے لیے چائے کا کپ بنا لائی تھی اسے پتا تھا کہ عریش گیارہ بجے سے پہلے نہیں اٹھنے والا پھر ناشتہ بھی ہلکا ہی کرتا کیونکہ لنچ میں دلکشا اس کی پسند کا خیال رکھتے ہوئے خاص اہتمام کرتی، چائے کا سپ لیتے ہوئے وہ سنگی بینچ پر بیٹھ گئی اور نگاہ اٹھا کر دیکھا سامنے ہی ٹیرس تھا، شاید اوپر ایک روم بنا ہوا تھا...... ٹیرس بہت خوب صورت تھا جس میں کافی سارے بڑے بڑے گملے رکھے تھے۔ سوکھے اور ٹنڈ منڈ سے تھے، اتنے خوب صورت ڈیزائن والے بڑے بڑے گملے جن پر خوبصورت اور مختلف رنگ سے آئل پینٹ کیا گیا تھا۔

گرل کے ساتھ رکھے تھے۔ ان میں پھول کھلے ہوئے تھے، اس کو اپنی محرومی کا احساس ہوا تھا، وہ سر جھٹک کر اٹھی اور کچن میں آ گئی۔ عریش کے اٹھنے کا ٹائم ہو گیا تھا۔ اپنے خیالات میں مگن وہ آٹا گوندھ رہی تھی، بالوں کے جوڑے سے کچھ بالوں کی شریر لٹیں نکل کر چہرے پر لگی ہوئی تھیں، لائٹ گرے اور بلیک کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ پر ایک طرف دوپٹا لیے وہ پورے انہماک اور توجہ سے آٹا گوندھنے میں مصروف تھی۔ اس بات سے قطعی بے نیاز کہ عریش اسے بغور دیکھ رہا ہے...... عریش کی نگاہیں اس کے معصوم چہرے پر جمی تھیں، وہ واقعی خوب صورت تھی، حسن و سادگی کا مرقع، اچانک ہی دلکشا نے نگاہوں کی تپش محسوس کر کے نظر اٹھائی وہ محویت سے دیکھ رہا تھا۔ دلکشا کے چونکنے پر وہ بھی گڑبڑایا۔

"واقعی...... تم خوب صورت ہو اور اسی حسین شکل نے میرے بھائی کی جان لے لی، وہ بے قصور تھا...... نادان بھی تھا۔" اچانک ہی عریش نے برا سا منہ بنا کر تلخ لہجے میں کہا۔ شاید وہ خود کسی کمزور لمحے کی گرفت میں تھا، تب ہی انگارے چبانے لگا تھا، دلکشا نے اسے پوری آنکھیں کھول کر دیکھا اور بنا کچھ کہے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی، عریش رکا نہیں فوراً ہی مڑ کر واپس بیڈروم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

ناشتہ کر کے عریش کچھ دیر کے لیے باہر چلا گیا......

دلکشا گھر کے کاموں میں لگ گئی اور پھر لنچ کی تیاری شروع کی، آج کے مینو میں چکن پلاؤ، شامی کباب، رائتہ، سلاد اور سوجی کا حلوہ تھا...... پلاؤ دم پر رکھ کر وہ شامی کباب فرائی کر رہی تھی کہ عریش آ گیا۔ اس نے جلدی جلدی کباب تلے اور کھانا لگا دیا۔

"رات کا کھانا کھا کر تمہاری والدہ کے گھر چلیں گے...... وہ لوگ کہیں گے کہ کیسا ظالم شوہر ہے بیوی کو میکے بھی جانے نہیں دیتا، تمہاری اماں پریشان ہوں گی۔" کھانے کے دوران واحد بات کی۔

"ہنہ...... بڑا خیال ہے میری ماں کا اور اس ماں کی لاڈلی بیٹی کو لمحہ لمحہ اذیت دیتے ہو تب احساس نہیں ہوتا۔" وہ دل ہی دل میں بولی، جواب کچھ نہ دیا۔

دلکشا سے نفرت اپنی جگہ گو کہ اسے عریش نے کبھی بیوی کا درجہ نہیں دیا تھا مگر بحیثیت بیوی وہ سو فیصد مکمل تھی، عریش کے کپڑے رات کو سونے سے پہلے پریس کر کے ہینگ کر دیتی، اس کے جوتے چم چم پالش سے چمکتے رہتے۔ اس کی جرابیں جو درجنوں کے حساب سے تھیں۔ دلکشا روزانہ جرابیں بدلتی اور استعمال شدہ دھو کر رکھ دیتی، عریش کی شرٹس کی میچنگ ٹائی وہ شرٹ کے ساتھ ہی ہینگ کر دیتی، عریش شام کو آفس سے لوٹتا تو اس کے فریش ہو کر آنے تک گرما گرم چائے اس کی منتظر ہوتی، شادی سے لے کر آج تک عریش کو کسی ضرورت کے لیے کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی لگتا تھا دلکشا کے پاس کوئی غیبی طاقت ہے جو عریش کی ضرورت کے بارے میں اسے پہلے سے خبر ہو جاتی...... اس کے باوجود عریش کبھی بھی، کسی بھی وقت طنز سے باز نہ آتا۔ کبھی اس کی حسین آنکھوں کو ٹارگٹ بناتا تو کبھی اس کے چہرے کی معصومیت پر طنز کرتا...... کبھی دانش کا ذکر کرتا تو اس وقت عریش کی حالت ہی بدل جاتی، وہ جذباتی ہو جاتا، بدلحاظی اور بدتمیزی پر اتر آتا، دلکشا صفائی دینے کی کوشش کرتی تو وہ مزید بپھر جاتا...... دلکشا بے زار ہو جاتی۔

چار ماہ، جس عذاب اور اذیت میں گزارے تھے کہ وہ اب تھکنے لگی تھی، وہ تو اچھے دنوں کی آس میں تھی، بدگمانی کی دھند چھٹ جانے کے انتظار میں ایک ایک دن سولی پر لٹک کر گزارتی...... بے آواز، ڈھیر سارے آنسو اس کے تکیے کو بھگوتے اور وہ دشمن جاں کروٹ بدلے مزے سے سو رہا ہوتا...... وہ تو پتھر تھا، نہ جانے کیسا سخت اور کٹھور دل کا مالک تھا وہ۔ دن مہینوں میں بدل رہے تھے، وہ اپنی جگہ پر اسی طرح اٹل کسی مضبوط چٹان کی طرح ڈٹا ہوا تھا۔ دلکشا کروٹیں بدل بدل کر تھک جاتی۔

میرے رت جگے میرے دوست ہیں
میری کروٹیں ہیں میری گواہ

تمہیں اس درد کا کیا پتا؟
یہ تمہاری نظر میں فضول ہیں
میری ڈائری میری رازداں
ہیں اس میں کچھ نشانیاں
وہ جو خط تم نے لکھے کبھی
جو دیئے تھے تم نے وہ پھول ہمیں
جہاں چلے تھے تم کبھی
میرے ہم قدم وہ راستے بھی ہیں سوگ میں
جو محبتوں کے امین تھے
وہی راستے آج دھول ہیں

اس روز صبح سے ہی موسم بڑا خوب صورت تھا، گہرے سیاہ بادلوں سے آسمان ڈھکا ہوا تھا۔ سہہ پہر سے کچھ پہلے ہی بارش کی ننھی ننھی بوندیں موتیوں کی لڑی کی طرح آسمان سے زمین کی طرف اترنے لگیں، بھیگا موسم، برستے بادل، بارش کا شور، ہواؤں کی شوخیاں، ایسے موسم کی تو دلکشا دیوانی تھی۔ بارش اگر موسم سرما کی بھی ہوتی تو وہ چپکے سے صحن کی طرف بھاگتی، نہ جانے کیوں اسے بارش کی بوندوں سے عشق تھا۔ ایک لذت اور سرور ملتا جب بارش کے پانی کو ہتھیلی میں لے کر وہ آسمان کی طرف اچھالتی اور جب وہی قطرے واپس اس کے چہرے پر آتے تو وہ بچوں کی طرح کھلکھلاتی۔

''ارے لڑکی پاگل ہوئی ہے کیا؟ یہ کون سی گرمیوں کی بارش ہے جو بھیگ رہی ہو...... خدانخواستہ بیمار پڑ جاؤ گی، دماغ خراب ہے کیا تمہارا...... چلو فوراً کپڑے بدلو...... گرم کافی پیو، بال اچھی طرح سے خشک کرو۔'' امی کی پیار بھری ڈانٹ یاد آئی تو آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''امی جی...... آج کوئی نہیں ہے یہاں پر میرا اپنا جو مجھے روکے، مجھے ڈانٹے، میں بھیگ کر مر بھی جاؤں تو......''
اسے بے تحاشا رونا آ گیا...... دل بری طرح بھر آیا تھا، وہ لان کی سمت بھاگی۔

ٹھنڈی ٹھنڈی بوندیں اور ٹھنڈی ہوائیں...... ایک لمحے کے لیے اسے لگا جیسے یہ بوندیں اسے کاٹنے لگی ہوں...... بارش تیز ہو گئی تھی، باقاعدہ پانی کی مار محسوس ہونے لگی، وہ خود سے بیگانہ ہونے لگی، آنکھیں موندے بارش میں کھڑی جیسے اسے کچھ ہوش ہی نہیں رہا تھا...... بس دیوانوں کی طرح بارش کا پانی ہاتھوں میں لے کر اچھال رہی تھی...... اس کا جسم سن ہونے لگا تھا، باقاعدہ کپکپا رہی تھی مگر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ ہر احساس سے عاری ہو چکی ہے، کاٹن کا سوٹ اور اس پر بڑا سا دوپٹا سر پر اوڑھے...... اس کے ریشمی کالے بال بھی دوپٹے کی قید سے آزاد ہو کر چہرے سے ہوتے ہوئے کاندھوں پر آ گئے تھے...... وہ اردگرد سے بے خبر بے نیاز تھی تب ہی عریش آیا...... گاڑی رکی اور عریش اترا مگر وہ بے نیاز رہی...... عریش تیزی سے آگے بڑھا، اسے دلکشا کی دماغی حالت پر شک ہوا، وہ اچھی خاصی ٹھنڈ بھیگی کانپ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ آنکھیں بند تھیں اور ہونٹ نیلے ہو رہے تھے، عریش نے آواز لگائی لیکن وہ بدستور اسی حالت میں رہی...... عریش دوڑ کر پاس آیا۔

''دلکشا...... پاگل ہو گئی ہو تم؟'' عریش نے اس کی حالت دیکھی تو غصے سے چلایا۔ اس کو کھینچا...... دلکشا نے آنکھیں کھولیں، لال لال سرخ انگارہ آنکھیں جو بارش کے قطروں کے ساتھ خود بھی ٹوٹ کر برسی تھیں۔

''اندر چلو کیا حرکت ہے یہ؟'' عریش نے ڈانٹا اور ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر اندر کی طرف لے جانے لگا۔

اتنی اپنائیت، اتنے مان سے عریش کا ڈانٹنا وہ آنکھیں پھاڑے معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ہونٹ بدستور کانپ رہے تھے مگر دل...... دل عجیب انداز سے ضرور دھڑکا تھا۔

''چینج کرو جا کر۔'' عریش نے واش روم کی طرف دھکا دیا۔

''اف......'' وہ سرشار ہو گئی۔ کپکپاہٹ، ٹھنڈ اور تکلیف کے باوجود وہ اس بات پر شاداں تھی کہ آج پہلی بار عریش نے اسے اپنائیت سے ڈانٹا، وہ جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ باہر آئی عین

سامنے کرسی پر بیٹھا تھا وہ بیڈ پر بیٹھی اور بلینکٹ خود پر ڈال لیا۔

"کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم؟" عریش نے سخت لہجے میں سوال کیا۔ وہ جو کسی انہونی کی منتظر تھی، کٹورا سی آنکھیں اٹھائیں، اس کے چہرے کے نشیب و فراز کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔

"بہت شوق ہے مرنے کا...... اتنی بیزار ہو زندگی سے کہ مرنا چاہتی ہو تو شوق سے مرو۔" وہی سخت لہجہ، وہی سنگدالانہ انداز، وہ بری طرح چونکی۔ ایک لمحے میں ساری امیدیں، خواہشیں دم توڑ گئیں، دل بری طرح سے ٹوٹ گیا۔

"ہاں مرنا چاہتی ہوں، کیا کروں گی زندہ رہ کر۔" پہلی بار زندگی میں پہلی بار پلٹ کر بدتمیزی سے جواب دیا تھا۔

"واہ......" اس نے تالیاں بجائیں۔ "بہت اچھے، اچھا طریقہ نکالا ہے، بہت اچھی پلاننگ کر رہی ہیں محترمہ...... کیا دماغ پایا ہے...... تب ہی مجھے پھنسوانے کا اچھا پلان بنایا ہے تم مر جاؤ اور بعد میں، میں پولیس کو بھگتتا رہوں، مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو جاؤ اپنے میکے میں جا کر مرو لیکن نہیں تم نے تو عہد کر رکھا ہے، دشمنی کیا ہے تمہیں ہم سے پہلے میرے معصوم بھائی کی زندگی سے کھیلیں، اسے تباہ کر دیا اور اب نیا منصوبہ، نیا لائحہ عمل تیار کر رہی ہو ناں، مجھے تمہاری موت سے کوئی فرق نہیں پڑنے والا...... آئی سمجھ؟"

"اف اس قدر بدگمانی، اتنی منفی سوچ، اتنی بے اعتباری۔" وہ تو اوچھی باتوں پر اتر آیا تھا اس قدر کینہ اور بغض بھرا تھا اس کے دل میں، اتنے عرصے تک اگر کوئی جانور بھی پالے تو اس سے انسیت، محبت ہو جاتی ہے جانور کی تکلیف پر مالک تڑپ جاتا ہے اور یہ، یہ کیسا انسان تھا ایک جیتی جاگتی، خدمت گزار، وفاشعار اور فرماں بردار بیوی کے لیے اس قدر گھٹیا خیالات رکھتا تھا۔

اول فول بک کر وہ گھر سے باہر جا چکا تھا اور دلکشا کا دماغ بری طرح گھوم رہا تھا...... اس کا دل چاہ رہا تھا ابھی اور اسی وقت یہاں سے بھاگ جائے، برداشت کرتے کرتے اس کے اعصاب جواب دینے لگے تھے۔ بارش تھی کہ چھما چھم برس رہی تھی۔ آسمان گہرے کالے بادلوں سے مکمل طور پر ڈھک چکا تھا۔ دلکشا اس وقت خود کو دنیا کی سب سے بے بس لڑکی سمجھ رہی تھی، اس کی ہمت ختم ہو گئی تھی...... پانچ ماہ کی مسلسل دن رات کی ریاضت، اذیت، برداشت، حوصلہ سب کچھ ختم ہونے لگا تھا...... وہ تکیے میں منہ دیئے پڑی تھی۔ آج اس کی آنکھوں میں آنسو نہیں تھے بلکہ فیصلہ تھا، وہ شخص جس کی خدمتیں کرتے کرتے اچھے دنوں کی آس میں وہ بے وقعت ہو رہی تھی اور خود کو بھی بھول گئی تھی۔ اس کی ریاضت کا، اس کی خاموشی اور برداشت کا صلہ پانچ ماہ بعد ملا تو ایسا کہ "تم مر بھی جاؤ تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، ہاں عریش وقار...... واقعی تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر میری ماں کو ضرور فرق پڑے گا میں یہاں آ کر بے بس ہو جاتی ہوں مگر اب نہیں اب بہت ہو چکا۔" وہ کئی گھنٹے اس طرح بستر میں دبک کر لیٹی رہی، نہ جانے کب عریش واپس آیا، کیا کھایا؟ کھایا بھی یا نہیں، آج اسے کوئی پروا نہیں تھی، نہ ہی عریش نے اسے جگانے یا اٹھانے کی کوشش کی وہ بھی بالکل خاموش تھا۔ صبح بھی ہمیشہ کی طرح وقت پر دلکشا کی آنکھ کھل گئی، عریش گہری نیند میں تھا، دلکشا اٹھی نماز فجر ادا کی اور دوبارہ لیٹ گئی، وہ نہ تو اب عریش کے منہ لگنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس کے حوالے سے کوئی بات، کوئی کام اور ضرورت پوری کرنا چاہ رہی تھی...... وہ تھک چکی تھی۔

عریش اٹھا اور تیار ہو کر آفس بھی چلا گیا تھا، عریش کے آفس جانے کے بعد نہ جانے کیوں اسے رونا آ گیا، پانچ ماہ سے وہ بنا کہے عریش کی ہر ضرورت کا خیال رکھ رہی تھی اور آج وہ بنا ناشتہ کیے آفس چلا گیا تھا۔

"ہنہ...... جب ان کی نظر میں آج بھی میں حقیر، مجرم اور بے کار شے ہوں تو میں کیوں ان کے لیے سوچوں، وہ بدگمان تھے، بدگمان ہیں اور بدگمان ہی رہیں گے۔" وہ سر جھٹک کر اٹھ بیٹھی، اب اس کے لیے نہ یہ گھر اہم تھا نہ گھر

والا نہ اب مستقبل کا کسی بھی طرح کا خوف تھا، نہ امی کی فکر، اب معاملہ اللہ کے حوالے تھا کہ امی کا بھی وہی وارث ہے، جو بھی نصیب میں ہوگا ہونا وہی ہے یہ فیصلہ حتمی تھا۔ دل نہ جانے کیوں بڑا بے اختیار ہو رہا تھا...... برداشت ختم ہو رہی تھی اسے پچھلے کئی ماہ کسی خواب کی طرح لگ رہے تھے، عریش جب شادی سے پہلے اس سے بات کرتا، کتنا پیار، کتنی چاہت اور اپنا پن ہوتا تھا اس کی باتوں میں دلکشا خود کو کتنا معتبر اور ارفع سمجھتی تھی جب وہ کہتا تھا۔

"تم میری زندگی ہو...... میری کائنات ہو، میرے رت جگوں کا انعام، میرے صبر کا پھل میری تلاش ہو۔" وہ سماعتوں میں رس گھولتا اور دلکشا بے خود ہوئی جاتی، دلکشا کی مسکراہٹ، مترنم ہنسی میں بدل جاتی، تب وہ کتنے جذب سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے گالوں کو پیار سے چھو لیتا اور کہتا۔ "دلکشا تمہاری ہنسی دیکھ کر لوگ مونا لیزا کو بھی بھول جائیں قسم سے تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" وہ اکثر مجھ سے کہتا تھا۔

تم ہنستی اچھی لگتی ہو
ان پیاری پیاری آنکھوں میں
چاہت کے دیپ جلانا تم
بھولے سے بھی نہ رونا تم
میری چاہت بن کر جینا تم
ان پیاری سندر پلکوں کو
بوجھل خوشیوں سے رکھنا تم
جن خوابوں میں تم ہنستی ہو
ان خوابوں میں کھو جانا تم
لیکن جاناں
تم اب کیوں مجھ سے روٹھے ہو
میں دکھ نگری میں کھوئی ہوں
دیکھو تو کتنا روئی ہوں
میری پلکیں غم سے بوجھل ہیں
نینوں میں میرے برسات بھی ہے
میں ہنسنا جیسے بھول گئی
میری جندوڑی مٹی رل گئی
وہ مجھ سے جو کہتا تھا
تم ہنستی اچھی لگتی ہو
وہی اب مجھے رلاتا ہے

❁......❁......❁

عجیب بے چینی اور اداسی نے سارے وجود کو لپیٹ میں لے رکھا تھا...... کل سے کچھ کھایا پیا بھی نہیں تھا، اس نے سوچ لیا تھا کہ انتہائی قدم اب اسے واپس لوٹنا تھا، کسلمندی، سستی اور بیزاری چھائی ہوئی تھی، اسے یہ بھی علم تھا کہ آج عریش کو آفس کے کام سے ایک دن کے لیے اسلام آباد جانا تھا...... اتنا بڑا فیصلہ اس انتہائی قدم کو اٹھانے کا فیصلہ کرتے کرتے اس نے اپنی ساری رات آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ سوچتے سوچتے اور یونہی سستی سے لیٹے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا...... اسے نقاہت سے چکر آنے لگے تھے، سر درد سے پھٹا جا رہا تھا سوچا ایک کپ چائے بنا کر دو سلائس لے کر کوئی ٹیبلٹ لے گی، اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کرنا تھا، آگے کے حالات، سلمیٰ بیگم کا ری ایکشن سب کچھ ذہن میں کلبلا رہا تھا۔ فریش ہو کر کچن میں آئی، چائے کا پانی چولہے پر رکھا، وال کلاک پر نظر ڈالی۔

"اف بارہ بج گئے، تب ہی تو یہ حالت ہو رہی تھی۔" وہ تو کچھ کھاتی بھی نہیں مگر مجبوری تھی خود کو نارمل بھی رکھنا تھا تو سلائس نکال کر پلیٹ میں رکھے اور ٹیبل پر رکھ کر پلٹی ہی تھی کہ اچانک ڈور بیل بجی۔

"اس وقت کون آ سکتا ہے؟ عریش کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کل صنوبر سے بات ہوئی تھی اس نے بتایا تھا آج سلمیٰ بیگم کے ساتھ وہ کچھ شاپنگ کرنے لنچ کے بعد مارکیٹ بھی جائے گی، ویسے بھی بہت کم بمشکل دو تین بار صنوبر اور سلمیٰ بیگم یہاں آئے تھے۔ چوکیدار تو گیٹ پر ہوتا ہے...... اس نے ایسے ہی کسی کو نہیں چھوڑنا تھا۔ عریش ویسے بھی خود ہی لاک کھول کر آ جاتا ہے۔" دلکشا نے کوریڈر کا بڑا سا دروازہ کھولا سامنے غیر متوقع اور اچانک تقریباً

ڈیڑھ سال بعد عبیرہ کو دیکھ کر حیرت اور خوشی سے اس سے لپٹ گئی۔

"ارے تم......! تم یہاں کیسے، گھر کس نے بتایا، اچانک سے کیسے آ گئیں؟" وہ سوال پر سوال کر رہی تھی، عبیرہ خود بھی بہت خوش لیکن اس کو دیکھ کر بے حد ساکت رہ گئی تھی۔

"ارے یار، اندر بھی بلاؤ گی کہ یہیں سے واپس ہو جاؤں؟" عبیرہ نے شرارت سے پوچھا تو دلکشا جھینپ گئی۔

"اوہ سوری ہاں آؤ آؤ۔" اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"پلیز تم یہاں بیٹھو میں ابھی آئی چولہے پر چائے رکھی ہے۔" ڈرائنگ روم تک پہنچا کر کہا۔

"گھر میں کوئی اور تو نہیں ہے میں وہیں چلتی ہوں یار تکلف کی ضرورت نہیں، آج بہت ساری باتیں کرنی ہیں تم سے۔" عبیرہ نے بے تکلفی سے کہا اور اس کے ساتھ ہی واپس آ گئی۔

"او کے۔" دلکشا نے کہا، عبیرہ لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

"اصل میں تم سے ملنے کا بہت دل کر رہا تھا کچھ دن پہلے ہی حیدرآباد سے واپسی ہوئی...... تمہارے نمبر پر ٹرائی کر رہی تھی، مل کے نہیں دے رہا تھا تو آج صبح صبح تمہاری امی کے گھر پر دھاوا بول دیا، پتا نہیں کیوں دل بہت بے چین ہو رہا تھا تم سے ملنے اور باتیں کرنے کو، میں نے رات کو ہی فواد سے کہہ دیا تھا کہ مجھے صبح آفس جانے سے پہلے دلکشا کی امی کے گھر چھوڑ دیں، میں ان سے ایڈریس لے کر خود دلکشا کے گھر چلی جاؤں گی اور اس طرح میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"بہت اچھا، کیا دراصل میرا پرانا نمبر بند ہے اسی لیے رابطہ نہیں ہوا ہوگا۔" چائے کے دو کپ بنا کر ساتھ نمکو، بسکٹ اور کیک بھی لے آئی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں، ست لگ رہی ہو؟ کہیں میں خالہ تو نہیں بننے والی؟" عبیرہ نے بغور دلکشا کے ستے ہوئے چہرے، متورم آنکھوں کو دیکھ کر مذاق کیا۔

"نہیں...... نہیں تو۔" دلکشا کے چہرے پر تاریک سایہ سا لہرایا۔

"ماشاءاللہ گھر بہت شاندار ہے تمہارا" عبیرہ نے کیک کا پیس اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اور گھر والا تو ماشاءاللہ ہے ہی بہت شاندار۔" عبیرہ نے دوبارہ کہا۔

دلکشا مسکرا دی، پھیکی اور بے جان مسکراہٹ عبیرہ چونکی۔ اسے دلکشا مطمئن نہیں لگ رہی تھی، ایک نئی نئی شادی شدہ لڑکی جس کا شوہر اسٹیٹس والا، خوبرو اور ڈیشنگ ہو، بڑا سا گھر ہو آسائشیں اور آگے پیچھے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہ ہو وہ لڑکی کتنی خوش باش، مطمئن اور بے فکر نظر آتی ہے کچھ گڑبڑ ضرور تھی۔

"دلکشا...... سب ٹھیک تو ہے ناں، تم خوش تو ہو ناں میری دوست؟" عبیرہ نے ٹٹولنے والی نظریں اس کے مضمحل چہرے پر گاڑ کر سوال کیا۔

"ہاں...... ہاں سب ٹھیک ہے، تم نے کافی دن بعد دیکھا ہے ناں...... لو چائے ختم کرو ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" دلکشا بری طرح گڑبڑائی اور نظریں چرا کر جلدی سے جھک کر چائے کا کپ لینے لگی عبیرہ کا ماتھا ٹھنکا نہ جانے کیوں پہلی نظر میں ہی وہ دلکشا کو دیکھ کر غیر محسوس طریقے سے تھوڑی سی پریشان ضرور ہوئی تھی۔ دلکشا اسے دیکھ کر خوش ہونے سے زیادہ گھبراہٹ کا شکار ہوئی تھی۔ عبیرہ فطرتاً تھوڑی تیز لڑکی تھی اور دلکشاء کو اچھی طرح سے جانتی بھی تھی۔

"دلکشا ادھر دیکھو...... مجھے دیکھ کر بات کرو۔" عبیرہ محسوس کر رہی تھی کہ دلکشا بات کے دوران اس سے نظریں چرا رہی تھی۔

"عبیرہ...... کیا پولیس انسپکٹر کی طرح بال کی کھال نکالنے لگی ہو۔ اتنے عرصے بعد ملے ہیں ہم...... یہ بتاؤ لنچ میں کیا لو گی اب آرام سے شام کو جانا۔" دلکشا نے ہنستے ہوئے بات کا رخ پلٹا۔

"تم سناؤ کیا ہو رہا ہے، فواد بھائی کیسے ہیں؟"
"دلکشا سچ سچ بتاؤ...... تم خوش تو ہو ناں...... عریش بھائی کے ساتھ مطمئن ہو، سب ٹھیک چل رہا ہے ناں؟" اس بار عبیرہ نے اس کے سوالوں کو قطعی نظر انداز کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا اور عین اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
دلکشا نے نگاہ اٹھا کر عبیرہ کی آنکھوں میں دیکھا اتنا خلوص، اتنا پیار، اتنی ہمدردی...... اف ضبط ختم ہوگیا تھا اس کا۔
"بولو دلکشا۔" عبیرہ اس کی وحشت بھری آنکھوں سے گھبرا کر بولی۔
"نہیں ہوں میں مطمئن، نہیں ہوں خوش، کچھ بھی ٹھیک نہیں، میں شادی شدہ ہو کر بھی اپنے شوہر کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اکیلی ہوں۔ وہ ظالم، کٹھور اور سخت دل انسان مجھے بیوی بنا کر لے تو آیا لیکن بیوی کا رتبہ نہیں دیا...... میں مجبور ہوں، بے بس اور لاچار ہوں۔" ضبط کے بندھن ٹوٹے، مہینوں سے دل میں پکنے والا نفرتوں کا لاوا آنکھوں کے راستے بہہ نکلا، آج اتنے عرصے بعد کسی ہمدرد کو یوں کرید کرید کر سوال کرتا دیکھ کر وہ کچھ نہ کہتی تو شاید دل پھٹ جاتا، کب تک دل میں نفرتیں سنبھال کر رکھتی۔
"کیوں...... کیوں دلکشا، ایسا کیوں؟ عریش بھائی نے تو تمہیں پسند کر کے شادی کی خواہش کی تھی ناں، وہ تو تم سے بہت محبت کرتے تھے پھر یہ سب دلکشا...... پلیز مجھے سب کچھ بتاؤ، میرا دل پھٹ جائے گا، تمہیں دیکھ کر میں برداشت نہیں کر پا رہی یار۔" عبیرہ بھی شدت جذبات سے بے قابو ہو کر اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ ساتھ ہی ٹیبل پر رکھا ہوا پانی کا جگ اٹھا کر گلاس میں پانی نکالا اور دلکشا کی طرف بڑھایا دو گھونٹ پانی پی کر دلکشا گویا ہوئی اور عبیرہ ہمہ تن گوش۔
"عبیرہ تمہیں یاد ہے ناں...... ہماری یونیورسٹی میں ایک لڑکا تھا دانش وقار۔"
"ہاں...... ہاں بالکل اچھی طرح یاد ہے، تمہارے پیچھے پڑ گیا تھا وہ بگڑا ہوا، بے شمار لڑکیوں کا دوست اور ڈرنکر بھی تھا، اس کی موت ایکسیڈنٹ سے ہوئی تھی۔" دانش وقار کے نام کے ساتھ ہی عبیرہ نے طوطے کی طرح اس کے خواص بھی گنوا دیئے تھے۔
"تو اس لفنگے اور آوارہ مزاج شخص کا ذکر یہاں کہاں سے آ گیا؟ مجھے تم اپنی بات بتاؤ۔" عبیرہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اصل کہانی کیا ہے۔
"اس کا ہی تو ذکر ہے، مین کیریکٹر تو وہی آوارہ نوجوان ہے، جس نے مر کر بھی میری جان نہیں چھوڑی، زندہ رہا تو مجھے اس سے خوف رہا اور مر گیا تو میری زندگی تباہ کر گیا وہ۔"
"دلکشا یار پہیلیاں مت بجھواؤ مجھے صاف صاف اور جلدی سے بتاؤ کہ آخر تمہارے ساتھ عریش بھائی کا رویہ ایسا کیوں ہے؟" عبیرہ کو جھنجلاہٹ ہونے لگی وہ جلد از جلد سب کچھ جان لینا چاہتی تھی۔
"عبیرہ...... عریش دانش وقار کے بڑے بھائی ہیں...... ان کے والد جب فوت ہوئے تو بچے چھوٹے تھے ان کی مما نے دونوں بیٹوں کی پرورش کی اور کاروبار بھی سنبھال لیا، شاید دانش انٹر میں تھا جب عریش لمبے عرصے کے لیے اپنی پڑھائی کے لیے امریکہ چلے گئے، ساتھ ہی وہاں پر جاب بھی کر لی...... یہاں پر یقیناً دانش اپنی مما کے کہنے میں نہ رہا...... بڑا بھائی سر پر موجود نہ تھا، باپ تھا نہیں اور ماں نے لاڈ پیار میں بگاڑ دیا...... روپے پیسے کی کمی نہ تھی یقیناً یہ بات اس کی مما بھی جانتی تھیں کہ وہ کس قدر بگڑ گیا ہے، اس کی جائز ناجائز خواہشات پوری ہوتی گئیں اور یقیناً مما نے یہ بات عریش سے بھی چھپائی، عریش سے اتفاقاً میری ملاقات ہوئی، حد درجہ شریف اور ہر لحاظ سے اچھے تھے، کچھ عرصے وہ امی جی سے ملنے آتے رہے اور پھر شادی کی آفر کر دی...... اس کمال ہوشیاری سے انہوں نے ڈراما کھیلا کہ ذرا سا بھی گمان نہ ہوا کہ وہ کس لیے شادی کر رہے ہیں، ان کا ارادہ کیا ہے؟ ہم سب تو خوش تھے، شادی کی بات طے ہونے کے بعد وہ مجھ سے ملتے، باتیں کرتے، ہر بات شیئر کرتے اس قدر محبت، اتنا پیار کہ میں

ہواؤں میں اڑنے لگتی...... شادی کے دن تک وہ واری صدقے ہو رہے تھے اور کہا تھا کہ تمہیں شادی کا بہترین اور انوکھا تحفہ دوں گا اور تحفہ یہ ملا کہ شادی والی رات انہوں نے اپنے موبائل میں سے دانش کی تصویر دکھائی اور مجھ پر یہ الزام دھر دیا کہ میں نے دانش سے بے وفائی کی اور وہ اس بات سے بہت دل برداشتہ تھا۔" وہ سسک سسک کر بتا رہی تھی اور عبیرہ حیرت و صدمہ سے اسے سن رہی تھی۔

"عریش کو پہلے بھی میری ایک پک بھیجی تھی کہ اس لڑکی کو پسند کرتا ہوں اور پھر جس دن اس کا ایکسیڈنٹ ہوا اس دن وہ بہت دلبر داشتہ تھا کہ جس لڑکی کو پسند کرتا تھا وہ بے وفائی کر گئی...... وہ لڑکی تو میں تھی بھی نہیں مگر کیونکہ میری تصویر عریش کے پاس تھی اس لیے ان کے دل میں یہ بات پنجہ گاڑ کر بیٹھ گئی کہ وہ بے وفا لڑکی میں ہوں اور میری وجہ سے دانش مرا ہے۔ وہ جس وقت گاڑی چلا رہا تھا بہت دل برداشتہ اور ٹینشن میں تھا، اس لیے گاڑی پر قابو نہ رکھ سکا، پتا نہیں اس بے غیرت انسان نے میری تصویر کب لی اور بلاوجہ بکواس کر کے عریش کو بھیج دی اور عریش کو غلط فہمی ہوگئی۔ انہوں نے شادی والی رات ہی کہہ دیا کہ ان سے کوئی اچھی توقع نہ رکھوں، انہوں نے مجھ سے صرف اس لیے شادی کی کہ وہ اپنے بھائی کی موت کا ذمہ دار مجھے سمجھتے ہیں...... وہ ساری عمر مجھے تڑپائیں گے، کئی بار ان کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ تو دانش کی اصلیت سے بھی واقف نہیں، وہ مجھے ہی قصوروار بلکہ مجرم ٹھہراتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ شاید میرے رویے سے ان کے دل میں آہستہ آہستہ کوئی نرم گوشہ پیدا ہو جائے گا، میں ان کو سمجھا سکوں ان کو حقیقت بتا سکوں لیکن وہ تو میری کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔ میں صرف امی کی وجہ سے برداشت کرتی رہی، وہ ہارٹ، شوگر اور سانس کی مریضہ ہیں، میرے بارے میں جان کر وہ برداشت نہیں کر پائیں گی، عریش کا ہر طعنہ، ہر غلط بات خاموشی سے سہتی آئی ہوں، اچھے دنوں کی آس میں۔ میری ریاضت، میری محنت، میری خاموشی سب کچھ رائیگاں گئے...... پانچ ماہ اذیت میں گزارنے کے باوجود آج بھی، اس کٹھور انسان کے دل میں رتی برابر جگہ نہ بنا سکی، اپنی صفائی نہیں دے سکی کیونکہ اس بے رحم انسان نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔" دلکشا ایک لمحے کو رکی، عبیرہ آنکھیں پھاڑے، منہ کھولے سن رہی تھی۔

"اف خدایا...... عریش بھائی پاگل ہو گئے ہیں کیا؟ بھلا یہ کیا بات ہوئی، وہ کون ہوتے ہیں یک طرفہ بات سن کر فیصلہ کرنے والے، یہ کون سی مردانگی ہے بھلا...... وہ کب آتے ہیں گھر؟ میں خود آ کر بات کرتی ہوں ان سے وہ کیا سمجھتے ہیں اگر تمہارے والد یا بھائی نہیں ہیں تو وہ کچھ بھی جہالت دکھا سکتے ہیں، میں فواد کو لے کر آؤں گی اور ان کا دماغ درست کروں گی، صحیح غلط کیا ہے، قصوروار کون ہے اور کس نے کیا ایک ایک بات واضح کروں گی وہ خود کو بہت بڑا عقل مند سمجھتے ہیں لیکن ان سے زیادہ کم عقل اور بے وقوف انسان کون ہوگا جو اپنی اتنی اچھی اور نیک، شریف بیوی کی قدر نہیں کر رہے۔" عبیرہ آپے سے باہر ہوگئی۔ غصے سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا جذبات پر کنٹرول رکھنا مشکل لگ رہا تھا۔

"نہیں عبیرہ...... پلیز تم ایسا کچھ بھی مت کرنا کیونکہ مجھے اب اس شخص کے ساتھ ایک پل نہیں رہنا، پانچ ماہ بہت ہوتے ہیں، میں تماشا نہیں کرنا چاہتی، بس خاموشی سے ان کی زندگی سے نکل جانا چاہتی ہوں...... وہ جو سمجھ رہے ہیں بے شک سمجھتے رہیں، نہ اب کوئی صفائی کی ضرورت ہے نہ کسی دلیل اور وضاحت کی...... بس یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" دلکشا نے ہاتھ اٹھا کر گمبھیر لہجے میں فیصلہ سنایا۔

"مگر دلکشا......"

"اگر مگر...... کیونکہ اور چنانچہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے عبیرہ کیونکہ دلائل، وضاحتیں اور صفائی وہاں دی جاتی ہے جہاں مصالحت کی راہیں ہموار کرنی ہوں، تعلقات برقرار رکھنے ہوں اور یہاں پر ایسا کچھ بھی نہیں ہے، آج ہی یہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی جاؤں گی اور خدارا تم ہائپر مت

ہو یار۔" دلکشا نے آخری جملے پر اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو عیبرہ دکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم بیٹھو...... میں ابھی آتی ہوں منہ دھو کر...... تم بھی ریلیکس ہو جاؤ۔" دلکشا نے اٹھتے ہوئے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر لہجے کو نارمل بنانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا، عیبرہ کو کسی صورت چین نہیں آرہا تھا...... اس نے ہچکچاتے ہوئے ٹیبل پر پڑا دلکشا کا موبائل اٹھایا اور اس میں سے عریش کا نمبر اپنے پاس محفوظ کرلیا، دلکشا باہر آئی تو عیبرہ جانے کے لیے کھڑی ہوگئی۔

"ارے...... ایسے کیسے جاسکتی ہو عیبرہ۔" دلکشا نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"آئی ایم سوری دلکشا مگر اس سچویشن میں میں یہاں پر نہیں رک سکتی، تم سے ملنے بہت جلد آؤں گی۔" عیبرہ کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔

"اوکے...... اگلی ملاقات امی کے گھر ہوگی۔" دلکشا نے سپاٹ لہجے میں کہا، عیبرہ نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور بنا کچھ کہے آگے بڑھی، اس کو گلے لگایا اور اللہ حافظ کہہ کر تیزی سے باہر کی جانب چل دی، دلکشا کی پلکیں نم ہوگئیں...... سر کا درد بدستور برقرار تھا مگر دل پر پڑا بوجھ آج قدرے کم ہوگیا تھا، وہ کمرے میں آئی بیگ نکالا اپنے میکے کی طرف سے آئے چند جوڑے بیگ میں رکھے بس اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ٹیکسی کا کرایہ بھی امی سے لے کر دے گی اب عریش کا ایک پیسہ بھی نہیں لے گی، ابھی تو امی مارکیٹ گئی بھی نہیں ہوں گی صنوبر نے کہا تھا آنے کے بعد وہ کال کردے گی یعنی کم از کم تین چار گھنٹے اس کو اسی قید خانے میں گزارنے تھے، ظہر کی نماز کا وقت بھی ہوا تو وہ وضو کرکے نماز پڑھنے کھڑی ہوگئی۔

❁......❁......❁

عریش کو شام کو شہر سے باہر بھی جانا تھا...... وہ اسی سلسلے میں ضروری بات کرکے ابھی فارغ ہوا تھا کہ موبائل بجنے لگا...... اسکرین پر بالکل نیا اور غیر مانوس نمبر دیکھ کر چونکا۔

"ہیلو...... السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام!" دوسری جانب کوئی لڑکی تھی۔

"آپ عریش صاحب بات کررہے ہیں؟"

"جی محترمہ آپ کون ہیں؟"

"میں...... آپ کی خیر خواہ ہوں اور آپ سے ملنا چاہتی ہوں کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" خاتون کی بات پر عریش گڑبڑایا۔

"کیا مطلب؟ آپ کون ہیں اور میری خیر خواہی کیوں چاہتی ہیں میں سمجھا نہیں۔" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

"محترم...... میں آپ کی بیوی کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھی نہ صرف میں بلکہ میرے شوہر بھی یونیورسٹی میں تھے، میں دلکشا اور دانش کو اچھی طرح سے جانتی ہوں اسی حوالے سے کچھ اہم باتیں بتانا چاہ رہی ہوں۔" عریش کرسی سے اچھل پڑا...... یہ کون تھی اور کیا بات کرنا چاہ رہی تھی، یقیناً دانش کی دوست ہوگی تب ہی، خیر خواہی والی بات کی اور دلکشا...... یقیناً دلکشا کے بارے میں سب کچھ بتائے گی عریش کا دماغ ایک پل میں میلوں کا سفر طے کر گیا۔

"جی جی...... مگر کہاں پر ملیں گے آپ آفس آسکتی ہیں؟"

"جی ضرور...... آپ مجھے لوکیشن بتائیں میں آدھے گھنٹے میں پہنچ جاؤں گی۔" عیبرہ نے کہا اور ایڈریس سمجھ کر کال کٹ کردی۔ دوسرے لمحے فواد کو کال ملائی اور فواد کو تفصیل بتائی اور فوری مدد مانگی، فواد بھی سن کر پریشان ہوا اور عریش کے آفس جانے کے لیے تیار ہوگیا۔

کچھ دیر بعد ہی عیبرہ اور فواد عریش کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھے تھے، سلام دعا کے مراحل طے ہوئے عریش نے ان لوگوں کے لیے چائے منگوائی۔

"نہیں...... یہ فارمیلیٹی رہنے دیں عریش بھائی...... اصل اور کام کی بات ضروری ہے، یہاں کسی کی زندگی کا سوال ہے۔" عیبرہ کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی تھوڑا سا تلخ ہوا تو عریش نے بغور عیبرہ کو دیکھا۔

عیاشیاں کرنے آتا، اس نے بھی دلکشا سے دوستی کرنی چاہی کئی بار اور دلکشا نے اسے اگنور کیا سمجھانے کی کوشش کی...... وہ ہم سب کے سامنے بدکلامی اور بدتمیزی سے دلکشا کی انسلٹ کردیتا جب دلکشا نے صاف جواب دے دیا تو وہ پھر اپنی امارت کا رعب دکھانے لگا، اس بات کے گواہ فواد بھی ہیں، میں بھی کہ وہ صاف صاف دھمکیوں پر اتر آیا تھا، دلکشا کو بدنام کرنے کی کھلم کھلا باتیں کرتا، اس حد تک اسے پریشان کرتا کہ وہ اس کی اوچھی حرکتوں سے ڈر کر کئی روز تک یونی نہیں آئی تھی...... وہ پڑھائی کے پیچھے پاگل تھی مگر اس نے آپ کے بھائی کے ڈر اور خوف سے وجہ سے پڑھائی چھوڑ دینے کا فیصلہ بھی کرلیا تھا۔“

”مگر...... دانش نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ لڑکی بھی انٹرسٹڈ ہے اور وہ شادی کریں گے۔“ عریش جو چپ چاپ سن رہا تھا ایک دم ہی بیچ میں بولا۔

”جھوٹ بولا تھا اس نے...... عریش بھائی وہ سب غلط تھا، کیا اس نے دلکشا کے بارے میں اور کوئی بات بتائی اور اس کے بارے میں کیا کیا باتیں کی تھیں آپ سے؟“ عیرہ سر جھٹک کر اس کی بات کو بری طرح رد کرتے ہوئے بولی۔

”نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں ہوئی، ایک روز اسے کال کی تو اس نے بنا سلام دعا کے فوری ایک تصویر بھیجی، وہ دلکشا کی تھی میں حیران رہ گیا اور پوچھا تب اس نے بتایا تھا۔“ عریش نے کہا۔

”اور...... پھر اس کے بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی، اس روز بات ہوئی جس دن اس کی ڈیتھ ہوئی تھی...... بہت اپ سیٹ تھا وہ، اس کی آواز بھی بہت بھاری تھی اور وہ ٹھیک سے بات بھی نہیں کر پا رہا تھا جیسے بہت پریشان، بہت زیادہ ڈپریشن کا شکار ہو۔“ عریش کا لہجہ دکھی ہو رہا تھا۔

”عریش بھائی یہ بھی تو سوچیے کہ جس لڑکی نے اس سے کبھی ڈھنگ سے بات بھی نہیں کی اس لڑکی نے بھلا اپنی تصویر اس کو دی ہوگی؟ جو لڑکی لڑکیوں سے محتاط تھی وہ بھلا ایک بگڑے ہوئے لڑکے کو اپنی تصویر دے سکتی ہے؟“

”عریش صاحب، میں نے دانش کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور یقیناً اس نے دلکشا کی تصویر چوری سے کیفے ٹیریا میں لی ہوگی، ایک دلکشا ہی نہیں اس کی گیلری میں نہ جانے کتنی لڑکیوں کی تصویریں ہوں گی اور میں ہی نہیں...... یونیورسٹی کے اس بیچ کے بہت سے لڑکے یہ بات جانتے ہیں کہ دانش کبھی بھی کسی لڑکی سے سیریس نہیں ہوا تھا وہ تو پیسہ ضائع اور ٹائم پاس کررہا تھا...... ممکن ہے ایسا ہوا ہوگا کہ دانش نے اسی وقت وہ تصویر کھینچی ہوگی جب آپ نے کال کی اور غلطی سے وہ آپ کو سینڈ ہوگئی...... اس نے جلدی سے بات بنادی حالانکہ وہ بات نہیں تھی کہ وہ دلکشا کو یا دلکشا اسے پسند کرتی تھی...... دلکشا تو اس سے ڈرتی تھی، خوف زدہ رہتی تھی اور وہ دلکشا سے بدلہ لینا چاہتا تھا...... اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ ایک لڑکی سے اس کی دوستی ہوئی اور پتا نہیں کیسے دانش اس لڑکی کے لیے سیریس ہوگیا لیکن وہ لڑکی بھی کسی سیاسی لیڈر کی بیٹی اور بگڑی ہوئی مغرور لڑکی تھی، کچھ عرصے بعد دانش کا دل اس سے بھر گیا اور دانش کی یہ بات اسے ہرٹ کرگئی تھی، دلکشا سے تو اس بات کا دور دور تک کا تعلق نہیں تھا اور آپ کی والدہ محترمہ کی اللہ پاک مغفرت فرمائے وہ آپ کو دانش کے بارے میں بتادیتیں اس کی ایکٹی وٹیز، اس کی بے راہ روی سے آپ واقف ہوجاتے تو شاید وہ اس حد تک آگے نہیں بڑھتا، وہ تو بالکل بے لگام تھا، ہر ایک سے جیتنا ہی چاہتا تھا، ایک لڑکی کی بے وفائی میں وہ پاگل ہوگیا تھا۔“ فواد نے بھی بات کو آگے بڑھائی۔

”ایک اور بات شاید آپ کے علم میں نہ ہو کیونکہ ہمیں اس بات کا پتا ہے کہ آپ تو حقیقت سے واقف ہی نہیں ہیں جو دکھایا گیا وہی سب کچھ آپ صحیح سمجھ رہے ہیں یک طرفہ بات تھی وہ بھی، صداقت سے مبنی، آپ کو تو بس وہی پتا ہے لیکن وہ ڈرنک بھی کرتا تھا اور حادثے کے وقت بھی وہ بہت زیادہ پی کر ڈرائیونگ کررہا تھا اور گاڑی بے قابو ہوکر کھمبے سے ٹکرا گئی تھی اور ہاسپٹل میں، میں خود اس وقت موجود تھا جب ڈاکٹر نے آپ کی مما کو بتایا تھا کہ حادثے

کے وقت وہ ضرورت سے زیادہ پی کر نکلا تھا اور یہ بات تحریری ثبوت کے طور پر بھی آپ کی مما کے پاس موجود ہوگی۔" عریش کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔

یہ کیا سن رہا تھا...... اس کے ہوش وحواس جواب دینے لگے تھے، اس کی حالت دیکھ کر فواد ایک لمحے کے لیے رکا...... اچھے خاصے سرد موسم میں بھی عریش کے چہرے پر پسینے کے قطرے تھے، اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ یہ سب اس کے لیے بالکل غیر یقینی تھا لیکن وہ اپنے جذبات پر قابو رکھے صرف سن رہا تھا۔

"پلیز عریش بھائی...... یہ پانی پی لیں۔" عبیرہ نے ٹیبل پر رکھی منرل واٹر کی بوتل سے ایک گلاس پانی نکال کر عریش کی طرف بڑھایا۔

"سوری عریش صاحب مگر ہمیں اس لیے صحیح بات بتانی ہے کہ جو چلا گیا اسے ہم واپس نہیں لاسکتے لیکن جو باقی ہیں ان کے لیے زندگی کے دروازے بند نہ ہو جائیں...... آپ کو اگر ہماری بات پر یقین نہیں تو ابھی بھی میرے کچھ دوست ایسے ہیں کہ وہ دلکشا کی شرافت اور دانش کے بارے میں گواہی دے سکتے ہیں ورنہ آپ یقین کریں تو ہم بھی قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ جو باتیں ہم نے کی ہیں وہ سو فیصد سچ اور آنکھوں دیکھی باتیں ہیں، آپ چاہیں تو گھر جا کر چیک کر سکتے ہیں وہ سرٹیفکیٹ جو اس کی موت کے وقت ملا تھا، اس کا موبائل جس میں صرف دلکشا کی ہی نہیں بلکہ بے شمار لڑکیوں کی تصویریں ہوں گی، ان کی یونیورسٹی کی پڑھائی کا رزلٹ۔"

فواد ایک لمحے کے لیے چپ ہوا، عریش کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے، کچھ معاملات، مما کی کچھ باتیں، دانش کے حوالے سے کیے گئے سوال کا مبہم سا جواب دینا، اکثر و بیشتر دانش گھر سے باہر ہی رہتا، کبھی کبھی دانش سے بات ہوتی تو اس کی غائب دماغی اور اچانک سے دلکشا کی پک بھیج دینا اور پھر اس کا ذکر ہی نہ کرنا، بے تحاشا پیسہ خرچ کرنا۔

"عریش بھائی پلیز دلکشا کی طرف سے دل صاف کر لیجیے، وہ بہت پیاری نیچر کی لڑکی ہے، وہ آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہے لیکن وہ اب اس حد تک دل برداشتہ اور مایوس ہوگئی ہے کہ یا تو وہ خودکشی کر لے گی یا آپ کو چھوڑ کر چلی جائے گی...... اپنے گھر کو بچالیں اور اس بار ایک بات یقینی ہوگی کہ اس کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے، ایک بے بنیاد بات کو لے کر آپ خود اپنے گھر کو تباہ کر رہے ہیں...... خدارا میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" عبیرہ شدت جذبات سے رو دی۔ عریش کی حالت دیدنی تھی، کتنا بڑا انکشاف تھا یہ۔

"آئی ایم سوری...... میں آپ لوگوں سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو بھی غلط سمجھا اور تھینک یو سوچ کہ آپ دونوں نے حقیقت سے پردہ اٹھایا، میں تو پانچ سال سے یہاں پر تھا ہی نہیں، مجھے تو کسی بات کا علم ہی نہیں تھا، اللہ پاک سب بہتر کرے گا۔" عریش نے شرمندگی سے کہا۔

"تھینکس کی ضرورت نہیں عریش بھائی...... بس جلدی سے جائیں، وہ پاگل کچھ کر نہ بیٹھے، ہم آپ لوگوں کی خوشگوار زندگی کے خواہاں ہیں، اب ہمیں اجازت دیجیے۔" عبیرہ نے کہا اور دونوں اٹھ کر کھڑے ہوئے۔

عریش نے ان کے جانے کے بعد سب سے پہلے اپنا آج کا جانا کینسل کیا، اس کا دماغ بری طرح گھوم رہا تھا، اب اس کو کسی ثبوت کی ضرورت بھی نہیں تھی، دانش کے بارے میں جان کر وہ لرز کر رہ گیا تھا۔

"اس کا بھائی اتنے شریف ماں باپ کا بیٹا اس قدر بگڑ گیا تھا اور مما؟"

"مما پلیز...... آپ ذرا سا اشارا تو کرتیں، میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آجاتا کاش...... کاش...... میں نہیں جاتا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بے بسی سے سوچ رہا تھا۔

"جو چلا گیا وہ تو واپس نہیں آسکتا لیکن جو زندہ ہیں ان پر زندگی کے دروازے تو تنگ مت کریں۔" اچانک ذہن میں عبیرہ کے الفاظ گونجے۔ کتنی گہری بات تھی اس نے گھڑی پر نظر ڈالی شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے،

ویسے وہ روزانہ ساڑھے پانچ بجے کے بعد آفس سے نکلتا تھا۔

"جلدی سے چلے جائیں وہ پاگل کچھ کر نہ بیٹھے۔" عبیرہ کا جملہ سماعتوں میں گونجا تو وہ بجلی کی سی تیزی سے اٹھا۔

❁......❁......❁

دلکشا جانے کی تیاری کر کے صنوبر کے میسج کا انتظار کر رہی تھی اور صنوبر کا جیسے ہی میسج آیا کہ ہم گھر آ گئے وہ تیزی سے اٹھی دل بھر آ رہا تھا، عجیب و غریب کیفیت کا شکار تھی، عریش کے نام لمبا چوڑا خط لکھ کر وہ پہلے ہی ٹیبل پر رکھ چکی تھی، تب ہی اچانک اور غیر متوقع طور پر عریش آ گیا، وہ جیسے ہی کمرے میں آیا وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی، ہمیشہ کی طرح سلام بھی نہیں کیا...... بیگ اور شال وہ لاؤنج میں رکھ چکی تھی اس نے نظر اٹھا کر بھی عریش کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"دلکشا...... میری بات سنو۔" اتنا نرم اور دھیما لہجہ، وہ چکرائی۔ اس لہجے کی عادی وہ کب تھی، دلکشا سنی ان سنی کر کے آگے بڑھی۔

"دلکشا......" عریش نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھامی تو دلکشا نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"دلکشا پلیز مجھے معاف کر دو، میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے، میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں غلط سمجھا۔" اس نے شرمندگی سے کہا تو دلکشا کی آنکھیں پھٹنے کی حد تک پھیل گئیں۔

"یہ...... کیا......! یہ کیسی انہونی تھی۔"

"غلط؟ آپ نے غلط سمجھا یا نہیں عریش وقار صاحب لیکن میں نے ضرور آپ کو غلط سمجھا، آپ پر بھروسا کیا، آپ کو مسیحا جانا، آپ کو دنیا کا سب سے اچھا شخص مانا لیکن آپ نے مجھے حقیر جانا، ہر ہر لمحے مجھے اذیت دی، میری شرافت اور معصومیت کو فتنہ سمجھا۔" نہ جانے کیسے آج اس کے اندر اتنی ہمت آ گئی تھی۔

"معاف کیجیے گا اب...... اب میری برداشت جواب دے گئی ہے اور اب فیصلہ میں نے کر لیا ہے۔" وہ تیزی سے نکلی اور بیگ اٹھا کر شال اوڑھی۔

"تم کہاں جا رہی ہو، ایسے کیسے جا سکتی ہو؟" وہ تیزی سے اس کے سامنے آیا۔

"یہ سوالات کرنے والے آپ کون ہوتے ہیں؟ میں بھی اپنی مرضی کی مالک ہوں اور آپ کو اب یہ حق نہیں دوں گی کہ آپ یہ سوال کریں...... کس حق سے آپ پوچھ رہے ہیں؟" وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

"شرعی حق ہے میرا...... شوہر ہوں تمہارا۔" عریش اس بار قدرے تیز لہجے میں بولا۔

"شرعی حق؟ آج پانچ ماہ بعد آپ کو شرع اور حق کا احساس ہو رہا ہے، آج اس بات کا ادراک ہوا ہے کہ آپ میرے "شوہر" ہیں؟ پانچ ماہ تک یہ احساس کہاں سویا رہا، کتنی بار میں نے سچ بتانے کی کوشش کی لیکن آپ مرد تھے ناں؟ سارے حقوق آپ کے تھے، ساری اجارہ داری آپ کی تھی ناں، آپ نے ہمیشہ میری زبان پر اپنی مردانگی کے تالے لگائے، میں نے بہت برداشت کر لیا لیکن اب جبکہ آپ کے لیے میرا مرنا جینا بے معنی ہے تو میں بھاڑ میں بھی جاؤں تو آپ کو کیا فرق پڑتا ہے...... میرا راستہ چھوڑیں اور اپنے اس گھر میں خوش رہیں۔" دلکشا نے ہاتھ کو جھٹکے سے چھڑا کر سخت اور گمبھیر لہجے میں کہا۔

"دلکشا پلیز...... میں مان رہا ہوں ناں کہ میں غلط تھا، میں نے یک طرفہ بات ہی جانی لیکن اب مجھے ساری حقیقت کا علم ہو چکا ہے، میں تم سے اپنی غلطی کی معافی مانگ رہا ہوں...... میں نے جو کیا برا بلکہ بہت برا کیا، تمہارے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو کر نادانی کر بیٹھا، مجھے معاف کر دو۔" عریش عاجزی سے بولا۔

"اور یہ بھی تو سوچو کہ تم جاؤ گی تو تمہاری امی کا کیا حال ہوگا؟"

"عریش وقار صاحب، میں پانچ ماہ سے مسلسل ڈبل فیس کے ساتھ زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی ہوں، امی کو بھی سنبھال سکتی ہوں اور آپ کو اس وقت یہ خیال نہ آیا

جب آپ ایک بوڑھی عورت کو بھی دھوکہ دے رہے تھے۔
آپ نے تو میری معصومیت، میری محبت، میری سچائی کا مذاق اڑایا، کس قدر خوب صورت انداز میں ڈراما رچایا آپ نے اف...... شادی جس کو لے کر لڑکیاں کیسے کیسے خواب آنکھوں میں سجا کر سسرال آتی ہیں، اس خوبصورت رات کو آپ نے مجھے اس قدر گھناؤنا اور اذیت ناک سرپرائز دیا، آپ کو ذرا برابر رحم نہیں آیا مجھ پر، آپ ایک لڑکی کے ارمانوں، خواہشات اور شادی کو لے کر دیکھے گئے بے شمار خوب صورت سپنوں کے تاج محل کو مسمار کرتے رہے۔"

"آیا تھا...... تم پر ترس بھی آیا تھا...... میرا دل بھی مچلا تھا، میں بھی تڑپا تھا لیکن جب تمہارے لیے دل میں کوئی نرم گوشہ ابھرتا، میرے ذہن میں دانش کی شکل آ جاتی، میری سماعتوں میں اس کے آخری الفاظ گونجنے لگتے اور میں پاگل ہو جاتا، میں تم سے دور ہو جاتا، میرے بھی ارمان تھے، میں بھی انسان ہوں، لیکن میں اس صورت میں مجبور ہو جاتا، مجھے لگتا کہ تم نے میرے بھائی کی جان لی ہے۔" عریش جذباتی لہجے میں بولا۔

"تو...... آپ سچ جاننے کی کوشش تو کرتے، ایک بار مجھ سے سچ تو سن لیتے، آپ نے ایک مرے ہوئے شخص کی بات کو مقدم جانا جو کہ آپ کے سامنے بھی نہیں تھا اور ایک جیتی جاگتی زندہ شخصیت کو ٹھوکر پر رکھا...... ارے قتل ثابت ہونے کے بعد بھی مجرم کو صفائی کا موقع دیا جاتا ہے اور آپ نے تو مجھے وہ موقع بھی نہیں دیا، بہرحال اب یہ باتیں غیر ضروری ہیں، آپ نے جو کرنا تھا کر چکے اب میں جو چاہتی ہوں وہ کروں گی۔" دلکشا نے حتمی انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"یعنی...... تم مجھے معاف نہیں کرو گی اور مجھے چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟" عریش سامنے نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"نہیں......" وہ روکھے لہجے سے کہہ کر رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی، عریش بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔

"دلکشا...... ہم لوگ انتہائی شریف خاندان سے ہیں، میرے والدین نیک اور شریف تھے، میں نے بھی امریکہ

جیسے ملک میں اکیلا رہ کر بھی الحمدللہ کبھی کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، میں پانچ سال باہر رہا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے پیچھے دانش اتنا بگڑ گیا کیونکہ مما نے کبھی اشارتاً بھی کوئی بات نہیں بتائی، میں تو اس کو اپنی ہی طرح سمجھتا تھا، وہ یہاں کیا گل کھلاتا رہا، اس کی کیا سرگرمیاں تھیں، وہ کس حد تک بگڑ چکا تھا، مجھے بالکل بھی خبر نہیں تھی، اس نے تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا...... ظاہر ہے مجھے اس کا تو علم ہی نہیں تھا ہاں اس بے غیرت نے یقیناً تمہاری چھپ کر تصویر بھی لی تھی اور ایک دن بے خیالی میں وہ پک مجھے بھیج دی میں نے باز پرس کی تو یہی کہا کہ وہ اور تم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں، تب بھی میں نے اس کو یہی سمجھایا کہ فلرٹ مت کرنا اور اس نے یقین دلایا کہ وہ تم سے شادی کرے گا، اس کے بعد کئی دن تک اس موضوع پر بات نہیں ہوئی اور جب ہوئی تو اس نے یہ کہا کہ وہ لڑکی اسے چھوڑ گئی ہے جس سے وہ محبت کرتا تھا...... دلکشا تم خود ٹھنڈے دل سے سوچو میرے ذہن میں تو وہی بات تھی کہ وہ لڑکی تم ہی ہو اور اس روز اس نے مجھ سے بات بھی کی، بہت ڈپریشن میں لگ رہا تھا، مجھے آج ہی پتا چلا کہ وہ ڈرنک کر کے بات کر رہا تھا، مجھے اس کی آواز، اس کا لہجہ بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا...... وہ میرا چھوٹا بھائی تھا میں اس سے محبت کرتا تھا پھر پتا چلا کہ اسی دن ایکسیڈنٹ سے وہ فوت ہو گیا تو میرے دل و دماغ میں اس کی باتیں ہی گونج رہی تھیں...... میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ لڑکی تم ہو، بس وہی بات میرے ذہن میں تھی، اچانک شادی میں تم ملیں پھر دوبارہ بھی جلدی ملاقات ہو گئی، تمہیں دیکھ کر میرے وہ سارے زخم تازہ ہو گئے جنہیں بڑی مشکلوں سے میں نے تھپک تھپک کر سلائے تھے اور میرے ذہن میں دانش کا معصوم چہرہ بھی آ گیا۔ اللہ گواہ ہے میں فطرتاً ایسا نہیں ہوں مگر حالات کچھ ایسے بن گئے تھے کہ میں نے بھائی کی محبت میں آ کر یہ سب کچھ کیا۔ اگر خدانخواستہ میری جگہ تم ہوتیں اور تمہیں اس قسم کے حالات کا سامنا کرنا ہوتا تو تم بھی اس لڑکی کو ہی غلط سمجھتیں ناں، ہاں میرا قصور اتنا ہے کہ میں نے تمہاری کبھی کوئی بات نہیں سنی، تمہاری صفائی کو ہمیشہ مسترد کیا۔ جذبات میں آ کر صرف دل کی مانی، کبھی دماغ سے نہیں سوچا لیکن اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں، سچ کے ادراک نے مجھے اپنی ہی نظروں میں گرا دیا ہے۔ تمہارا غصہ، تمہاری شکایت اور تمہارا رویہ بالکل بجا ہے دلکشا لیکن پھر بھی میں کان پکڑ کر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے والے اس بے وقوف سے انسان کو ایک موقع صرف ایک موقع دے دو یار۔'' وہ کان پکڑے عین سامنے کھڑا ہوا، چہرے پر ندامت، شرمساری کے ساتھ ساتھ بے بسی نمایاں تھی، دلکشا کا ننھا سا دل ڈولا، وہ تو دل و جان سے عزیز تھا جسے ٹوٹ کر چاہا تھا پھر جب بندہ اس قدر نادم ہو جائے، اپنی غلطی کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے معافی کا طالب ہو تو دلکشا جو ابھی تک، ہمت، حوصلے اور بڑے ضبط کا ثبوت دے رہی تھی اچانک ہی پگھل گئی، تب بے اختیار دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر وہ بری طرح سے رو دی...... عریش تڑپ کر آگے بڑھا، دلکشا اس کے فراخ سینے سے جا لگی۔

''پلیز...... پلیز دل، میری زندگی، اب ایک آنسو نہیں، میں اب یہ برداشت نہیں کر سکتا...... تم تو میرا دل ہو، میری جان، میری زندگی ہو۔'' وہ سینے سے بھینچتے ہوئے جذب سے بولا۔ دلکشا کی سماعتوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں۔ میٹھی، نرم اور سریلی، ڈھیر سارا سکون رگ و پے میں اترتا محسوس ہوا، عریش کی مضبوط بانہوں میں سمٹ کر گلال ہو رہی تھی۔ اس دشمن جاں نے ساری وضاحتیں دے کر اس کے دل کو اپنا بنا لیا تھا۔

قسط نمبر تیتنس

(گزشتہ قسط کا خلاصہ)

ارسل اور ماریانہ پیڈرو کی پارٹی میں آتے ہیں۔ پیڈرو اپنی اور سیٹلا کی منگنی کی خوش خبری سنا کر انہیں حیران کر دیتا ہے۔ پارٹی ایک ہوٹل میں ارینج کی جاتی ہے۔ جہاں میا ان کو دیکھ کر حسد کی آگ میں جلنے لگتی ہے تب ہی وہ منصوبہ بناتی ہے اور اس منصوبہ میں ایک ویٹر کو بھی شامل کر لیتی ہے۔ صبیحہ ملازمہ سے شبنم کے حوالے سے پوچھتی ہیں جس پر وہ لاعلمی کا اظہار کرتی ہے تب وہ فاریہ کو اپنے کمرے میں بھیجنے کا کہتی ہیں۔ قمر جہاں کو تشویش ہوتی ہے کہ آخر وہ لڑکی کون ہے جس کی وجہ سے صبیحہ بیگم اس قدر پریشان ہیں۔ فاریہ شبنم کو گیسٹ روم میں چھوڑ کر خود صبیحہ بیگم کے کمرے میں آتی ہے۔ قمر جہاں اس لڑکی کے حوالے سے جاننا چاہتی ہیں اس لیے گیسٹ روم میں آجاتی ہے۔ ماریانہ کے کپڑوں پر جوس گر جاتا ہے۔ وہ اس کو صاف کرنے واش روم میں آتی ہے اور یہاں اس کی نظر میا پر پڑتی ہے۔ میا چالاکی سے اس کو بالائی منزل کے ٹیرس پر لے آتی ہے اور وہاں سے دھکا دے دیتی ہے۔ ارسل اور پیڈرو ماریانہ کی غیر موجودگی کو محسوس کرتے ہیں تب ہی سیٹلا ماریانہ کو واش روم سے بلانے آجاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

❁……❁……❁

''غلط فہمی نہیں ہے، حقیقت ہے یہ، تم میری دوست نہیں دشمن ثابت ہوئی ہو ماریانہ۔ تم نے پیڈرو کو میرے خلاف کر کے اس چڑیل سٹیلا سے ملوا دیا۔ ان کی محبتوں کو پروان چڑھانے والی تم ہو۔ تب تمہیں میری فکر ہوئی نہ میرا خیال آیا۔ نفرت ہے تم سے مجھے۔ تمہیں جان سے مارنے کے موقع کی تلاش میں تھی میں اور آج وہ موقع مجھے مل گیا ہے۔'' میا نے نفرت سے کہتے ہوئے اسے دھکا دیا تھا۔ ٹیرس کی گرل انتہائی پست تھیں۔ ایک دلدوز چیخ فضا میں بلند ہوئی اور ماریانہ اس گرل سے ٹکرا کر نیچے گرنے لگی۔

''میا......'' ماریانہ نے خوف کے عالم میں اپنے بچاؤ کے لیے میا کو آواز لگائی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ گرل کے درمیان موجود فاصلے سے میا کی ٹانگوں کو پکڑنے میں وہ کامیاب ہو گئی تھی۔ میا اپنے ارادے میں سرخرو ہو کر مسکراتے ہوئے واپس جانے کو پلٹ رہی تھی مگر پیر پکڑے جانے کی وجہ سے ایک جھٹکا کھا کر رک گئی۔

''چھوڑو میرا پیر۔'' اس نے غصے سے اپنے پیر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔

''میا پلیز...... مجھے بچالو، میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔'' ماریانہ ملتجی لہجے میں گڑگڑاتے ہوئے بولی۔ ابھی تو اس کے دل میں زندگی جینے کی رمق جاگی تھی۔ محض چند دن ہی تو گزرے تھے ارسل کے خوب صورت ساتھ کے سنگ وقت بتائے اور کتنی خواہشات تھیں جو ابھی باقی تھیں...... ارسل کی محبت بھری زندگی میں شامل ہو کر اس نے ابھی تو کھل کر سانس لینا شروع کیا تھا اور اتنی جلدی اس کی راہ میں موت آنکھیں بچھائے اس کی آمد کی منتظر تھی۔ ماریانہ نے گیلری سے جھولتے ہوئے ایک نظر نیچے زمین پر ڈالی اور خوف سے کانپ گئی۔

''میں بھی ارسل کو پانا چاہتی تھی...... پیڈرو کے سہارے اپنی منزل تک پہنچنا چاہتی تھی مگر تم نے میری ان تمام چاہتوں پر پانی پھیر دیا پھر آج تم کس منہ سے مجھ سے اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہی ہو ماریانہ؟'' میا، ماریانہ کے اوپر جھکی زہر خند لہجے میں بولی۔

''میں نے تمہارے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا میا...... نہ ہی تمہارا کبھی برا چاہا، میں نے پیڈرو کو بھی تمہارے خلاف نہیں بھڑکایا اور اگر ارسل تمہیں چاہتا، تب میں تم دونوں کے درمیان آتی تو تم مجھ سے خفا ہوتی میا۔ میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کیا پھر یہ کیوں؟'' ماریانہ وضاحتی لہجے میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر میا اس کی بات کاٹتے ہوئے مزید بھڑک اٹھی۔

''تم نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا...... سب کچھ تم ہی نے تو کیا ہے ماریانہ، تم اگر ارسل کی زندگی میں نہیں آتیں تو میں ارسل کی توجہ اپنی جانب کھینچنے میں کامیاب ہو ہی جاتی مگر تم...... تم دوست بن کر ہمیشہ میری پشت پر خنجر گھونپتی رہیں اور آج مجھے موقع مل گیا ہے تم سے تمہاری ہر زیادتی کا حساب بے باک کرنے کا، اب تمہیں مجھ سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا ماریانہ۔'' میا نفرت سے اپنا پیر جھٹکتے ہوئے ماریانہ کو شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

❁……❁……❁

''اوہو ماریانہ...... کال ریسیو کرو۔'' سٹیلا پریشانی کے عالم میں ماریانہ کو تلاش کرتے ہوئے بڑبڑائی مگر کال ہنوز ریسیو نہیں کی گئی۔ سٹیلا کال کٹ کر کے دوبارہ ملانے ہی والی تھی کہ پیڈرو کی کال موبائل اسکرین پر جگمگانے لگی۔

''ہیلو پیڈرو۔'' ماریانہ نے فوراً سے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

''اوہو پیڈرو...... میں کب سے ماریانہ کو تلاش کر رہی ہوں مگر وہ کہیں نہیں مل رہی۔ وہ واش روم ایریا میں بھی

نہیں ہے۔" سٹیلا نے گھبرائے ہوئے انداز میں بتایا۔

"پیڈرو مجھے لگتا ہے کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے ماریانہ کا حلیہ بتا کر یہاں کی ایک ویٹرلیس سے اس کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ وہ بتا رہی ہے کہ اس نے اس حلیے کی لڑکی کو کسی اور لڑکی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔" سٹیلا پیڈرو کو بتاتے ہوئے ماریانہ کی تلاش جاری رکھے ہوئے تھی۔

"ہاں میں نے پوچھا تھا اس سے، وہ کہہ رہی تھی کہ وہ دونوں بالائی منزل کی ٹیرس کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ میں ماریانہ کو دیکھنے اب بالائی منزل کی جانب ہی جا رہی ہوں۔" سٹیلا نے اپنا ارادہ بتاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے...... میں لابی میں کھڑی انتظار کر رہی ہوں۔ تم اور ارسل وہیں آ جاؤ۔" سٹیلا اپنی بات مکمل کر کے کال کٹ کر کے وہاں کھڑی پیڈرو اور ارسل کا انتظار کرنے لگی۔ اس کے سامنے سے دو ویٹر ایک دوسرے سے باتوں میں مشغول گزرنے لگیں۔ سٹیلا نے انہیں روک کر ٹیرس کی جانب جاتی سیڑھیوں کے بابت استفسار کیا۔

"ٹیرس کے لیے سیڑھیاں اس جانب ہیں مگر سینورا...... آپ وہاں جانا کیوں چاہتی ہیں؟" ان دونوں ویٹر نے دائیں جانب کو مڑتی لابی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر استفسار کیا۔

"دراصل میری سہیلی ٹیرس پر موجود ہے اور مجھے بھی اس نے وہیں بلایا ہے۔" سٹیلا نے مسکرا کر بات بناتے ہوئے کہا۔

"مگر ٹیرس تو بند ہے۔" ان میں سے ایک ویٹر نے اسے مطلع کیا۔

"بند ہے...... کیا مطلب؟" سٹیلا نے حیرانگی سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مطلب یہ کہ ٹیرس پر تو ہماری کوئی سٹنگ ارینجمنٹ نہیں ہے۔ وہ جگہ خستہ حال ہے، مرمت کی شدید ضرورت ہے۔ اس لیے وہاں جانے کی اجازت کسی کو بھی نہیں ہوتی۔" ویٹر نے مکمل تفصیل سے سٹیلا کو آگاہ کرتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلی گئیں۔ سٹیلا شش و پنج میں مبتلا وہاں کھڑی رہی۔

"کیا ہوا سٹیلا تم اتنی پریشان سی کیوں کھڑی ہو؟" ارسل اور پیڈرو کچھ ہی لمحوں میں وہاں موجود تھے۔ سٹیلا کو یوں پریشان دیکھ کر پیڈرو نے حیرانگی سے استفسار کیا۔ جواباً سٹیلا اسے ویٹر کی بتائی گئی تمام باتیں سنانے لگی۔

"مجھے کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے پیڈرو۔" ساری بات سن کر ارسل نے پریشان ہو کر بے ساختہ کہا۔

"مجھے بھی...... ماریانہ صرف اپنا لباس صاف کرنے کے لیے ہمارے درمیان سے اٹھی تھی اور پھر وہ کسی اور لڑکی کے ساتھ ٹیرس میں...... سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ دوسری لڑکی کون ہے جس کے ساتھ وہ بنا ہمیں مطلع کیے ٹیرس کی جانب چل دی۔"

"میا......" ارسل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"میا...... مگر وہ یہاں کیسے آ سکتی ہے ارسل؟" پیڈرو حیران ہوا۔

"وہ ہر اس جگہ موجود ہو سکتی ہے جہاں کوئی انہونی ہونے والی ہو۔ خود سوچو میری شادی میں بھی وہ موجود تھی اور آج ماریانہ سے بات کرتے ہوئے اتفاقاً میری نظر ایک لڑکی پر پڑی تھی۔ مجھے اس لڑکی پر شائبہ ہوا کہ وہ میا ہے۔ میں نے فوراً اسے دیکھنا چاہا مگر تب وہ لڑکی وہاں سے جا چکی تھی۔ اس پل میں نے اسے اپنا وہم سمجھ کر سر جھٹک دیا تھا مگر اب یہ سب کچھ جاننے کے بعد مجھے یقین ہے کہ وہ لڑکی میا ہی تھی۔" ارسل نے متفکر انداز میں اپنا شک پیڈرو اور سٹیلا کو بتاتے ہوئے کہا۔

"اگر ایسی بات ہے تو پھر ہمیں فوراً ماریانہ کو ڈھونڈنا چاہیے۔ اگر وہ میا کے ساتھ ہے تو پھر یقیناً کوئی گڑبڑ ہونے

والی ہے۔" پیڈرو نے پریشانی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو پیڈرو۔ ہمیں وقت ضائع کیے بغیر ٹیرس کی طرف چلنا چاہیے۔" وہ تینوں تقریباً بھاگتے ہوئے دائیں جانب کو جاتی لابی کی طرف بڑھ گئے تھے۔

❁......❁......❁

"میرا پیر چھوڑو ماریانہ......" میا سنگ دلی کی انتہاء پر پہنچی ماریانہ کے ہاتھ سے اپنا پیر چھڑاتے ہوئے غصے سے کہنے لگی۔
"میا...... اللہ کے واسطے مجھے بچالو۔ تمہیں ہماری دوستی کا واسطہ۔" ماریانہ گڑگڑاتے ہوئے میا کو رحم طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
"تمہاری جان لینے کی خواہش میں دل میں دبائے کب سے اس موقع کی تلاش میں تھی ماریانہ اور آج وہ دن آ گیا کہ جب تم اپنے انجام کو پہنچو گی اور تم کہتی ہو کہ میں تمہیں بخش دوں تو یہ کیسے ممکن ہے ماریانہ کہ میں تمہیں بخش دوں۔ تمہیں مار کر تو مجھے سکون ملے گا۔" میا نفرت سے اس کے ہاتھ پر اپنے دوسرے پیر کی ہیلو سے دباؤ ڈالتے ہوئے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے بولی۔
"ارسل......" ماریانہ درد سے بری طرح کراہتے ہوئے چلائی۔
"ہونہہ...... نہیں آنے والا وہ۔ ایسی کوئی صورت چھوڑی ہی نہیں میں نے کہ وہ تم تک پہنچ سکے۔ چلاتی رہو، روتی رہو، تڑپتی رہو۔ کوئی تمہاری آواز سن نہیں پائے گا کیونکہ یہ جگہ لوگوں کے لیے بند ہے۔" میا سنگ دلی سے ہنستے ہوئے بولی۔ ماریانہ کی ہڈیوں میں خوف سرائیت کر گیا۔
"ارسل...... ارسل......" وہ خوف کے زیراثر زور زور سے چلانے لگی۔ مدد کی تلاش میں اس نے نیچے نظر دوڑائی مگر وہاں چند ٹرک اور گاڑیوں کے علاوہ کوئی ذی روح موجود نہ تھا۔ میا استہزائیہ انداز میں اس کے چہرے پر لرزتے خوف کو دیکھ رہی تھی۔
"تمہارے مرنے کی خبر سن کر ارسل پر کیا بیتے گی یہ تصور کرتے ہی میرا دل خوشی سے جھوم رہا ہے ماریانہ۔ تمہاری موت دراصل ارسل سے بھی میرا انتقام ہوگی۔ اس نے میری زندگی سے میری خوشیاں، کامیابیاں چھینی۔ میں اس کی زندگی سے تمہیں چھین لوں گی۔" میا یہ کہتے ہوئے نفرت سے ماریانہ کے اوپر جھکی۔ اس کا سرد ہوتا ہاتھ، ماریانہ کے لرزتے ہاتھوں میں جکڑے اپنے پیر کو چھڑانے کے لیے آگے بڑھا۔
"میا نہیں...... تم ایسا نہیں کرسکتیں۔ تم اتنی ظالم کیسے ہو سکتی ہو کہ اپنی ہی دوست کی جان لے لو۔" ماریانہ کو اپنی موت میا کی صورت اپنے سامنے نظر آ رہی تھی۔ وہ روہانسی سی ہو کر ایک بار پھر گڑگڑائی۔ اس نے ارسل کو ایک بار پھر پوری قوت سے پکارنا چاہا مگر میا اپنا پیر اس کے ہاتھوں سے چھڑا چکی تھی اور اب اس کا ہاتھ میا کے سرد، پتھریلے ہاتھوں میں موجود تھا۔ ماریانہ کی نظریں بے یقینی کے عالم میں میا کے سپاٹ و سرد چہرے پر جمی تھیں۔
"ارسل......" آخری بار ماریانہ نے اپنی تمام قوت و ہمت مجتمع کر کے ارسل کا نام پکارا۔
"الوداع ماریانہ......" میا نے سفاکی سے مسکراتے ہوئے ماریانہ کے ہاتھوں کو چھوڑتے ہوئے کہا۔ ایک آخری خوف سے تھرتھراتی ہوئی چیخ ماریانہ کے لبوں سے نکلی تھی۔

❁......❁......❁

"یہ چیخنے چلانے کی آوازیں؟" وہ تینوں سیڑھیاں چڑھ کر مدھم روشنی میں ڈوبی لابی میں کھڑے تھے۔ لابی

بالکل سنسان تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ سٹیلا ذرا آگے بڑھی۔ ایک دم اس کی سماعتوں نے شور شرابے کی آوازوں کو سنا۔ وہ بے اختیار چونکتے ہوئے کہہ اٹھی۔ اس کی بات پر ارسل بے اختیار آگے بڑھا۔ اس بار چیخ کے ساتھ اس کے نام کی پکار بھی سنائی دی۔

''یہ تو ماریانہ کی آواز ہے۔'' ارسل نے بے تابی سے ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

''اس جانب سے آ رہی ہے۔'' وہ اندھا دھند سرخ روشنی میں ڈوبے ٹیرس کی جانب بھاگا۔ سٹیلا اور پیڈرو بھی پریشانی کے عالم میں اس کے پیچھے بھاگے۔

''ماریانہ......'' وہ بلند آواز میں ماریانہ کو پکارتے ہوئے بے قراری کے عالم میں ٹیرس میں داخل ہوا مگر وہاں ماریانہ موجود نہ تھی۔ وہاں ارسل کے بھیانک خدشات میا کا بدصورت روپ دھارے موجود تھے۔ وہ گرل کے پاس کھڑی نیچے جھانک رہی تھی۔ ارسل کی پکار پر ایک جھٹکے سے پلٹی۔ سرخ و مدھم روشنی میں میا کا سفاک روپ ارسل کے دل کو دہلا گیا۔

''ماریانہ......'' وہ خود کو ہر خوف کے شکنجے سے آزاد کرنے کی کوشش میں حلق کے بل چیخا۔ اس کے چہرے پر پھیلی دہشت کو دیکھ کر میا پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔ ارسل اسے یوں دیوانوں کی طرح ہنستا دیکھ کر غضب ناک تیور لیے اس کی جانب بڑھا۔

''کہاں ہے...... کہاں ہے میری ماریانہ؟'' وہ اسے سختی سے کندھوں سے تھام کر بری طرح سے چیخا۔

''ماریانہ......؟'' میا بدستور ہنس رہی تھی۔ ارسل کے غصے کا اس پر چنداں اثر نہ ہوا تھا۔ اس کے سوال پر وہ ہنس کر دلچسپ نگاہوں سے ارسل کے چہرے سے جھلکتی تڑپ کو دیکھتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں استفسار کرنے لگی۔

''جواب دو...... کہاں ہے ماریانہ؟'' ارسل اس بار زور سے چیخا۔ سٹیلا اور پیڈرو بھی خوف زدہ نگاہوں سے میا کا یہ روپ دیکھ رہے تھے۔

''چلی گئی...... وہ تو چلی گئی...... یقین نہیں آ رہا...... خود جا کر دیکھ لو۔'' میا عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے گیلری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ارسل نے بے قراری کے عالم میں گیلری سے جھانک کر نیچے دیکھا اور اس لمحے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا دل دھڑکنا بند ہو گیا ہو۔ اس کی زندگی، اس کی ماریانہ لہولہان، نیچے زمین پر پڑی تڑپ رہی تھی۔ اس کی آنسوؤں سے بھیگی آنکھیں گیلری کی جانب اٹھیں ہوئی تھیں۔ ارسل کو لگا ماریانہ کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز، شکوہ کناں ہیں۔

''ماریانہ......'' وہ بری طرح تڑپ اٹھا۔

''ارسل...... خود کو سنبھالو۔'' پیڈرو نے بے اختیار اس کا بازو تھام کر کہا۔ اس کی بات پر ارسل جیسے ہوش میں آیا۔ ماریانہ کو تڑپتی نگاہوں سے دیکھ کر وہ دیوانہ وار ٹیرس کے دروازے کی طرف بھاگا۔

''وہ اب نہیں بچنے والی۔'' میا نے ارسل کی یہ کیفیت دیکھ کر سفاکی سے مسکراتے ہوئے صدا لگائی۔

''تمہیں میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' میا کی صدا پر ارسل نے بپھرے ہوئے انداز میں اس کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

''ارسل...... اسے دفع کرو۔ ماریانہ کے پاس جاؤ۔ اس وقت اسے تمہاری ضرورت ہے۔'' پیڈرو نے آگے بڑھ کر اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔ ارسل نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

''ارسل تم ماریانہ کو بچاؤ...... اس کی زندگی خطرے میں ہے۔'' پیڈرو نے کہا۔

"اس کی ماریانہ، اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ اسے اس کے پاس ہونا چاہیے۔" ارسل کے تن بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی۔ وہ اندھا دھند بھاگتا ہوا ٹیرس سے باہر نکلا۔

"ماردیا میں نے اسے...... اب تم کیسے جیو گے ارسل؟" میا ہذیانی کیفیت میں ہنستی رہی مگر اگلے ہی پل اس کی یہ واہیات ہنسی تھم گئی۔ پیڈرو کے زوردار طمانچے نے اسے لڑکھڑا کر زمین پر گرنے پر مجبور کردیا تھا۔ وہ اپنے رخسار پر ہاتھ رکھے حیرت سے پیڈرو کو دیکھ رہی تھی۔

"کتنی بدصورت اور قابل نفرت ہو تم میا۔ تم نے اس لڑکی کے ساتھ یہ سب کیا جو تمہارے ساتھ بے انتہا مخلص تھی۔ مجھے آج خود پر حیرت ہو رہی ہے کہ کیسے میں تمہاری اصلیت سے انجان رہا۔" پیڈرو نے ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ میا اسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی سٹیلا اسے ملامتی نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"پیڈرو پولیس کو بلاؤ۔ اس ہوٹل کے اسٹاف اور مینجمنٹ کو بتاؤ کہ اس عورت نے یہاں قاتلانہ حملہ کیا ہے۔" میا کے حواسوں پر چھائی نفرت اور انتقامی جذبہ، صابن کے جھاگ کی صورت بیٹھنے لگا۔ سٹیلا کی بات نے اس کے سوئے ہوئے حواس بیدار کردیے تھے۔ ماریانہ سے حسد اور نفرت کی آگ میں جلتے ہوئے وہ اپنے حواس کھو بیٹھی تھی مگر اب سب کچھ کر گزرنے کے بعد اسے یہ احساس ہوا تھا کہ وہ ماریانہ پر یوں حملہ کرکے بری طرح پھنس چکی ہے۔ سٹیلا کی بات سن کر وہ بے اختیار اٹھ کر بھاگنے لگی مگر اس حادثے کی خبر پورے ہوٹل میں جنگل کی آگ کی صورت پھیل چکی تھی۔ ہوٹل کا اسٹاف اور سیکیورٹی عملہ بروقت ٹیرس پر پہنچ گیا خود کو یوں پھنستا دیکھ کر میا نے پیڈرو کی طرف مدد طلب نظروں سے دیکھا۔

"یہ قاتلہ ہے...... پکڑلو اسے۔" پیڈرو نے بلند آواز میں چلاتے ہوئے کہا۔ میا خوف و غصے کے ملے جلے تاثرات لیے ان سب کو دیکھنے لگی۔ یہ بات تو طے تھی کہ اس کے لیے اب کوئی جائے فرار نہ بچی تھی۔

❁......❁......❁

"عاصم......" صبیحہ ایک دلخراش چیخ مارتے ہوئے نیند سے بیدار ہوئی۔

"صبیحہ میری بچی۔" مرتضیٰ شفیق تڑپ کر صبیحہ کی جانب بڑھے۔

"بابا...... عاصم چلے گئے۔ وہ میرے دلاور کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔" صبیحہ رونے لگی۔

"صبر کر میری بچی...... ان کی قسمت میں جانا ہی تھا۔ کرنی کو کون روک سکتا ہے بھلا۔" مرتضیٰ شفیق بیٹی کے سر کو اپنے سینے سے لگا کر تسلی دیتے ہوئے روہانسی ہوئے۔

"نہیں بابا...... یہ سب میرا قصور ہے، میری غلطی ہے، میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے شوہر اور اپنے بچے کو کھودیا۔" صبیحہ بلک بلک کر رونے لگی۔

"بیٹا اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں یہ سب تقدیر کا کھیل ہے۔ اللہ کی مرضی ہے وہ جب چاہے، جسے چاہے نواز دے، جب چاہے، جسے چاہے آزمائش میں ڈال دے۔ ہم تو اس کے فیصلوں کے آگے بے بس ہیں بیٹا۔" مرتضیٰ شفیق نے بے بسی سے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابا...... سارا کھیل قسمت کا نہیں ہوتا۔ ہم انسانوں کا بھی قصور ہوتا ہے۔" صبیحہ پچھتاوے بھرے لہجے میں بولی۔

"بیٹا عاصم کے ساتھ جو بھی ہوا وہ ایک حادثہ تھا۔ اس میں تمہارا بھلا کیا قصور؟ تم کیوں بار بار خود کو قصوروار ٹھہرا

رہی ہو۔'' صبیحہ کی بار بار ایک ہی گردان سن کر مرتضیٰ شفیق جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئے۔ وہ ملک سے باہر تھے جب انہیں عاصم کی حادثاتی موت کی خبر ملی تھی۔ وہ آناً فاناً واپس آئے تھے مگر سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ ان کی بیٹی کی دنیا اجڑ چکی تھی۔ صرف شوہر ہی نہیں اس کا بچہ بھی اس دنیا سے جا چکا تھا۔ صبیحہ کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں تھی انہوں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ جیسے اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ نیند سے اچانک چیختے ہوئے اٹھ بیٹھتی تھی۔ خود کو کوسنے لگتی، وہ اس کا دکھ سمجھ سکتے تھے مگر یہ پچھتاوہ، خود کو قصوروار ٹھہرانا، صبیحہ کی بگڑی ہوئی ذہنی حالت سمجھنے سے قاصر تھے۔ انہوں نے کئی بار اس سے اس پچھتاوے کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش کی مگر صبیحہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو گھورتی رہتی تھی۔

مرتضیٰ شفیق کے لیے بیٹی کا یوں برباد ہونا ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ پہاڑ جیسا دکھ تو صبیحہ نے پہلے بھی اٹھایا تھا۔ اس وقت تو وہ صبیحہ کو اس مشکل وقت سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے تھے مگر آج وہ بہت اکیلے پڑ گئے تھے۔ نہ بھائیوں جیسا دوست ساتھ رہا۔ نہ ہی بیٹے جیسا عاصم اور عاصم کا سوچ کر ان کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھتی تھی۔ صبیحہ کو غم سے نکالنے کے لیے وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اس شام بھی صبیحہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر خود کو کوستے ہوئے ماتم کناں تھی۔ وہ اسے سنبھالنے کی کوشش میں بے حال ہو رہے تھے۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں پا رہے تھے کہ کیسے اپنی جان سے عزیز بیٹی کو سمجھائیں کہ جو ہوا اس میں اس کی کوئی غلطی نہیں تھی۔ انہی سوچوں میں غلطاں مرتضیٰ شفیق اپنے کمرے میں اضطرابی کیفیت میں ٹہل رہے تھے کہ ملازم نے انہیں یاور بخت کی آمد کی اطلاع دی۔

''یاور بخت......'' وہ انتہائی حیرت سے سوالیہ انداز میں بولے۔

''جی صاحب۔'' ملازم نے تصدیق کرتے ہوئے سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے اسے بٹھاؤ میں آتا ہوں۔'' وہ الجھے ہوئے لہجے میں ملازم سے کہہ کر یاور بخت کی اس غیر متوقع آمد پر سوچ میں پڑ گئے۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اب یہ یہاں کیوں آیا ہے۔ ہو نہ ہو ضرور ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے آیا ہوگا۔'' وہ اپنی الجھن کا کوئی سرا نہ پاتے ہوئے ناسمجھی سے سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

''کہو یاور بخت...... کیوں آئے ہو؟'' مرتضیٰ شفیق نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کڑک لہجے میں دریافت کیا۔

''انتہائی اہم بات کرنے آیا ہوں۔'' یاور بخت نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں مختصراً جواب دیا۔

''اہم بات...... کس کے متعلق؟'' مرتضیٰ شفیق اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

''صبیحہ کے متعلق۔'' یاور بخت نے دوٹوک اور مستحکم لہجے میں جواب دیا۔

''صبیحہ کے متعلق کیا بات کرنا چاہتے ہو؟ میری بیٹی سے اب تمہارا تعلق ہی کیا ہے جو یہاں امید باندھے چلے آئے ہو۔'' مرتضیٰ شفیق شدید ناگواری کے عالم میں یاور بخت کو ٹوکتے ہوئے بولے۔

''تعلق بہت گہرا ہے۔ آپ نہیں سمجھیں گے۔'' یاور بخت ذومعنی انداز میں بولا۔

''یاور بخت تمہیں زیب نہیں دیتا کہ میرے ہی سامنے کھڑے ہو کر میری ہی بیٹی کے حوالے سے ایسی بات کرو۔'' مرتضیٰ شفیق ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے سخت لہجے میں بولے۔

''میں تو آپ کی پریشانی دور کرنے آیا تھا مطلب شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''دماغ ٹھیک ہے تمہارا...... ہمت بھی کیسے ہوئی میری بیٹی کے حوالے سے اس طرح کی بات کرنے کی؟''

مرتضیٰ شفیق پرطیش لہجے میں یاور بخت پر برس پڑے۔

"میں نے یہ بات بہت سوچ سمجھ کر آپ سے کہی ہے، بہتر ہوگا کہ آپ یہ بات صبیحہ سے کریں۔" یاور بخت، مرتضیٰ شفیق کا غصہ نظرانداز کرتے ہوئے اپنے ازلی بے نیاز انداز میں بولے۔

"تم پاگل ہوگئے ہو۔ فتور بھر گیا ہے تمہارے دماغ میں۔ میری بیٹی عدت میں بیٹھی ہے اور تم چاہتے ہو کہ میں اس سے شادی کی بات کروں۔ وہ بھی تم جیسے دھوکے باز، بدنیت انسان کے لیے۔" مرتضیٰ شفیق نفرت آمیز نگاہوں سے یاور بخت کو گھورتے ہوئے گرجے۔

"بات تو آپ کو کرنی ہی پڑے گی اور جہاں تک بات ہے عدت کی تو عدت ختم ہونے میں محض دس بارہ دن ہی تو رہتے ہیں۔ ویسے بھی میں یہ شادی سادگی سے کرنا چاہتا ہوں۔ روایتی تیاریوں کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔" یاور بخت نے لاپروائی سے اپنی بات مکمل کر کے واپس جانے کے لیے قدم مڑے۔

"گویا یاور بخت...... بہت ہوگیا۔ صبیحہ کا خیال اب اپنے دل سے نکال دو۔ نفرت کرتی ہے وہ تم سے۔ شادی تو دور...... تمہارا نام بھی سننا پسند نہیں ہے اسے۔" مرتضیٰ شفیق جتاتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"وقت بہت بدل چکا ہے مرتضیٰ صاحب۔ صبیحہ کے خیالات بھی بدل چکے ہیں۔ آپ اس سے شادی کے لیے بات کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صبیحہ انکار نہیں کرے گی۔" یاور بخت ذومعنی انداز میں مسکرا کر اپنی بات کہہ کر چلا گیا۔ مگر مرتضیٰ شفیق کے پیروں سے گویا زمین سرک گئی تھی۔

"اسے اتنا یقین کیسے ہے کہ صبیحہ اس مردود سے شادی کے لیے تیار ہوگی۔" ان کی وہ ساری رات شدید اضطرابی کیفیت میں گزری۔ اگلے دن وہ صبیحہ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے کمرے سے نکلے مگر لاؤنج تک پہنچ کر وہ ٹھٹک کر رکے۔ وہاں صبیحہ موجود تھی۔ ٹیلی فون سیٹ کے پاس کھڑی کسی سے بات کر رہی تھی۔

"صبیحہ اس وقت کس سے بات کر رہی ہے؟" وہ بے حد حیران ہوئے۔ الجھے ہوئے انداز میں صبیحہ کو مخاطب کرنے کے لیے آگے بڑھے ہی تھے کہ اس کی بات سن کر سکتے میں رہ گئے۔

"یاور بخت...... یہ ملال مجھے جینے نہیں دیتا کہ عاصم نے مجھے تم سے ملتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ حادثہ یونہی نہیں ہوا تھا۔ میں جانتی ہوں مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر عاصم اپنے حواسوں میں نہ رہے تھے۔ وہ خود تو مجھ سے روٹھا مگر میرا بیٹا بھی ساتھ لے گیا۔" صبیحہ یاسیت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی اور مرتضیٰ شفیق کو لگا جیسے آسمان ان کے سر پر آ گرا ہو۔

"عاصم کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھی صبیحہ یاور بخت سے ملتی تھی۔ کس حق سے، کس حیثیت سے؟" یہ ایک سوچ ان کے دل پر ایک بھاری بوجھ بن کر آ دھری۔

"صبیحہ عاصم کے ساتھ بے وفائی کر رہی تھی اور وہ یہ سچ جان کر سہہ نہ سکا۔ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔" وہ اپنے کمرے میں آ کر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ صبیحہ کے منہ سے انہوں نے جو کچھ بھی سنا وہ ناقابل قبول و ناقابل برداشت تھا۔

"وقت بہت بدل چکا ہے مرتضیٰ صاحب۔ صبیحہ کے خیالات بھی بدل چکے ہیں۔ آپ اس سے میری شادی کے لیے بات کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ صبیحہ انکار نہیں کرے گی۔" ان کی سماعتوں میں یاور بخت کے کہے گئے الفاظ گونجنے لگے۔

"اوہ صبیحہ یہ تم نے کیا کر دیا۔ ایک گھٹیا انسان کی خاطر تم عاصم جیسے ہیرا شخص کو دھوکہ دیتی رہیں۔ اس سے بے

وفائی کر گئیں جس نے تمہیں، تمہارے سب سے مشکل وقت میں سہارا دیا۔ صبیحہ...... میری بد بخت اولاد تم نے تو مجھے عاصم اور اس کے باپ سے قیامت کے دن نظریں ملانے کے قبل بھی نہیں چھوڑا۔" ان کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔

"صبیحہ تم نے اچھا نہیں کیا۔ تم نے عاصم کی آہ لی ہے۔ تم نے میرا دل دکھایا۔ مجھے اپنے دوست کے سامنے بونا ثابت کر دیا۔ تم نے اپنی بد بختی کو دعوت دے دی ہے۔ صبیحہ تم کبھی خوش نہیں رہو گی۔ کبھی بھی نہیں......" دل میں اٹھنے والی ٹیس شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ مرتضیٰ شفیق اپنے سینے پر ہاتھ رکھے زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔ ان کا پورا وجود پسینے میں بھیگنے لگا۔ حلق خشک ہو کر شدید کھانسی اٹھی۔ انہوں نے میز پر رکھے گلاس تک پہنچنے کی کوشش کی مگر آخری سانس نے مہلت نہ دی۔ مرتضیٰ شفیق بیٹی کی زبانی حقیقت جان کر مزید زندگی جی نہیں پائے۔ ان کی پتھرائی نظریں سامنے میز پر رکھے فریم پر مرکوز تھیں۔ اس فریم میں صبیحہ، عاصم اور دلاور کی مسکراتی تصویر نصب تھی۔

❁......❁......❁

"کون ہے یہ لڑکی؟" فاریہ، صبیحہ بیگم کے کمرے میں خاموشی سے کھڑی تھی۔ صبیحہ بیگم کڑے تیور کے ساتھ اس سے استفسار کر رہی تھیں۔

"میری سہیلی ہے۔ اس کے پیرنٹس کچھ دنوں کے لیے شہر سے باہر گئے ہیں۔ اس لیے میں اسے اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔" فاریہ نے بات بناتے ہوئے مختصراً جواب دیا۔

"جھوٹ...... جھوٹ بول رہی ہو تم۔ سچ سچ بتاؤ فاریہ کہ کون ہے یہ لڑکی؟" صبیحہ بیگم اس بار غصے سے بولیں۔

"بتایا تو ہے آپ کو کہ وہ میری سہیلی ہے۔ پتا نہیں آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا۔" فاریہ نے دھیمے لہجے میں نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

"نہیں...... یہ وہی ہے نیلم کی بیٹی۔ ہو بہو وہی چہرہ، وہی قد کاٹھ، اس کے جیسا گلابی رنگ، بادامی آنکھیں اور نظروں میں بالکل ویسے ہی بے باکی، یہ نیلم کی ہی بیٹی ہے۔" صبیحہ بیگم کھوئے ہوئے لہجے میں کہتی چلی گئیں۔ فاریہ کے اندر بے چینی سی دوڑ گئی۔ اسے نا چاہتے ہوئے بھی شبنم کو یہاں لانا پڑا اور اب اس کی شناخت چھپانے کے لیے اسے جھوٹ پر جھوٹ بھی بولنا پڑا تھا۔

"آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے دادی۔ وہ نیلم کی بیٹی نہیں ہے میری سہیلی ہے۔" فاریہ نے پست لہجے میں ایک بار پھر اسے جھٹلانا چاہا۔

"مجھے جھٹلانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہونے والا تمہیں۔ یہ تم بھی بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ وہ کون ہے اور سب کچھ جانتے بوجھتے تم اسے یہاں لے آئی ہو۔ یہ سوچے سمجھے بغیر کہ اگر دلاور کا سامنا اس لڑکی سے ہو گیا تو کیا ہوگا؟ قیامت آئے گی قیامت۔" صبیحہ بیگم، فاریہ کے مسلسل غلط بیانی پر بری طرح تلملاتے ہوئے زور زور سے بولنے لگیں۔ ان کی بات سن کر فاریہ کا دل بھی زور سے دھڑکا۔ اس پہلو پہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا۔ شبنم کا اس کے باپ سے سامنا ہو گیا تو پھر؟

"وہ ہو بہو نیلم کی کاپی ہے اور تمہارا باپ نیلم پر اپنی جان چھڑکتا تھا۔ اس کی بے وفائی کے باوجود آج تک وہ اسے بھول نہیں پایا...... نیلم، دلاور کی پہلی اور آخری محبت تھی۔" صبیحہ بیگم نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے فاریہ کو معاملے کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔ فاریہ عجب سی کشمکش میں مبتلا ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"جانتی ہو اس نے قمر جہاں سے شادی کیوں کی؟" صبیحہ بیگم نے اسے یوں گم صم دیکھا تو سنجیدہ لہجے میں

استفسار کیا۔ فاریہ بے اختیار نفی میں سر ہلا گئی۔
''کیونکہ قمر جہاں وہی گیت گاتی ہے جو نیلم گاتی تھی۔ اس رات سنا تھا میں نے قمر جہاں کو وہ گیت گاتے۔ مجھے لگا کہ نیلم کی روح یہیں اس محل میں بھٹک رہی ہے، اپنا سر دیواروں سے ٹکرا رہی ہے۔ وہ مجھ سے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لینا چاہتی ہے۔ وہ گیت مجھے نیلم کی یاد میں پاگل کر دیتا ہے تو سوچو دلاور کا کیا حال ہوتا ہوگا۔''
صبیحہ بیگم مضطرب سی کیفیت میں اپنے دل کا حال بیان کر رہی تھیں۔ فاریہ ان کا چہرہ تکتی رہی۔
''مجھے تو قمر جہاں پر ترس آتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے دلاور اس سے محبت کرتا ہے۔ اس کی آواز کے سوز کا دیوانہ ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ دلاور نے صرف ایک عورت سے محبت کی ہے اور وہ ہے نیلم...... اسے کھو کر وہ ہر عورت میں اس کا عکس تلاشتا ہے اور اگر اسے کسی عورت میں اس کا عکس نظر آتا ہے تو وہ اس عکس سے محبت کرنے لگتا ہے اور وہ بے چاری عورت یہ سمجھ بیٹھتی ہے کہ دلاور اس کے عشق میں مبتلا ہے۔'' صبیحہ بیگم آج ہر راز کو بے نقاب کرنے کو تیار بیٹھیں تھیں۔ ان کی آواز میں ایک درد تھا۔ نہ جانے یہ درد کس سے منسوب تھا۔ دلاور بخت سے یا پھر نیلم سے......
فاریہ اس بات کا فیصلہ نہ کر پائی۔
''اور تم نے کیا کیا...... پوری کی پوری نیلم اپنے باپ کے سامنے لا کر کھڑی کر دی۔ یہ سوچا بھی نہیں کہ تمہارے باپ نے اگر اس لڑکی کو یہاں دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟ ارے دیوانہ ہو جائے گا وہ۔ ایسا دیوانہ کہ نہ مجھ سے سنبھلے گا نہ تم سے، نہ ہی قمر جہاں سے...... وہ تو انجان ہے کہ اس لڑکی سے اس کا کیا تعلق ہے مگر تم تو انجان نہیں فاریہ پھر یہ سب کچھ جان کر تم کیسے اتنا واہیات کھیل اپنے باپ کے ساتھ کھیل سکتی ہو؟'' صبیحہ بیگم اپنا ضبط کھوتے ہوئے بری طرح فاریہ پر برس پڑیں۔ فاریہ دھڑکتے دل کے ساتھ اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔
''میں کیا کروں دادی مجھے مجبوراً یہ کرنا پڑا...... رضیہ بی بی کو دل کا دورہ پڑا ہے۔ حماد ہسپتال میں ان کے ساتھ ہے اور وہ شبنم کو گھر میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے چند دنوں کے لیے مجھے اسے یہاں لانا پڑا۔'' بالآخر فاریہ نے بے چارگی کے عالم میں صبیحہ بیگم کو سچ بتا ہی دیا۔
''فاریہ بیٹا...... تم حماد کا خیال دل سے نکال دو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر یہ رشتہ جڑا تو تمہارے لیے صرف اور صرف تباہی ہے۔'' صبیحہ بیگم کا فاریہ کی بے بسی دیکھ کر دل پگھلنے لگا۔ وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے اسے سمجھانے لگیں۔
''کیسے نکال دوں خیال دادی۔ محبت کی ہے میں نے اس سے۔ جب پاپا اپنی پہلی محبت دل سے آج تک نکال نہیں پائے تو میں کیسے عماد کی محبت اپنے دل سے نوچ کر پھینک دوں؟'' فاریہ نم آنکھوں سے صبیحہ بیگم کو دیکھتے ہوئے سوال کرنے لگی۔ اس کے سوال نے صبیحہ بیگم کو بھی لمحہ بھر کے لیے خاموش کر دیا تھا۔
''آج اگر تم نے اس کی محبت کو دل سے نہ نکالا تو اس کا خمیازہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب حماد نہ صرف تمہاری محبت کو بلکہ تمہیں بھی اپنے گھر سے بھر باہر نکال دے گا۔'' کچھ دیر توقف کے بعد صبیحہ بیگم چار و ناچار گویا ہوئیں۔ فاریہ ہکا بکا سی انہیں دیکھتی رہی۔
''ایسا کیسے ہو سکتا ہے دادی، حماد مجھ سے بے انتہاء محبت کرتا ہے۔ وہ کیوں میرے ساتھ ایسا سلوک کرے گا؟''
فاریہ کی نگاہوں میں صرف حیرانی نہیں بے یقینی بھی تھی۔
''میں مانتی ہوں وہ تم سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ ابھی یہ نہیں جانتا کہ تمہارا باپ اس کی ماں کا قاتل ہے۔''
صبیحہ بیگم نے سرد لہجے میں فاریہ کے حواسوں پر بم پھوڑا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ دادی......؟" فاریہ کا چہرہ ایک دم سے زرد ہوا۔
"وہی جو سچ ہے۔ مجھے رضیہ نے خود بتایا ہے کہ دلاور نے حماد کی ماں کا قتل کیا ہے۔" صبیحہ بیگم نے فاریہ کا چہرہ دیکھتے ہوئے حقیقت سے پردہ اٹھایا۔
"جھوٹ کہہ رہی ہے وہ عورت، سراسر جھوٹ۔ حماد نے مجھے خود بتایا ہے کہ اس کی ماں کا انتقال ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ہوا تھا۔ اس کے بھیا اس وقت اپنی ماں کے ساتھ تھے۔ وہ معجزاتی طور پر اس حادثے میں محفوظ تو رہے مگر اس حادثے کے اثرات نے کافی دنوں تک ان کی ذہنی حالت کو بگاڑے رکھا۔ رضیہ بی بی نے جھوٹ کہا ہے آپ سے کہ پاپا نے حماد کی ماں کا قتل کیا ہے۔" فاریہ ایک دم سے چیخ کر وضاحتی لہجے میں حماد کی بتائی گئی ہر بات صبیحہ بیگم کو سنا گئی۔
"مگر رضیہ کو کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔ اپنے مالکوں کے بارے میں وہ اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتی ہے؟" صبیحہ بیگم شش و پنج میں مبتلا ہوئیں۔
"کیونکہ رضیہ بی بی اس شبنم کو گھر کی مالکن بنانے کا خواب دیکھ رہی ہیں اور یہ شبنم جس تھالی میں کھاتی ہے اسی میں چھید کرنے کے درپے ہے۔" فاریہ کے لہجے میں شبنم کے لیے انتہائی نفرت اور حقارت در آئی تھی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم فاریہ...... کیا کر رہی ہے شبنم؟" صبیحہ بیگم نے حیرت سے پوچھا۔
"حماد پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر حماد کو ورغلانے کی کوشش کر رہی ہے مگر حماد اسے چھوٹی بہن سمجھتا ہے اور اس کی اوچھی حرکتوں سے عاجز اور پریشان ہے۔"
"ہونہہ...... آخر نیلم کی بیٹی ہے۔ خون کا اثر تو آئے گا ناں۔" صبیحہ بیگم زہر خند لہجے میں ہنکارا بھرتے ہوئے بولیں۔
"دادی اب بتائیں میری کیا غلطی ہے۔ میری ماں کے حق پر اس نیلم نے ڈاکہ ڈالا اور آج یہ شبنم میری محبت پر ڈاکہ ڈالنے کے درپے ہے۔ کیا اب بھی آپ کہیں گی کہ میں اپنی محبت سے دستبردار ہو جاؤں۔" فاریہ روہانسی سی صبیحہ بیگم کو دیکھتے ہوئے بولی۔
"میں پہلے ڈر گئی تھی کہ دلاور نے اگر حماد کی ماں کا واقعی قتل کر دیا تو یہ سچائی جب بھی حماد کے سامنے آئے گی وہ تم سے نفرت کرنے لگے گا۔ اس لیے میں تمہیں اس سے شادی سے روکتی رہی مگر اب رضیہ کا جھوٹ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ تو اب میں تمہیں نہیں روکوں گی مگر اتنا جان لو کہ حماد سے شادی کے بعد تمہارا اس گھر اور ہم سے تعلق ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔" صبیحہ بیگم نے اپنے دل کی بات کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔
"اس گھر اور یہاں کے لوگوں سے تعلقات کوئی خوشی بھی تو نہیں دیتے دادی۔ ہو جائے قطع تعلقی...... مجھے منظور ہے مگر حماد سے بچھڑنا کسی صورت بھی منظور نہیں۔" فاریہ نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ حتمی انداز میں صبیحہ بیگم کو جواب دیا۔ صبیحہ بیگم اس کی بات پر خاموش سی اسے دیکھتی رہ گئیں۔
"اور آپ فکر نہ کریں میں اس بلا کو کل صبح ہی اس گھر سے رخصت کرتی ہوں۔" فاریہ نے بات بدل کر، شبنم کا حوالہ دیتے ہوئے صبیحہ بیگم کو مطمئن کرنا چاہا۔ صبیحہ بیگم نے پوتی کی بات پر سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

❁......❁......❁

غم اور خوشی باری باری زندگی کے دروازے پر دستک دیتے ہیں مگر ہماری آنکھیں ہمیشہ خوشی کی راہ تکتی ہیں۔ زمین صدیوں میں پلٹا کھاتی ہے۔ یہ قانون فطرت ہے۔ بالکل اسی طرح زندگی بھی کچھ سالوں کے وقفے سے پلٹا

کھاتی ہے۔ یہ بھی قانون فطرت ہے اور صبیحہ کی زندگی کیا، دنیا ہی پلٹ گئی تھی۔ پہلے خاوند اور بیٹا اور پھر باپ کا سایہ بھی اس کی زندگی سے تمام ہوا۔ کوئی انہونی تو نہ تھی۔ لوگ دنیا میں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں مگر جن کی زندگی سے جاتے ہیں، اس جانے کا دکھ وہی لوگ جانتے ہیں۔

مرتضیٰ شفیق کے انتقال کو بھی دس دن گزر چکے تھے۔ صبیحہ اپنے ہوش وحواس میں نہ تھی اور ایسے میں یاور بخت کے لیے صبیحہ کے دل تک جاتے راستے کی ہر رکاوٹ اپنے آپ ہی دم توڑ چکی تھی۔ زندگی حادثوں کی زد میں ہو تو دشمن کا سہارا بھی نعمت معلوم ہوتا ہے۔ صبیحہ کو بھی وقت لگا مگر یاور بخت کے سہارے زندگی کی طرف واپس لوٹنے لگی۔

''صبیحہ......اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے تعلق کو لے کر کوئی فیصلہ کرلیں۔ تمہاری عدت ختم ہو چکی ہے۔ مرتضیٰ انکل کا چہلم بھی ہو چکا۔ میں بنا تعلق کے چاہ کر بھی روز تم سے ملنے نہیں آ سکتا۔ تمہیں شاید علم نہیں مگر میرے اس طرح تمہارے گھر آنے جانے پر محلے اور خاندان والے طرح طرح کی باتیں بنارہے ہیں۔ صبیحہ تم جانتی ہو کہ میں دنیا والوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں مگر مجھے فکر ہے تو صرف تمہاری...... میں تمہیں تنہا اور یوں اجڑا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ ایک بار تمہارا ساتھ چھوڑنے کا خمیازہ بھگت چکا ہوں دوبارہ یہ غلطی دہرا نہیں سکتا۔'' یاور بخت نے مناسب موقع دیکھتے ہی صبیحہ کی سماعتوں میں دنیا کا ڈر بٹھا کر اپنے دل کی بات کہہ دی۔ صبیحہ نے خاموش اور الجھن بھری نگاہوں سے یاور بخت کو دیکھا۔

''میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اس تعلق کو کوئی نام دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ میں تم سے سادگی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' یاور بخت نے اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھتے ہوئے مختصر اور دوٹوک انداز میں اپنی بات کی مزید وضاحت کی۔

''میرے پاس تم سے نکاح کے علاوہ کوئی اور راستہ بچا بھی نہیں ہے یاور بخت۔'' صبیحہ نے یاور بخت کا مقصد جان کر آہستگی سے کہہ کر سر جھکا لیا۔ یاور بخت کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہو کر چند ثانیے میں ہی معدوم ہو گئی تھی۔

جمعہ کے دن صبیحہ اور یاور بخت کا نکاح ہوا اور صبیحہ نے ایک بار پھر بخت محل کی مالکن بن کر یاور بخت کی زندگی میں قدم رکھ دیا تھا۔

❁......❁......❁

''کون ہو تم؟'' شبنم بستر پر بیٹھی فاریہ اور حماد کے سرد رویوں پر جل کڑھ رہی تھی تب ہی قمر جہاں نے کمرے میں داخل ہو کر اس کی پشت کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ شبنم چونک کر بے اختیار پلٹی۔ قمر جہاں اس کا چہرہ دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ وہ ہو بہو اس تصویر کی کاپی تھی جو بند کمرے میں موجود تھی۔

''تم......! تم تو بالکل ویسی ہو۔ اس تصویر جیسی۔'' قمر جہاں کی زبان سے بے ساختہ پھسلا۔

''تصویر جیسی......! کس تصویر کی بات کر رہی ہیں آپ؟'' شبنم نے قمر جہاں کی بات پر تعجب سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''نہیں...... کچھ نہیں۔'' قمر جہاں نے سر جھٹکتے ہوئے اپنی بات کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔ شبنم حیرانگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تم حماد کے گھر کی ملازمہ ہو ناں۔'' قمر جہاں نے قیاس آرائی کرتے ہوئے شبنم کو دیکھ کر تصدیق کرنا چاہا۔

''یہ کس نے کہا آپ سے کہ میں حماد کی ملازمہ ہوں۔'' شبنم یہ بات سنتے ہی بھڑک اٹھی۔
''ملازمہ نہیں تو پھر کون ہو؟'' قمر جہاں اس کے تیور پر حیران ہوتے ہوئے استفسار کرنے لگی۔ دل ہی دل میں وہ متعجب تھی کہ اگر یہ وہی لڑکی ہے جس کے بارے میں فاریہ نے اسے بتایا تھا تو پھر وہ حماد کے گھر کی ملازمہ ہونے سے انکار کیوں کر رہی ہے۔
''میں حماد کی ملازمہ نہیں ہوں۔ حماد محبت کرتا ہے مجھ سے اور بہت جلد شادی کرنے والا ہے۔'' شبنم نے حسب عادت بڑے بول بول کر اپنے اندر کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی۔
''واٹ......! حماد تم سے شادی کرنے والا ہے؟'' قمر جہاں حیران ہوکر اسے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے بولی۔
''ہاں...... یقین نہیں آرہا تو پوچھ لیں فاریہ سے لیکن وہ آپ کو کیوں بتائے گی۔ وہ تو خود میرے اور حماد کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کوشش میں لگی ہوئی ہے۔'' شبنم منہ بنا کر پھر سے اپنی ہانکنے لگی۔
''یہ کس طرح کی بے تکی باتیں کر رہی ہو تم؟'' قمر جہاں زچ ہوکر بولی۔
''جو سچ ہے وہی بتا رہی ہوں آپ کو۔ ویسے آپ ہیں کون؟ اور فاریہ کی لگتی کیا ہیں؟'' اس بار شبنم بھی ٹھٹکتے ہوئے قمر جہاں کی جانب متوجہ ہوئی۔
''ماں ہوں میں اس کی۔'' قمر جہاں نے شبنم کو گھور کر زور دیتے ہوئے جواب دیا۔
''ایں......! اتنی جوان ماں؟'' شبنم نے ہکابکا سی قمر جہاں کو دیکھا۔ قمر جہاں اس کی باتوں پر جھنجھلاتے ہوئے واپس جانے کو پلٹی۔
''ویسے ایک بات کہوں؟'' قمر جہاں کو جاتا دیکھ کر شبنم نے استفہامیہ انداز میں کہا۔ قمر جہاں نے پلٹ کر اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔
''آپ کی شکل اس مشہور گلوکارہ سے ملتی ہے...... بڑا مشکل سا نام ہے اس کا...... ہاں یاد آیا قمر جہاں۔'' شبنم نے اپنے ذہن پر زور ڈال کر پرجوش سے انداز میں کہا۔ قمر جہاں نے اس لاابالی، غیر پختہ، بڑبولی سی اپسرا کو بغور دیکھا اور مسکرا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔
''حیرت ہے...... فاریہ اتنی مشہور گلوکارہ کی بیٹی ہے اور مجھے آج تک پتا ہی نہیں چل سکا۔'' شبنم حیرت سے بڑبڑاتے ہوئے پرسوچ انداز میں واپس بستر پر جا بیٹھی۔ اس کا ناپختہ ذہن اس بار نئے منصوبے بنانے میں مصروف ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

زندگی پر چھایا سکوت ٹوٹا تو سست رفتاری سے ہی سہی مگر اپنے مدار میں گھومنے لگی تھی۔ یاور بخت اپنے سابقہ رویے پر شدید نادم ہوکر پچھتاوے کا شکار تھا تب ہی اپنی زیادتی کے ازالے کے طور پر صبیحہ کو پلکوں پر بٹھا کر رکھتا تھا۔ کم از کم صبیحہ کو تو یاور بخت کی دیوانوں جیسی محبت کو دیکھ کر یہی محسوس ہونے لگا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اپنا ماضی بھلا چکی تھی مگر یاور بخت سے نکاح کے بعد عاصم کی یاد پر رات رات بھر آنسو بہانے کی خواہش وہ ضبط کرنے کی کوشش کرتی۔ البتہ اپنے بچے کی باتیں وہ یاور بخت سے خوب کیا کرتی تھی۔ یاور بخت اس کی تمام باتوں کو مسکراتے ہوئے کسی ہمدرد دوست کی صورت سنا کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ صبیحہ کا اعتماد یاور بخت پر بحال ہونے لگا تھا۔
''صبیحہ ناشتے کے بعد تیار ہوجانا آج ہم نے کسی خاص جگہ جانا ہے۔'' اس دن صبح ناشتے پر یاور بخت نے صبیحہ کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے مطلع کیا۔

"کسی خاص جگہ پر؟" صبیحہ نے حیرانگی سے سوال کیا۔
"یہ تو سرپرائز ہے۔ تمہیں چل کر ہی پتا چلے گا۔" یاور بخت نے مسکراتے ہوئے کہا تو صبیحہ نے آہستگی سے سر ہلانے پر اکتفا کرتے ہوئے کرسی سے اٹھ گئی۔ زندگی میں در آنے والی تبدیلی انسان کی شخصیت میں بھی تبدیلی پیدا کرنے کا موجب بنتی ہے۔ صبیحہ نے بھی پہلے کی طرح بات بات پر سوال کرنا چھوڑ دیا تھا۔ قسمت نے اس کی زندگی کے ساتھ جو بھی کھیل کھیلا اس میں کب اس کی مرضی شامل تھی۔ انسان تقدیر کے معاملے میں بے بس ہوتا ہے۔ یہ جان کر اب اسے کوئی بات پریشان نہیں کرتی تھی۔ کوئی تجسس اب اسے مزید جاننے کے لیے اکساتا نہ تھا۔ یاور بخت اب جو بھی کہتا وہ بنا پس و پیش کے قبول کر لیتی تھی۔ یاور بخت کی گاڑی ایک پرانے طرز کی عمارت کے سامنے رکی تھی۔
"جائے امان...... یہ کون سی جگہ ہے؟" صبیحہ نے حیرت سے اس عمارت کی دیوار پر لکھے نام کو پڑھتے ہوئے تعجب سے سوال کیا۔
"یہ جگہ یتیم خانہ...... بے سہارا اور لاوارث عورتوں اور بچوں کے لیے بہترین ٹھکانہ ہے۔ مجھے عزیز نے بتایا ہے کہ اس کا ایک قریبی جاننے والا اس ادارے کو رقم دیتا ہے اور یہاں آنے والے بچے یتیم اور لاوارث ہو سکتے ہیں مگر کسی کے گناہوں کی سزا یا گندا خون نہیں۔" یاور بخت نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے صبیحہ کو دیکھا۔
"وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" صبیحہ ہنوز تعجب کا شکار تھی۔
"صبیحہ...... اپنی محرومی دور کرنے، اپنی فیملی مکمل کرنے......" یاور بخت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"مگر میں تو محروم نہیں تھی یاور بخت۔ میری فیملی بھی مکمل تھی...... لیکن یہ سب کچھ مجھ سے چھین لیا گیا۔ مجھے تقدیر نے محروم کر دیا۔" یاور بخت کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ صبیحہ اس کی بات کاٹتے ہوئے یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔ یاور بخت کے چہرے کا رنگ ایک دم سے زرد ہوا۔ وہ نظریں چراتے ہوئے بے اختیار پست لہجے میں بولا۔
"جو ہوا اسے بھول جاؤ صبیحہ۔ ورنہ ماضی کی اذیتیں کبھی تمہیں خوش نہیں رہنے دیں گی۔ زندگی میں آگے نہیں بڑھنے دیں گی۔" یاور بخت کی بات کے جواب میں صبیحہ خاموش رہی۔
"چلیں......" یاور بخت نے اپنائیت سے صبیحہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ صبیحہ آہستگی سے سر ہلاتے گاڑی کا دروازہ کھولنے لگی۔ اسے گاڑی سے اترتا دیکھ کر یاور بخت بھی گاڑی سے اتر گیا۔
"یاور صاحب بچہ ایڈاپٹ کرنا آپ کا ذاتی فیصلہ ہے مگر آپ کو ہمیں یقین دلانا ہوگا کہ آگے جا کر آپ دونوں کی کوئی اپنی اولاد ہوتی ہے تو سگے اور غیر کی بنیاد پر آپ دونوں بچوں میں کوئی تفریق نہیں کریں گے۔ آپ کو اس بچے کی مکمل ذمہ داری اٹھانی ہوگی۔ مزید یہ کہ بچے کے معاملے میں آپ کی طرف سے کوئی غفلت کبھی پیش نہیں آئے گی۔" یاور بخت اور صبیحہ ایک ادھیڑ عمر عورت کے سامنے بیٹھے تھے اور وہ عورت اپنی ناک پر چشمہ ٹکائے ان دونوں کے سامنے شرائط نامہ رکھے اس کے مندرجات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"آپ بے فکر رہیں، یہاں سے جو بچہ ہم ایڈاپٹ کریں گے آج سے وہ ہماری سگی اولاد جیسا ہوگا۔ آپ یقین رکھیں۔ زندگی میں کبھی بھی اس کے ساتھ ہماری طرف سے کوئی زیادتی پیش نہیں آئے گی۔ یہ ہمارا آپ سے وعدہ ہے۔" یاور بخت نے اس عورت کو اپنے اور صبیحہ کی جانب سے یقین دلاتے ہوئے اس شرائط نامے پر دستخط کر دیے۔

''ٹھیک ہے۔آ یئے یاور صاحب۔بچوں کو دیکھ لیجئے۔'' وہ عورت اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔اس کے دیکھا دیکھی یاور بخت اور صبیحہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔وہ دونوں اس عورت کے پیچھے چلتے ہوئے ایک ہال نما کمرے میں آ کھڑے ہوئے۔یہاں کئی بچے موجود تھی۔نومولود سے لے کر چھ سال کی عمر تک۔

''آپ دونوں میاں بیوی یہاں سے بچے کا انتخاب کر لیں۔'' ادھیڑ عمر عورت نے ان دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہاں وحشت ہو رہی ہے۔یہاں سے چلو یاور بخت۔'' صبیحہ ان گنت بچوں کو روتا بلکتا دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''ہم...... چلو۔'' یاور بخت صبیحہ کی دلی کیفیت سمجھتے ہوئے بولے۔وہ دونوں اس ہال نما کمرے سے باہر آ گئے۔صبیحہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی کہ ایک دم سے آٹھ،نو ماہ کا بچہ کرولنگ کرتے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔صبیحہ کے قدم ایک دم سے رک گئے۔وہ اس بچے کو دیکھتی رہی۔وہ بچہ کرولنگ کرتا ہوا اس کی طرف بڑھ کر ہمکنے لگا۔صبیحہ کو لگا جیسے اس کا دلاور ایک بار پھر اس کے سامنے آ گیا ہو۔وہ بے اختیار لپک کر اس بچے کی جانب بڑھی اور گود میں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''دلاور...... میرا دلاور۔'' اس گول مٹول،سرخ و سفید سے بچے میں صبیحہ کو اپنے بیٹے کی شبیہہ نظر آنے لگی۔وہ بچہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔صبیحہ اپنی ممتا پر مزید ضبط نہیں کر پائی۔اسے لگا ایک طویل عرصے بعد اس کی گود ایک بار پھر بھر گئی ہو۔اس کا بچہ اس کی زندگی میں لوٹ آیا ہو۔وہ ممتا سے چور،اپنی محبت لٹاتے اس بچے کو بے قراری کے عالم میں چومتی رہی۔وہ بچہ بھی جیسے ماں کے قرب کا پیاسا تھا،ترسا ہوا تھا۔صبیحہ کے اس والہانہ پیار پر اس کے سینے سے چمٹ گیا۔

''محترمہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔ہم اسی بچے کو ایڈاپٹ کریں گے۔'' یاور بخت نے اس عورت کو فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔وہ عورت تذبذب کے عالم میں کچھ لمحے تک سوچتی رہی پھر سر ہلا کر چلی گئی۔

''دلاور بخت......'' یاور بخت نے صبیحہ کے کاندھے پر محبت سے ہاتھ رکھ کر اس کے سینے سے چمٹے بچے کو دیکھتے ہوئے کہا۔صبیحہ کی نظریں بے اختیار یاور بخت کے چہرے پر اٹھیں۔ان نگاہوں سے جھلکتی شکر گزاری یاور بخت کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھی۔

''آج سے یہ ہمارا بیٹا ہے۔دلاور بخت......'' یاور بخت نے مسکرا کر صبیحہ کو ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''میرا جگر گوشہ...... میرا دل۔'' صبیحہ مطمئن سی ہو کر بے اختیار مسکراتے ہوئے بچے کا ماتھا چومنے لگی۔

❁......❁......❁

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ بابا جانی...... اس قدر خوفناک حادثہ وہ بھی ماریانہ آپی کے ساتھ؟'' حماد کھانا کھا کر بیٹھا تھا۔تب ہی فیروز حسن نے اسے کال پر یہ اندوہناک خبر سنائی۔وہ ششدر رہ گیا۔

''مگر یہ سب ہوا کیسے؟'' اس نے پریشانی سے استفسار کیا۔

''ٹھیک ہے بابا جانی بھیا کے پاس ہسپتال جائیں۔وہ اس وقت بے حد پریشان ہوں گے۔'' وہ بات سمجھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''آپ یہاں کے معاملات سے بے فکر ہو جائیں۔میں ہوں ناں یہاں۔فی الوقت آپ کی ضرورت بھیا کو ہے۔'' اس نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ کر وہ اس حادثے کے بارے میں سوچنے لگا جس

کی خبر اسے چند لمحے پہلے فیروز حسن سے ملی تھی۔ ایک بے چینی سی اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔ اسی پل ٹیلی فون ایک بار پھر بجا۔ حماد نے فوراً سے بیشتر ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ اسے خدشا تھا کہ کال ایک بار پھر اسپین سے آئی ہے مگر کال فاریہ کی تھی۔

"ہیلو حماد مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" فاریہ کے لہجے سے بے چینی جھلک رہی تھی۔

"فاریہ کل کرتے ہیں بات...... اس وقت میں بہت ٹینس ہوں۔" حماد نے بے زاری سے جواب دیا۔ اسے اس لمحے اگر فکر تھی تو صرف ارسل اور ماریانہ کی زندگی کی۔

"ٹینس ہو...... مگر کیوں حماد؟" فاریہ حیران و متجسس ہوئی۔

"ماریانہ آپی کے ساتھ بہت برا حادثہ پیش آیا ہے۔ وہ ہوٹل کے سیکنڈ فلور سے نیچے گر گئی ہیں اور اس وقت ان کی حالت ٹھیک نہیں ہے فاریہ۔" حماد نے فاریہ کو پریشان کن لہجے میں مختصراً تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ سو سیڈ...... حماد مجھے بے حد افسوس ہے اس حادثے کا مگر......" فاریہ نے افسردگی سے کہا۔

"رکو فاریہ...... بابا کی کال آ رہی ہے۔ میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" اسی لمحے کالر آئی ڈی ایک اور نمبر شو کرنے لگا۔ حماد نے وہ نمبر دیکھا اور بے ساختہ فاریہ کو روکتے ہوئے کہا۔

"لیکن حماد......" فاریہ کہتی رہ گئی مگر حماد کال کٹ کر کے فیروز حسن کو کال ملانے لگا۔

"جی بابا جانی۔" کال ریسیو ہوتے ہی وہ مصروف ہو گیا تھا۔

❁......❁......❁

"تم ایسا کیسے کر سکتی ہو؟ اپنا بچہ، جس سے تم اتنی محبت کرتی ہو، کیسے ان دونوں میاں بیوی کے حوالے کر سکتی ہو؟" وہ چادر میں منہ چھپائے خستہ حال سی بیٹھی اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے برابر میں اسی کی ہم عمر عورت بیٹھی اسے ملامتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے تمہارا شوہر مر گیا مگر تم تو زندہ ہو پھر کیسے تم نے اپنے بچے کو ان دونوں کے حوالے کر دیا؟" اس عورت نے سخت دل کبیدگی سے کہا۔

"میڈم تو تیار بھی نہیں تھیں مگر تم نے زبردستی اصرار کر کے اپنے بچے کو ان لوگوں کے حوالے کر دیا۔ کیسی ماں ہو تم سجل؟" وہ عورت لتاڑتے ہوئے اسے سخت نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ماؤں کو اپنی اولاد کی بھلائی کے لیے سخت فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ میرے بچے کی بھلائی میری آغوش میں نہیں بلکہ اس عورت کی آغوش میں ہے جو اسے دیوانہ وار چوم رہی تھی۔ اس کا نصیب اس جائے امان میں نہیں بلکہ اس محل میں ہے لکھا ہے۔" سجل مدہم مگر ٹھوس لہجے میں بولی تھی۔

(ان شاءاللہ باقی آئندہ شمارے میں)

❁

صباحت رفیق چیمہ

ریسٹورینٹ سے اندر داخل ہوتے ہی اس کی ہائی ہیل کی ٹک ٹک نے وہاں بیٹھے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ کچھ نے ارادتاً نظریں اٹھا کے اسے دیکھا اور کچھ کی نظریں بے ساختہ اس کی طرف اٹھی رہ گئی تھیں۔ اس نے سیاہ رنگ کے فراک پر سیاہ دوپٹے کو حجاب کی طرح لپیٹا رکھا تھا۔ سفید رنگ کے چھوٹے سے بیگ کی لمبی بیلٹ کندھے پر لٹکائی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ بیگ کی بیلٹ پر تھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے اس نے کالی جلد والی ڈائری کو تھام رکھا تھا۔ میک اپ کے نام پر اس نے گہرے گلابی رنگ کی لپ اسٹک ہونٹوں پر لگائی ہوئی تھی۔ درمیانے قد کی وہ لڑکی بہت خوب صورت نہیں تھی لیکن کچھ تو تھا اس میں جو اسے دوسروں سے ممتاز بنا رہا تھا۔ شاید اس کی اٹھی ہوئی گردن اور آنکھوں سے چھلکتا دنیا کا سامنا کرنے کا حوصلہ۔

ریسٹورنٹ کے یونیفارم میں ملبوس ایک لڑکی اسے دیکھتے ہی چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کی طرف بڑھی۔ اس کو خوش آمدید کہتے۔ اس کی پسندیدہ نشست کی کرسی کھینچی۔ اپنا بیگ اور ڈائری میز پر رکھ کر وہ خاموشی سے بیٹھ گئی اور بہت نرمی سے گویا ہوئی۔

"سوری میم لیکن میں نے بھی تو ہر بار آپ کو بتایا ہے کہ آپ کے لیے یہ سب کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ جب تک آپ یہاں ہوتی ہیں میرا دل کرتا ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے کاموں کے بہانے بس آپ کے اردگرد رہا کروں۔" کسی کسٹمر کے پکارنے پر وہ لڑکی اس کی طرف بڑھ گئی جبکہ اس نے اپنی ڈائری کا نشانی والا صفحہ جب کھولا تو سامنے ہی سنہری روشنائی سے "اگست" لکھا ہوا نظر آیا۔ یعنی کہ اگست کا مہینہ شروع ہو گیا تھا اور اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔ دنوں اور مہینوں کا تو کوئی قصور نہیں ہوتا لیکن نہ جانے کیوں ہماری زندگی میں ہونے والے حادثات اور واقعات کا ان دنوں اور مہینوں سے ایسا گہرا تعلق ہوتا

ہے کہ ان کے آنے سے وہ درد تازہ ہو جاتے ہیں۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنے بیگ سے ایک نیلی روشنائی والا قلم نکالا اور جہاں اگست لکھا تھا اس کے بالکل نیچے وہ کچھ لفظ بکھیرنے لگی۔

ا...... اے میری گمشدہ محبت سن

گ...... گئے دنوں کو کھوجتی کیوں ہے

س...... سمے کے گہرے سمندر کو بتا

ت...... تہہ سے سیپیاں پلٹتی ہیں کبھی؟

یہ لکھنے کے بعد اس نے قلم اسی صفحے کے درمیان رکھ دیا اور گال پر ہاتھ ٹکا کے ان لفظوں کو دیکھتے خود کو باور کروانے لگی کہ جو محبت گم شدہ ہو چکی ہے اسے اب گمشدہ ہی رہنا چاہیے۔ اسے گئے دنوں کو نہیں کھوجنا کیونکہ یہی اس کے لیے بہتر ہے۔

"میم آپ کافی لیں گی؟" ویٹر کی آواز نے اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"ہاں لیکن پندرہ منٹ بعد۔" ابھی ویٹر کے وہاں سے جانے کی دیر تھی کہ ایک چار سال کا بچہ بھاگتا ہوا آیا اور اس سے لپٹ گیا۔

❀......❀......❀

عبیرہ حیدر ابھی کالج میں تھی کہ اس کی والدہ جان لیوا ہارٹ اٹیک سے وفات پا گئیں۔ عبیرہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ حیدر صاحب اور عبیرہ دونوں کے لیے یہ صدمہ جان لیوا تھا۔ زندگی جانے والوں کے ساتھ کب رکتی ہے؟ زندگی کا تو کام ہی آگے بڑھنا ہے سو ان باپ بیٹی کی زندگی بھی گزرتی رہی۔ عبیرہ نے اپنی پڑھائی کے ساتھ گھر بھی سنبھالا اور حیدر صاحب کو بھی۔

اپنی ماں کی جگہ کسی دوسری عورت کو دیکھنا بہت مشکل کام ہوتا ہے لیکن وہ اپنے باپ کے لیے یہ کڑوا گھونٹ پینے کے لیے بھی تیار تھی۔ اس نے حیدر صاحب کو دوسری شادی کے لیے منانے کی بہت کوشش کی لیکن آج تک ان کی نہ ہاں میں نہیں بدل سکی تھی۔ زندگی میں کتنی باتیں ہوتی ہیں جو ماں کو دوست بنا کے کہی جا سکتی ہیں لیکن باپ سے چھپائی جاتی ہیں کیونکہ اس کی امی کہا کرتی تھیں۔

"باپ بیٹی کے درمیان لحاظ ہونا چاہیے، ہر بات باپ کو بتانے والی نہیں ہوتی۔" اس کو پڑھائی کے ساتھ گھر کے کاموں نے اتنی فرصت نہیں دی کہ وہ اپنی دوستیاں یونیورسٹی سے باہر یا گھر تک لاتی۔ سو اس کی زندگی میں ماں کے جانے کے بعد ایک خالی پن رہ گیا تھا جس میں گزرتے دنوں کے ساتھ اضافہ ہی ہوا تھا۔

اس کی زندگی میں ہلچل تب پیدا ہوئی جب اس کے کلاس فیلو ارحم نے کلاس سے باہر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بہت بار اسے نظر انداز کیا لیکن وہ پیچھے ہٹنے کی بجائے مزید اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ جب ٹھہرے ہوئے پانی میں پتھر پھینکیں گے تو ہلچل تو پیدا ہوگی۔ وہ بھی اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ دونوں میں دوستی ہوئی جس نے بہت جلد محبت کا روپ دھار لیا۔ اس میں بھی زیادہ ہاتھ ارحم کا تھا۔ جب سارا دن تھک ہار کے وہ رات کو بستر پر لیٹتی تب ارحم کی آنے والی فون کال اور اس کی کانوں میں رس گھولتی باتیں اس کی ساری تھکن دور کر دیتی۔

ارحم اکثر اپنی اسائنمنٹس میں اس کی مدد لیتا، وہ اسے سمجھاتی لیکن پھر بھی جب اسے سمجھ نہ آتا تو وہ اس کا اسائنمنٹ بھی بنا کے دینے کی ہامی بھر لیتی۔ اکثر اسائنمنٹس بناتے ہوئے ساری رات اسے جاگنا پڑتا۔ اس کی صحت تیزی سے گرنے لگی لیکن اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ وہ ارحم کے ساتھ پر خود کو خوش قسمت تصور کرتی لیکن جیسے ہی یونیورسٹی ختم ہوئی وہیں ارحم کی دوستی اور محبت دونوں ختم ہوگئیں۔ ارحم نے رفتہ رفتہ مصروفیت کا بہانہ بنا کے اس سے بات کرنا کم کیا اور پھر رابطہ ہی ختم ہی کر دیا لیکن اسے تو ارحم کی عادت ہوگئی تھی کہ جس دن اس سے بات نہ ہوتی اس کا دل بے چین رہتا۔ سارا دن نہ کچھ کھاتی تھی نہ پیتی تھی۔ مئی میں اس کی یونیورسٹی ختم ہوئی تھی، جون، جولائی کے مہینے تک پہلے جیسا ہی چلتا رہا۔ اگست کا مہینہ شروع ہوتے ہی ارحم نے اسے نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ اس کے نظر انداز کرنے کے باوجود بھی جب عبیرہ نے اس سے رابطہ کم نہ کیا تو ارحم نے اسے بلاک کر دیا۔ تب وہ حیران ہوئی تھی۔

دن گزرتے گئے اور اسے سمجھ آتا گیا کہ ارحم نے اس سے

دوستی صرف اور صرف اپنی اسائنمنٹس بنوانے کے لیے کی تھی۔ کیونکہ وہ اپنی کلاس کی ٹاپر تھی اس کی اسائنمنٹس کی سارے ٹیچرز تعریف کرتے تھے۔ کلاس کی حد تک وہ تو سب کو اپنے نوٹس دے دیا کرتی تھی، کسی کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا تو وہ سمجھا دیا کرتی تھی۔ اگر ارحم کو بھی اس کی مدد چاہیے تھی تو وہ دوستی اور محبت کا سہارا لیے بغیر بھی کہتا تو وہ اس کی مدد ضرور کرتی۔ جب اسے اس بات کا احساس ہوا کہ اسے اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا گیا ہے، وہ بہت روئی لیکن پھر اس نے خود سے عہد کیا کہ آئندہ کبھی کسی پر اعتبار نہیں کرے گی۔ اس نے خود کو اس تکلیف سے نکالنے کے لیے سکندر صاحب کے ساتھ ان کا آفس جوائن کر لیا تھا۔ وہ خود کو اتنا مصروف رکھتی تھی کہ فارغ رہ کے کسی کے بارے میں سوچنے کا وقت بہت کم ملتا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی تھکن کی وجہ سے فوراً اسے نیند آجایا کرتی۔ دن تو گزر رہے تھے لیکن اس کی زندگی میں اگست کا وہ مہینہ ٹھہر گیا تھا جس میں ارحم نے اسے بلاک کیا تھا۔ شاید وہ ابھی تک اس مہینے سے آگے بڑھ ہی نہیں پائی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آج بھی دو سال بعد اگست کا لفظ دیکھتے ہی اسے وہ ساری اذیت پھر یاد آگئی تھی۔

❁ ❁ ❁

"میں آپ سے بہت زیادہ ناراض ہوں۔" اس بچے نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ عبیرہ نے اسے اٹھا کر اپنے ساتھ والی کرسی پر بٹھالیا۔

"کیوں ناراض ہیں آپ مجھ سے؟" عبیرہ نے اس کے گال پر چٹکی کاٹ کے پوچھا۔

"کیونکہ آپ نے کہا تھا ہم پھر جلد ملیں گے اور میں بابا کے ساتھ روزانہ آتا تھا لیکن مجھے آپ ملی ہی نہیں، آپ اتنے زیادہ دنوں کے بعد ملی ہیں۔" اس بچے نے اپنی توتلی زبان میں شکایت کی تو عبیرہ نے سر اٹھا کے سامنے دیکھا۔

وہ شخص کالی پینٹ پر سفید شرٹ کے ساتھ نیلے رنگ کی ٹائی لگائے اور سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس شخص سے عبیرہ کی یہ دوسری ملاقات تھی۔ پہلی ملاقات بھی کچھ دن پہلے اسی جگہ پر ہوئی تھی۔ جب اس نے اپنے ساتھ والی میز پر ایک چار سال کے بچے کو مسلسل روتے دیکھا تو اپنا کام چھوڑ کے وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر ہچکچاتے ہوئے اٹھ کے اس کے پاس آئی تھی۔ بچہ اسے دیکھ کے چپ ہو گیا بس پھر وہیں اس کی بچے سے دوستی ہو گئی تھی۔ بچے نے اپنا نام علی بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ اپنی ماما کے پاس جانا چاہتا ہے اور بابا اس کو لے کے نہیں جاتے۔ بس اسی لیے وہ رو رہا ہے۔ لمحہ بھر کو اس نے سوچا کیسا ظالم باپ ہے اپنے بچے کے آنسو بھی اسے نظر نہیں آرہے، میاں بیوی کی لڑائی میں بچہ مفت میں پس رہا ہے۔ وہ علی کو باتوں سے بہلانے لگی۔ ان دونوں کی باتوں کے دوران وہ شخص ایک بار بھی کچھ نہیں بولا تھا۔ علی نے اس سے اسی جگہ پر دوبارہ ملنے کا وعدہ لیا تھا لیکن کام کی مصروفیت کی وجہ سے وہ بھول گئی تھی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" آج پہلی بار وہ شخص عبیرہ سے مخاطب ہوا تھا جس کا نام بھی اسے معلوم نہ تھا، اس کے پوچھنے پر عبیرہ نے جلدی سے اپنی نظروں کا زاویہ بدلتے اثبات میں گردن ہلائی۔ تب علی معصومیت سے بولا۔

"بتائیں ناں آپ مجھے اتنے دنوں کے بعد کیوں ملی ہیں؟ آپ نے تو کہا تھا کہ ہم جلدی ملیں گے، میں روزانہ بابا کو ساتھ لے کے یہاں آتا تھا لیکن آپ یہاں نہیں ہوتی تھیں، آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا۔" علی نے اس کا بازو ہلاتے دوبارہ دہائی دی۔ اس کی جھوٹ والی بات سن کے وہ مسکرانے لگی۔ ان دونوں کی باتوں سے بے نیاز وہ شخص ویٹر کو بلا کے اپنا آرڈر لکھوانے لگا۔

"میں نے جھوٹ بولا ہے؟" عبیرہ نے آنکھیں نکال کے پوچھا تو علی نے زور زور سے اپنا سر ہلا کے کہا۔

"جی بالکل اور آپ کو پتا ہے بابا کہتے ہیں جو شخص جھوٹ بولتا ہے وہ بہت گندا ہوتا ہے۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ میں گندی ہوں؟" علی نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں...... نہیں تم اچھے لڑکے ہو۔" اپنا کہا گیا ڈائیلاگ اپنے بیٹے کے منہ سے اس لڑکی کے لیے سن کے اس شخص کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ عبیرہ نے اس کا مسکراتا چہرہ دیکھا، وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا لمحہ بھر کو دونوں کی نظریں ملیں پھر

عبیرہ نے سنجیدہ ہو کر فوراً اپنی نظریں جھکا لیں۔

ویٹر ان دونوں کی کافی اور علی کا جوس لے آیا تھا۔ وہ اپنی کافی پینے کے ساتھ علی کو بھی جوس پلانے لگی۔ کافی پیتے اس شخص کی نظریں بے اختیار میز کے ایک طرف رکھی اس کی کھلی ڈائری پر گئیں اور وہ ان لفظوں پر ایک گہری نظر ڈال کے رہ گیا۔

واپسی پر علی نے اس سے دوبارہ ملنے کا پکا والا وعدہ لیا تھا۔ وہ بھی ان دونوں کے ساتھ ہی اٹھ گئی تھی۔ اس شخص نے اپنی گاڑی کا لاک کھول کے علی کو فرنٹ سیٹ پر بٹھایا اور پھر وہ پلٹ کے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا جب عبیرہ نے اچانک اسے پکارا۔

"ایکسکیوزمی، بات سنیں۔" اس شخص کے قدم رکے اور اس نے پلٹ کے دیکھا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" حیران ہوتے اس شخص نے کہا۔

"جی کہیے۔"

"آپ علی کو اس کی ماما سے ملوا لائیں۔ وہ اپنی ماما کے لیے بہت اداس ہے، ان سے ملنا چاہتا ہے۔ بڑوں کی لڑائی میں بچوں کا تو کوئی قصور نہیں ہوتا۔ اس طرح انہیں کسی ایک سے دور رکھنا غلط بات ہے۔" چند لمحے وہ بنا کسی تاثر کے اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں علی کو اس کی ماما سے ملوا لاؤں گا لیکن میری ایک شرط ہے۔" شرط کا سن کے عبیرہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

"کیسی شرط؟"

"آپ بھی علی کے ساتھ چلیں گی۔" علی نے ہی اسے اپنے بابا سے درخواست کرنے کے لیے کہا تھا اور اب بھی وہ گاڑی کا شیشہ نیچے کیے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ فوراً دروازہ کھول کے باہر نکلا اور عبیرہ کا ہاتھ تھام کے اس سے کہنے لگا۔

"آپ چلیں گی ناں میرے ساتھ؟" خود اس کی ماں نہیں تھی اسے اندازہ تھا کہ ماں سے دور رہنا کیسا ہوتا ہے اگر اس کی وجہ سے وہ معصوم بچہ اپنی والدہ سے مل لے گا تو اس سے اچھی کیا بات ہوگی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس شخص کی طرف دیکھ کے پوچھا۔

"کب جانا ہے؟"

"صبح فجر کی نماز کے بعد۔" وہ حیران ہوئی۔

"اتنی صبح۔" لیکن اس نے لمحے بھر کو سوچا اور کچھ کہے بغیر اپنے بیگ سے کارڈ اور قلم نکالا اس پر کچھ لکھنے کے بعد وہ کارڈ علی کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ میرے گھر کا ایڈریس ہے۔ جاتے وقت مجھے میرے گھر سے لے لینا۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گئی جب کہ وہ کارڈ علی اس سے لے کر دیکھنے لگا تھا۔

❁......❁......❁

"بیٹا اتنی صبح صبح کہاں کی تیاری ہے؟" سکندر صاحب صبح کی نماز ادا کر کے جب گھر آئے تو عبیرہ کو تیار دیکھ کے انہوں نے پوچھا۔ وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

"بابا میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آپ سے اجازت لینی تھی۔"

"کس بات کی اجازت؟" عبیرہ نے علی کے بارے میں انہیں مختصراً بتایا تو وہ کہنے لگے۔

"ضرور جاؤ بیٹا اگر ہماری وجہ سے کسی کا بھلا ہو جائے تو اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے۔" اسے اپنے بابا کی یہ بات بہت اچھی لگتی تھی۔ وہ اپنے ساتھ دوسروں کی بھلائی کے بارے میں بھی سوچتے تھے۔ ورنہ آج کل لوگ تو خود غرض ہو کر رہ گئے ہیں۔

"شکریہ بابا جان۔ آپ کا ناشتہ میں نے بنا دیا ہے۔ آپ کر لیجیے گا اور اگر مجھے دیر ہو گئی تو میں سیدھا آفس آ جاؤں گی۔" اس نے کہا۔

"آفس آنے کی ضرورت نہیں۔ میری طرف سے آج چھٹی کرو۔ گھر میں آرام کرو، کھاؤ پیو۔ تمہارا باپ ہے ناں ابھی، وہ دیکھ لے گا سب آفس کے کام۔ باپ کے ہوتے بیٹیوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" ایسی باتوں سے وہ جذباتی ہو جاتی تھی۔ اپنے بابا کے لیے ہمیشہ دعا کرتی تھی۔ اب بھی بلند آواز میں کہا۔

"اللہ آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر سلامت رکھے۔" تب

ہی ڈور بیل کی آواز سن کے سکندر صاحب نے کہا۔
"جاؤ بیٹا لگتا ہے وہ لوگ تمہیں لینے آگئے ہیں۔" لیکن وہ جانے کی بجائے ان سے کہنے لگی۔
"آپ بھی تو آئیں ناں ساتھ، ان سے مل لیں۔ میں تو انہیں جانتی بھی نہیں ہوں۔ آپ مل لیں گے تو مجھے تسلی ہو جائے گی اور میں آرام سے جاسکوں گی۔" سکندر صاحب مسکرانے لگے۔ انہیں اپنی بیٹی پر یقین تھا اسی لیے اس کے اکیلے آنے جانے پر انہیں پریشانی نہیں ہوتی تھی۔

❁......❁......❁

اس نے دوبارہ ڈور بیل بجانے کے لیے ابھی ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ اسے باہر نکلتا دیکھ کے وہ پلٹنے ہی لگا تھا کہ سکندر صاحب کو دیکھ کے رک گیا۔ وہ بھی اسے دیکھ چکے تھے۔ خوشگوار حیرت سے آگے بڑھ کے اسے گلے لگا کے پوچھا۔
"خضر بیٹا...... آپ کب پاکستان واپس آئے؟" عبیرہ نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ "تو خضر نام ہے اس کا۔" اس نے آہستہ سے خود کلامی کی۔ علی، عبیرہ کو دیکھ کے گاڑی سے باہر آکر اس سے لپٹ گیا۔
"انکل بس یہی کوئی تین مہینے پہلے، آپ سنائیں کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" خضر نے بتانے کے ساتھ ان کا حال پوچھا۔
"اللہ کا شکر ہے، علی بیٹا آپ کیسے ہیں؟" سکندر صاحب خضر کو جواب دے کے علی کی طرف متوجہ ہوئے۔
"آپ کو میرا نام کیسے پتا چلا؟" علی نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو مزید بڑا کر کے پوچھا تو وہ ہنسنے لگے۔ اس کے بال بکھیر کے کہا۔
"آپ کی دوست نے بتایا تھا۔" پھر خضر کی طرف دیکھ کے پوچھا۔
"خضر بیٹا اندر نہیں آؤ گے؟" خضر نے ایک نظر علی اور پھر دوسری نظر عبیرہ پر ڈال کے کہا۔
"نہیں انکل ابھی تو علی سے کیا گیا وعدہ پورا کرنے کے لیے جانا ہے پھر کبھی ان شاء اللہ۔" سکندر صاحب اس کا کندھا تھپک کے بولے۔

"ان شاء اللہ...... چلو ٹھیک ہے جاؤ آپ لوگ۔" ان کی طرف سے اجازت ملتے ہی وہ لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔

❁......❁......❁

راستے میں خضر نے ایک جگہ گاڑی روکی اور جب واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سفید پھولوں کا گلدستہ تھا جو اس نے علی کو تھما دیا۔
"یہ آپ ماما کے لیے لائے ہیں؟" اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ عبیرہ نے گاڑی کو جانے پہچانے راستے کی طرف مڑتے دیکھا تو وہ چونکی۔ وہ جانتی تھی یہ راستہ کس طرف جاتا ہے۔ پھر بھی اس سے پوچھ بیٹھی۔
"یہ...... یہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟" خضر نے اس کی آواز سے گھبراہٹ واضح محسوس کی، بیک مرر سے اس کی طرف دیکھ کے کہا۔
"علی کی ماما کے پاس۔" عبیرہ کو اب ساری بات سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے سیٹ پر اپنا ہاتھ سختی سے جما لیے۔ آنکھوں میں جمع ہونے والے پانی کو اندر دھکیلنے لگی۔
"کیا ہم واپس نہیں جاسکتے؟" یہ سنتے ہی علی نے رونی صورت بنا کے کہا۔
"نہیں...... میں ماما سے ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔" وہ خاموش ہو گئی۔
شہر خموشاں کے باہر اس نے اپنی کار روک دی تھی۔ سب سے پہلے وہ باہر نکلا، دوسری طرف کا دروازہ کھول کے علی کو باہر نکالا اور پھر اس کی طرف دیکھا جو ابھی بھی یوں اندر بیٹھی تھی جیسے اس کا باہر آنے کا کوئی ارادہ نہ ہو۔ خضر نے خود ہی دروازہ کھول دیا۔
"باہر نہیں آئیں گی؟ آپ نے ہی تو ملوانے کا کہا تھا اب ملنے نہیں آئیں گی میری بیوی سے؟" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اپنے آنسو ضبط کرتی رہی۔ علی نے باپ کو پیچھے ہٹایا اور عبیرہ کا ہاتھ پکڑ کے کہنے لگا۔
"آئیں ناں پلیز۔" اب اس کو ساتھ جانا پڑا، آخر اسی نے تو کہا تھا۔
ایک قبر پر پہنچ کے اس نے علی سے پھولوں کا گلدستہ لیا اور

گھٹنے زمین پر ٹیک کے وہ گلدستہ قبر کے سرہانے رکھ دیا۔
"بابا، ماما کہاں ہیں؟" علی کے پوچھنے پر اس نے قبر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
"یہاں اس مٹی کے نیچے تمہاری ماما ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹوٹ کے گال پر بہہ گئے۔
"انہیں کہیں ناں، یہاں سے باہر آئیں، میں نے ان سے بات کرنی ہے۔" علی کی بات سن کے عمیرہ اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے اسے سمجھانے لگی۔
"اللہ تعالیٰ نے ان کو باہر آنے کی اور کسی سے بھی بات کرنے کی اجازت نہیں دی لیکن وہ آپ کی باتیں سن سکتی ہیں، آپ یہاں بیٹھ کے اپنی ماما سے باتیں کرو گے تو وہ آپ کی ساری باتیں سنیں گی۔" علی نے کچھ لمحے عمیرہ کی طرف دیکھا اور پھر اپنا اگلا سوال پوچھا۔
"بابا رو کیوں رہے ہیں؟" عمیرہ نے خضر کو دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ یہ دوسرا مرد تھا جس کی آنکھوں میں وہ آنسو دیکھ رہی تھی۔ پہلا اس کا باپ تھا جس کو اس نے اپنی ماں کی وفات پر روتے دیکھا تھا، جو لوگ کہتے ہیں کہ مرد روتے نہیں، غلط کہتے ہیں۔ مرد بھی انسان ہوتے ہیں، ان کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے۔ تکلیف انہیں بھی ہوتی ہے۔
"ان کی آنکھوں میں مٹی چلی گئی ہے اس لیے رو رہے ہیں۔ آپ جلدی سے اپنی ماما سے باتیں کر لو پھر ہمیں گھر بھی جانا ہے۔" اس نے علی کو بہلایا۔
علی وہاں بیٹھ کے اپنے نئے کھلونوں کی، اپنے بابا کے ساتھ کھیلنے کی، ماما کو یاد کرنے کی ساری باتیں اس مٹی کے ڈھیر کو بتانے لگا۔ اس نے خضر کی طرف دیکھا جو ارد گرد سے بے نیاز ہو کر اس کی قبر کی مٹی پر پیار سے یوں ہاتھ پھیر رہا تھا جیسے وہاں کوئی جیتا جاگتا انسان ہو۔ وہ الٹے قدموں وہاں سے باہر نکل آئی تھی، کچھ دیر بعد خضر اور علی بھی باہر آ گئے تھے، خاموش اور اداس اداس سے۔ اس نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

❁......❁......❁

حیات صاحب، سکندر صاحب کے دوست تھے۔ دس سال پہلے وہ بزنس کے سلسلے میں کینیڈا شفٹ ہو گئے تھے اور پھر بیوی کی وفات کے بعد سکندر صاحب کا سارا دھیان عمیرہ، گھر اور بزنس کی طرف ہو کر رہ گیا تھا۔ اس لیے ان کا حیات صاحب سے رابطہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ تین سال پہلے جب انہوں نے کینیڈا کے نمبر پر فون کیا تو تب ان کی خضر سے بات ہوئی اور تب ہی حیات صاحب اور ان کی بیگم کی وفات کا پتا چلا تھا اور اب عمیرہ سے خضر کی بیوی کی وفات کا سن کے ان کا دل دکھ سے بھر گیا تھا۔ اللہ اپنے جن بندوں کو آزمانے پر آتا ہے تو اسی طرح آزماتا ہے۔ عمیرہ کو بھی یہ سب جان کے دکھ ہوا تھا، اس کے پاس تو پھر بھی باپ کا سایہ تھا لیکن خضر تو تنہا رہ گیا تھا۔ دو دن تک وہ اور سکندر ان دونوں باپ بیٹے کا ذکر کرتے رہے اور پھر دوبارہ بزنس کی مصروفیت نے ان کا ذکر دب کر رہ گیا تھا۔

❁......❁......❁

ہفتے کی خوب صورت شام وہ اسی ریسٹورینٹ میں موجود تھی۔ ابھی اسے بیٹھے پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ اس نے خضر حیات کو اپنی طرف آتے دیکھا لیکن خضر کا دھیان اپنے موبائل پر تھا، وہ شاید ٹائپنگ کر رہا تھا، دیکھنے میں اس کی عمر اکتیس بتیس سال لگتی تھی۔ خوش شکل، دراز قامت اور صحت مند شخص تھا۔ ہلکی سی داڑھی مونچھیں اور اس کے چہرے کی سنجیدگی اسے بارعب ظاہر کر رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ عمیرہ کی طرف دیکھتا۔ عمیرہ نے جلدی سے اپنے سامنے رکھی فائل کھول لی۔ اس کے قریب آ کر میز بجاتے خضر نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
"ایکسکیوزمی۔" عمیرہ نے یوں ظاہر کیا جیسے بہت ضروری کام مصروف ہو اور اس کے پکارنے پر اس کے کام میں خلل پڑا ہو۔
"آپ......کیا ہوا، سب خیریت ہے؟" اس نے سنبھل کر خضر سے پوچھا۔
"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" عمیرہ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو بیٹھنے کو کہا۔ اس کے بیٹھنے کے بعد عمیرہ نے اس سے پوچھا۔

''آج آپ کے ساتھ علی دکھائی نہیں دے رہا؟'' اپنا موبائل میز پر رکھتے خضر نے بتایا۔

''آتے وقت راستے میں سکندر انکل مل گئے تھے وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔'' یہ سن کے عبیرہ کے لب ''اوہ'' میں گول ہوئے۔

''آپ کو بابا نے بتایا تھا میرے یہاں ہونے کا؟'' کچھ سوچ کر اس نے پوچھا تو خضر نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں...... میں نے اندازہ لگایا تھا۔'' عبیرہ نے اس کے اتنے ٹھیک اندازے پر کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اندازہ لگانے میں ماہر لگتے ہیں آپ۔'' خضر کو سمجھ نہیں آئی کہ اس نے تعریف کی ہے یا طنز، اس لیے کندھے اچکا کر رہ گیا۔

''ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔''

''آپ نے کیا بات کرنی تھی؟'' عبیرہ نے پوچھا۔ اس نے بنا کوئی تمہید باندھے کہا۔

''میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' یہ سنتے ہی عبیرہ نے اس کی طرف حیران ہوکر دیکھا اور بغیر کچھ کہے اپنا بیگ اور فائل اٹھا کے باہر نکل گئی۔ وہ اپنی کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب خضر سامنے آ کر کھڑا ہوگیا۔

''آپ نے میری پوری بات بھی نہیں سنی اور جا رہی ہیں۔'' عبیرہ ناگواری سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں نے جتنی بات سن لی ہے میرے لیے وہی کافی ہے۔ مزید مجھے کچھ نہیں سننا۔''

''لیکن کیوں؟'' خضر نے وجہ معلوم کرنا چاہی۔

''کیونکہ میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی، آخر آپ نے مجھے پرپوز کیسے کیا، کیا آپ کو اپنی اور میری عمر میں فرق دکھائی نہیں دیا؟ مجھ میں کیا خامی ہے کہ میں ایک شادی شدہ شخص سے، ایک بیٹے کے باپ سے شادی کروں، آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ ویسے افسوس کی بات ہے...... ابھی آپ کی بیوی کی وفات کو چھ مہینے بھی نہیں گزرے ہوں گے اور آپ مجھے پرپوز کر رہے ہیں۔'' وہ طنز سے بولی۔ ''اوہ اچھا...... آپ نے سوچا ہوگا کہ آپ کے بیٹے سے کی جانے والی میری دوستی سے کیوں نہ فائدہ اٹھایا جائے، جیسے میں نے آسانی سے آپ کے بیٹے سے دوستی کرلی ہے ایسے ہی آپ سے شادی بھی کرلوں گی۔'' خضر کے چہرے کے تاثرات ایک دم سخت ہوئے تھے۔ اس کے چپ ہوتے ہی وہ وہیں سے ایک لفظ بھی کہے بغیر پلٹ گیا۔ اتنی تیز ڈرائیونگ کی کہ اس سے پہلے گھر پہنچ کے وہ علی کو لے کے جاچکا تھا۔

رات بستر پر لیٹتے ہی خضر کے چہرے کے تاثرات یاد کر کے وہ رونے لگی کیونکہ جب بھی اس نے خضر کو دیکھا تھا پتا نہیں کیوں اسے وہ اپنا اپنا سا لگا تھا۔ ایسے جیسے اس سے کوئی بہت گہرا رشتہ ہو لیکن وہ اس احساس کو جھٹلاتی رہی تھی۔ ضروری تو نہیں کہ ہر شخص ارحم جیسا مطلبی ہو لیکن اس کا قصور بھی تو نہیں تھا دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کے پیتا ہے۔ وہ ساری رات اس نے جاگتے ہوئے گزاری، روتی بھی رہی اور اپنے لفظوں پر بہت نادم تھی کہ اس نے خضر کو اتنی سخت باتیں کیوں کہیں۔

❁......❁......❁

وہ اپنے آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں مصروف تھا۔ جب ہی انٹرکام بجا۔ اس نے ریسیور اٹھا کے کان سے لگایا۔

''سر...... آپ سے ملنے کے لیے......'' اپنی اسسٹنٹ کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی اس نے کہا۔

''بھیج دو۔'' اور ریسیور رکھ دیا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور عبیرہ اس کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ کی بورڈ پر تیزی سے ٹائپنگ کرتے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''جی فرمائیے۔'' اپنے کہے گئے لفظوں کے پچھتاوے کی وجہ سے وہ تین دن بعد اس کے آفس آئی تھی۔

''میں آپ سے معذرت کرنا چاہتی ہوں۔'' جھکی نظروں کے ساتھ اس نے شرمندگی سے کہا تو خضر نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں اپنے لفظوں پر شرمندہ ہوں، مجھے آپ سے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' خضر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے اس کو دیکھنے لگا۔

"آپ کیوں شرمندہ ہورہی ہیں، آپ نے تو کچھ غلط نہیں کہا تھا۔ ایک ایسا شخص جس نے پسند کی شادی کی ہو، اپنی بیوی کو ٹوٹ کے چاہا ہو اور اس کی وفات کے صرف چھ مہینے بعد ہی وہ کسی اور لڑکی سے شادی کرنے کا سوچ رہا ہے۔"

"میں معذرت چاہتی ہوں۔" وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

"اور یہ بات بھی آپ نے خوب کہی کہ میں نے واقعی ہی ایسا سوچا تھا کہ جس لڑکی کو میرے بیٹے کے آنسو تکلیف دے سکتے ہیں، جب اس کا میرے بیٹے سے کوئی رشتہ ہوگا تب وہ اس کو کتنی محبت دے گی اور یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ بھلا آپ مجھ جیسے شادی شدہ ایک بچے کے باپ سے کیوں شادی کریں گی۔ بنا یہ سب سوچے آپ کو پرپوز کرنے کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔" اس کی باتیں اب عبیرہ کو تکلیف دے رہی تھی۔ وہ بنا کچھ کہے اسے دیکھتی رہی، عبیرہ کے اس طرح دیکھنے پر خضر نے بھی بغور اسے دیکھا۔ کئی لمحے وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، پھر کہہ رہا ہوں کہ آپ کو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ غلطی میری تھی، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے، میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچی اس کے لیے میں پھر معافی چاہتا ہوں۔" اس کو یوں شرمندہ دیکھ کے خضر نے کہا۔

"کبھی کبھی ماضی میں کچھ لوگوں نے ایسے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی ہوتی ہے کہ پھر کسی بھی نئے شخص پر اعتبار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، پھر ہم ہر کسی کو ایک ہی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ میں جانتی ہوں ہمارے ایسا کرنے پر جو مخلص لوگ ہوتے ہیں انہیں تکلیف پہنچتی ہوگی۔" وہ شرمندہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے پانی کو خضر نے بغور دیکھا پھر بہت نرمی، آہستگی اور مدہم لہجے میں پوچھا۔

"کافی پئیں گی؟" عبیرہ نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے کے نرم تاثرات دیکھتے ہی عبیرہ کی اداسی اچانک غائب ہوگئی تھی۔ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے اپنی ہنسی روکتے نم آنکھوں کے ساتھ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ خضر اپنا موبائل اور چابیاں اٹھا کے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ خضر عبیرہ کو اپنی پسند کی کافی شاپ پر لے آیا۔ اس دوران ان دونوں نے اپنے ماضی کے خوب صورت لمحات کی باتیں ایک دوسرے سے کی تھیں۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے ان کے اندر ڈیرا جمائے اداسی کہیں رخصت ہوگئی تھی۔ اس کو خضر کے آفس سکندر صاحب خود ڈراپ کر کے گئے تھے۔ اس نے انہیں اتنا بتایا تھا کہ کسی بات پر اس نے خضر سے بدتمیزی کی ہے لیکن وہ یہ نہیں بتا سکی تھی کہ بات کیا تھی۔ اب خضر اسے ڈراپ کرنے آیا تھا۔ اس کی کار سے اترتے وہ رکی۔ وہ جس بات کے لیے اس سے ملنے آئی تھی وہ تو اسے کہہ ہی نہیں سکی تھی۔

"کیا بات ہے؟" خضر نے اس کے رکنے اور پھر اپنی طرف دیکھنے پر خود ہی پوچھ لیا۔

"آپ نے کہا تھا ناں کہ آپ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں؟" اس نے سنجیدہ ہوکر پوچھا۔

"عبیرہ ہم اس بات کو ختم کر چکے ہیں۔" عبیرہ نے فوراً پوچھا۔

"دوبارہ شروع کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"کیا مطلب؟" اسے واقعی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کہنا کیا چاہتی ہے۔

"مطلب یہ کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔" عبیرہ نے اب آسان لفظوں میں کہا لیکن یہ سن کے اس نے دبے لہجے میں کہا۔

"شادی کے فیصلے محض ہمدردی یا اپنے کسی گلٹ کی وجہ سے کیے جانے والے ہرگز نہیں ہوتے عبیرہ۔" وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ اس نے یہ فیصلہ کسی گلٹ کی وجہ سے نہیں کیا۔ لیکن اسے بولنے کا موقع دیے بغیر وہ مزید کہنے لگا۔

"اپنی کسی مجبوری کے تحت یا صرف علی کے لیے کرنا چاہتا تو اپنی بیوی کی وفات کے فوراً بعد ہی کر لیتا کیونکہ علی کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا لیکن اتنے مہینوں سے اسے سنبھال ہی رہا ہوں۔ تم سے شادی کرنا میری خواہش تھی، جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا تو ایسا لگا جیسے تم سے میرا کوئی رشتہ ہے۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد میں جان گیا تھا وہ درد کا رشتہ تھا جو تم میں اور مجھ میں مشترک ہے۔ زندگی میں بہت دکھوں کا سامنا کیا ہے میں

نے، پہلے باپ کو، پھر ماں کو اور اب بیوی کو بھی کھو چکا ہوں۔ بیٹے کے علاوہ کوئی میرا نہیں رہا۔ بیٹا بھی ابھی اتنا چھوٹا ہے جس کے ساتھ میں اپنا درد بانٹ نہیں سکتا۔ تم سے شادی کی خواہش میری تھی۔ میں چاہتا تھا کہ تمہاری آنکھوں میں ٹھہرے اس بے رنگ پانی کو چن کے وہاں اپنی محبت کی ست رنگ تتلیاں بسا دوں اور تمہارا ساتھ پا کر کیا پتا میں اپنا ہر غم بھول جاؤں لیکن شادی باہمی رضامندی سے ہو تو پھر ہی اچھی لگتی ہے۔ میں نے تمہیں صرف پروپوز کیا تھا۔ تم نے اگر انکار کیا تو یہ تمہارا حق تھا۔ اس کے لیے کسی بھی گلٹ کو دل میں جگہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔" یہ سب سن کے عبیرہ نے یوں گہرا سانس لیا جیسے خضر کے بجائے وہ بول رہی ہو۔ عبیرہ نے اس کا آپ سے تم پر آنا واضح محسوس کیا یعنی اب وہ اسے اجنبی نہیں سمجھ رہا تھا۔

"کہہ لیا آپ نے جو کہنا تھا؟ میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کے کیا ہے اور اپنی دلی رضامندی سے آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"

"لیکن کیوں؟" خضر کے لیے یہ سمجھنا مشکل تھا کیونکہ وہ پہلے جس طرح اسے انکار کر چکی تھی اب یوں اس کا شادی کے لیے مان جانا اس کے لیے حیرت انگیز تھا۔

"کیونکہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ میں آپ کی رفاقت میں خوش رہوں گی۔" وہ کہتی ہوئی مسکرا کر پلٹ گئی تھی۔

❁......❁......❁

اگلے دن اس نے آفس سے چھٹی کی، وہ کچھ وقت اپنے ساتھ گزارنا چاہتی تھی، کام والی سے صفائی کروائی اور کھانا پکایا۔ جب دوپہر میں سکندر صاحب گھر آئے تو وہ اسے پریشان دکھائی دیے۔ کھانا کھانے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں چلے گئے تب وہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی۔ ان کے پاس بیٹھ کے اس نے پوچھا۔

"کیا بات ہے بابا آپ پریشان دکھائی دے رہے ہیں؟" انہوں نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ اکثر اس کی وجہ سے پریشان رہتے تھے کہ ایسی نہ جانے کیا بات ہوئی ہے، جس کی وجہ سے وہ شادی سے انکار کرتی ہے۔

"خضر آج میرے آفس آیا تھا، اس نے تم سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔" اسے امید نہیں تھی کہ خضر اتنی جلدی بابا سے بات کر لے گا۔

"تو اس وجہ سے پریشان ہیں؟" سکندر صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اسے اپنی پریشانی کی وجہ کھل کے بتانے لگے۔

"ہاں...... میں اسے بچپن سے جانتا ہوں، میں خوشی سے تمہارا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتا اگر وہ ایک بچے کا باپ نہ ہوتا لیکن اب تمہارا ہاتھ میں کیسے اس کے ہاتھ میں دے سکتا ہوں؟ لوگ باتیں بنائیں گے کہ سکندر نے اپنی اکلوتی بیٹی ایک بچے کے باپ سے بیاہ دی۔"

"بابا آپ کب لوگوں کی باتوں کی پروا کرنے لگے؟" عبیرہ کی بات سن کے انہوں نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

"لوگوں کی باتوں کے علاوہ بھی اگر دیکھوں تو تمہارا اور اس کا کوئی جوڑ دکھائی نہیں دے رہا، عمر میں بھی کئی سال تم سے بڑا ہے۔" عبیرہ نے اپنی نگاہیں جھکا کے آہستگی سے کہا۔

"حضرت محمد ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے کتنے سال بڑے تھے بابا اور اگر خضر کی بیوی وفات پا چکی ہے تو اس میں اس کا کیا قصور، اگر وہ ایک بیٹے کا باپ ہے تو یہ کہاں لکھا ہے کہ وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا؟" سکندر صاحب نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ وہ سمجھ گئے تھے۔ اس لیے اس سے پوچھا۔

"تو مطلب تمہیں کوئی اعتراض نہیں خضر سے شادی پر؟" عبیرہ پہلے تو خاموش رہی لیکن پھر ایک بار سر اٹھا کے ان کی طرف دیکھا کہ کہیں وہ غصے میں تو نہیں، جب ان کے چہرے پر غصہ دکھائی نہ دیا تو وہ انہیں بتانے لگی۔

"جب اس دن میں نے خضر سے بدتمیزی کی تھی تب اس کے پرپوزل دینے والی بات پر ہی کی تھی پھر میں نے اسے یہی سب باتیں سنائی تھیں جو آج آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں لیکن پھر میں نے اس پر سوچا تو مجھے احساس ہوا خضر میرے لیے ایک بہترین ہمسفر ثابت ہوگا، یہ میری رائے ہے بابا۔ باقی فیصلہ تو آپ کا ہی ہوگا اور آپ کا جو فیصلہ ہوگا وہ مجھے قبول ہوگا۔" سکندر

صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اگر ان کی بیٹی خضر کے ساتھ خوش تھی تو انہیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ عمیرہ کا سر جھکا ہوا تھا جس کی وجہ ان کی مسکراہٹ نہیں دیکھ پائی تھی۔

❁......❁......❁

خضر نے کچھ مہینوں کے لیے کینیڈا جانا تھا اس نے جلد نکاح کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اکتوبر کے مہینے کے آخری دن سکندر صاحب نے ان دونوں کو نکاح کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ سکندر صاحب کافی عرصے بعد اپنی بیٹی کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ دیکھ کے خوش تھے۔ اسے رخصت کرنے کے بعد وہ پرسکون ہو گئے تھے لیکن جاتے وقت عمیرہ سکندر صاحب سے وعدہ لے کے گئی تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ رہیں گے۔ سکندر صاحب نے اسے ٹالتے ہوئے ہامی بھر لی تھی۔ علی کا تو یہ جان کر خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں رہا تھا کہ اب اس کی دوست اس کے ساتھ اس کے گھر میں رہے گی۔ خضر اپنی بیوی کی ڈیڈ باڈی لے کے جب پاکستان آیا تھا تب اس نے اپنی پرانی ملازمہ زیبا خاتون کو ہی دوبارہ رکھ لیا تھا۔ وہ اپنی فیملی کے ساتھ کوارٹر میں شفٹ ہو گئی تھی۔ اس کی غیر موجودگی میں وہی علی کے پاس رہتی تھی۔ علی رات کو خضر کے ساتھ سوتا تھا لیکن آج زیبا نے خود ہی اس سے کہا کہ وہ علی کے ساتھ سو جائے گی۔ زیبا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف آ گیا جہاں عمیرہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔

خضر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے سجے سنورے سراپے پر ایک نظر ڈال کے مسکرایا۔ پہلے اس نے ہمیشہ اسے سادگی میں دیکھا تھا۔ آج اس طرح زیورات اور میک اپ میں دیکھ کے پہچان نہیں پایا تھا۔ اب بھی اسے دیکھ کے مسکرا رہا تھا۔ اس نے گھونگھٹ نہیں نکالا ہوا تھا بس سر جھکائے بیٹھی تھی۔ خضر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر انگوٹھے سے نرمی سے سہلاتے ہوئے کہا۔

”پیاری لگ رہی ہو۔“ عمیرہ نے اپنی لرزتی پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ آج وہ اس کی طرف دیکھ نہیں پا رہی تھی نا پہلے کی طرح بات کر پا رہی تھی۔ اب بھی نظریں چرالیں۔ خضر اس کی گھبراہٹ دیکھ کے ہنسنے لگا۔

”اتنی پراعتماد لڑکی سے مجھے اس طرح گھبرانے کی امید نہیں تھی۔“ اب کہ عمیرہ نے اسے خفگی سے دیکھ کے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے کھینچ لیا۔ خضر نے اس کی خفگی کو بھی انجوائے کیا اور اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر کھولی تو اس میں ڈائمنڈ رنگ جگمگا رہی تھی۔ خضر نے اس کا بایاں ہاتھ دوبارہ پکڑا اور اس کی چوتھی انگلی میں وہ انگوٹھی پہناتے ہوئے کہا۔

”اس انگوٹھی کو ہمیشہ پہنے رکھنا، یہ ہر وقت تمہیں احساس دلائے گی کہ تم خضر کی ہو اور خضر صرف تمہارا۔“ عمیرہ کو ایسے لگا جیسے کسی نے پھولوں کا رس اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔ اس کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ اس نے اپنے لیے بہترین ہمسفر منتخب کیا تھا اور اکتوبر کی یہ آخری رات دو مخلص لوگوں کی زندگی میں آنے والی حسین راتوں میں سے ایک ٹھہری تھی۔ صبح اس کی قربت میں جب عمیرہ نے اپنی آنکھیں کھولیں تو مسکراتے ہوئے اس نے محبت سے خضر کے بال بکھیر دیے۔ بالآخر اس کی زندگی سے تکلیف دہ یادوں والا اکتوبر کا مہینہ بیت گیا تھا۔ اب تو اکتوبر کے مہینے سے اس کی حسین یادیں جڑ گئی تھیں۔ اس نے بیگ سے اپنی روزانہ لکھی جانے والی ڈائری نکالی وہاں حروف توڑ کر لکھنے لگی۔

س......سیاہ راتوں کے چاند میرے
ت......تیرے وجود کی ضیاء سے
م......میرے بدن کی تازگی ہے
ب......بڑی ہی دلکش زندگی ہے
ر......راحتیں ہیں سپردگی کی

❁

"ٹماٹر اسی روپے کلو...... لال بادشاہ اسی روپے کلو۔"

گلی سے آتی سبزی والے کی پکار پر، داخلی دروازے سے منسلک آنگن میں کپڑے پھیلاتی فردوس کے کان کھڑے ہوئے تھے۔ ایک بے یقینی سے انہوں نے باہر جھانک کر دیکھا، ٹھیلے پر سرخ سرخ ٹماٹروں کے ڈھیر سے پڑوسن عشرت ٹماٹر چن رہی تھی۔

"ارم...... بیٹی ارم، ذرا میری چادر تو پکڑانا اور ہاں میرا بٹوہ بھی دے دو بستر پر ہوگا۔" اگلے ہی پل وہ بٹوا تھامے چادر سر پہ جمائے سبزی والے کے سر پر تھیں۔ عشرت نے قریباً دو کلو ٹماٹر لیے تھے اور غالباً گھر سے ٹوکری یا پیسے لینے گھر گئی تھی۔ دو سو پچاس روپے کلو ٹماٹروں کے ریٹ پر اسی روپے کلو ٹماٹر...... ٹماٹر کیا تھے ٹماٹر کا بھرتہ تھے۔ عشرت نے سرخ، سخت ٹماٹر کا ڈھیر اچک لیا تھا۔ فردوس نے اسی تھیلی سے کلو ٹماٹر نکال کے ٹوکری میں بھرے اور سبزی والے کو پکڑا دیے۔

"لو بھئی ذرا کلو بھر ٹماٹر تول دو۔"

"مگر خالہ...... یہ دو کلو ٹماٹر تو وہ برابر والی خالہ تلوا کر گئی ہیں۔"

"ارے واہ...... ایسے کیسے اس نے سارے اچھے ٹماٹر چھانٹ کر بھر لیے؟ تمہیں جو پیسے دے گا اسی کو ٹماٹر دو گے ناں۔ اس نے ابھی تمہیں پیسے تھوڑے ناں دیئے ہیں...... یہ لو سو روپے اور بیس روپے واپس کرو۔" انہوں نے اپنے مخصوص رعونت بھرے انداز میں حکم دیا۔ سبزی والے نے ایسا ہی کیا اور کلو بھر ٹماٹر تول کر فردوس کو پکڑا دیے تھے۔

یہ اس سے کچھ ہی دیر بعد کی بات تھی جب ارم کے والد ریٹائرڈ ماسٹر کرامت مسجد سے ظہر پڑھ کر لوٹ رہے

تھے اور گھر میں داخل ہو کر صحن میں کچن کی کھڑکی تلے بچھے تخت پر سبزی بناتی فردوس کے پاس آ کر بیٹھ گئے تھے۔

"ارے بھئی فردوس...... یہ کیا تماشا ہے، میں مسجد سے واپس آ رہا تھا تو دیکھا عشرت اپنے دروازے پہ کھڑی تمہیں برا بھلا کہہ رہی ہے۔"

"پرلے درجے کی اکل کھری اور پٹاخہ ہے یہ عشرت...... میں نے اس کے چھانٹے ہوئے ٹماٹروں میں سے آدھے کیا اٹھا لیے اس نے ایک آفت مچا کے رکھ دی ہے۔" فردوس نے سر جھٹکا۔

"حد ہوگئی...... ایک ذرا سے ٹماٹر پر اتنا شور ہنگامہ، تمہیں بھی کیا پڑی تھی اس کے چھانٹے ٹماٹر لینے کی۔"

"بے وقوف ہے...... کلو بھر ٹماٹر کی اوقات ہی کیا ہے؟"

"ارے بھئی جہنم میں جائیں ٹماٹر، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اتنی سی بات پر تمہیں عشرت سے نہیں بگاڑنی چاہیے تھی آخر کو ہمارا سالوں پرانا پڑوس ہے۔" وہ جوتے اتار کے وہیں آرام سے بیٹھ گئے، ادھر فردوس کو ان کا یہ جملہ بری طرح کھٹکا۔

"ہاں...... ہاں...... آپ کو تو بس مجھے برا بھلا کہنے کا بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔"

"اوہو...... بھئی سمجھا کرو، یہ پیسے والے لوگ ہیں، ہم جیسے مڈل کلاس، سفید پوش لوگوں کو ان سے کام پڑتا ہی رہتا ہے۔ یاد نہیں اپنی ارم کو ڈائیریا ہوا تھا تو کھڑے کھڑے ہمیں دس ہزار عشرت ہی نے دیئے تھے۔" فردوس نے پھر سر جھٹکا۔

"ہونہہ...... خوب جانتی ہوں میں ان کا پیسہ اور اس پیسے کی "حقیقت، کون نہیں جانتا، عشرت کی اپنی آس نہ اولاد، ان دونوں میاں بیوی کی اپنی تو دو ٹکے کی اوقات نہیں ہے، ایک دیور کو کاٹھ کا الو بنا رکھا ہے۔ اسی کی اوپر کی آمدنی پر یہ دونوں میاں بیوی عیش کرتے ہیں۔ ورنہ عشرت کے میاں کی ایک معمولی سی دکان ہی تو ہے۔" اس بار وہ جھلا گئے۔

"اوہو بھئی، تم عورتوں کی چڑیا برابر عقل میں کوئی ڈھنگ کی بات سماتی ہی نہیں ہے۔" اگلے ہی پل ان کا لہجہ بدل گیا تھا۔ "عشرت کا دیور عزیز سرکاری ملازم ہے اور سرکاری ملازمت میں اوپر کی آمدنی چلتی ہی ہے، اب ان کا پیسا آتا ہے، کہاں سے آتا ہے یہ ہمارا دردِسر نہیں ہے، میں تو بس یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسے لوگوں سے بنا کے رکھنی چاہیے۔" جواباً فردوس ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئیں۔

"عشا کے بعد میں خود تمہیں عشرت کے گھر لے کر چلوں گا۔" ان کے حتمی لہجے پر فردوس خاموش رہ گئیں ادھر ماسٹر کرامت نے اپنی بیٹی کو آواز لگائی۔

"ارم...... ارے بھئی ارم...... آج کیا کھانا نہیں ملے گا؟"

"شاید ظہر کی نماز پڑھ رہی ہے، میں خود لے آتی ہوں۔" وہ سبزی کی تھالی اٹھائے ہوئے بولیں۔

پھر یہ اسی رات کی بات تھی، ماسٹر کرامت، فردوس سمیت پڑوس میں جانے کا سوچ ہی رہے تھے کہ عشرت و اعجاز خود آن دھمکے، ماسٹر کرامت نے ہی دروازہ کھولا اور انہیں پا کر کھل اٹھے تھے۔

"ارے بھئی آؤ، آؤ اعجاز...... تم نے کیوں تکلیف کی؟ میں تو خود ارم کی امی کو لے کر تمہاری طرف آنے ہی والا تھا۔" وہ انہیں لیے ڈرائنگ روم کی جانب آئے، فردوس بھی وہی آ گئیں۔

"بھئی سچ پوچھو تو آج کی اس لے دے کا مجھے بڑا افسوس ہوا۔ بلاوجہ ذرا سی بات کا بتنگڑ بن گیا۔"

"جانے دیجیے بھائی صاحب، جہاں چار برتن ہوتے ہیں، کھڑکتے ہی ہیں۔" عشرت کے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ تھی۔ اعجاز نے اس کی ٹھیک ٹھاک گوشمالی کی تھی۔

"بھئی اسی لیے تو ان عورتوں کو ناقص العقل کہا گیا ہے۔" کرامت صاحب نے شگفتہ لہجہ میں کہا جبکہ فردوس نے خاصا برا منایا اور جھٹ سے بولی۔

"جی ہاں اسی کم عقلی سے تو عورت سارے گھر کا نظام

سنبھالتی ہے۔"

"دیکھا تم نے اعجاز ان عورتوں سے کوئی جیت سکا ہے بھلا۔" انہوں نے اعجاز کی طرف دیکھ کر کہا تو اعجاز ہنس دیا۔

"بھئی میں تو عورتوں کی ہر بات مانتا ہوں کیونکہ عورتوں کی بات اگر نہ مانی جائے تو کیا ہوتا ہے؟ یہ مجھے معلوم ہے۔" اس کے مسخرانہ اور مزاحیہ انداز پر اعجاز وکرامت صاحب کی مشترکہ ہنسی گونجی جبکہ عشرت ہاتھ نچا کر بولیں۔

"ہاں...... ہاں، عقل اور ہوشیاری کے سارے صافی ٹکٹ تو بس مردوں کے پاس ہوتے ہیں۔" عشرت بولیں۔

"صافی ٹکٹ نہیں...... سرٹیفکیٹ۔" اعجاز نے تصحیح کی۔ "اگر بھولے سے بھی ہم نے کسی اچھے علاقے میں گھر لے لیا تو عشرت اپنی غلط انگریزی سے اپنی کلاس بتادے گی۔" اس نے مذاقاً ہی کہا اور عشرت چمک اٹھیں۔

"جی ہاں...... چار جماعت پڑھ کر آپ تو بڑے کلاس والے بن گئے ہیں ناں۔ رہیں گے تو وہی پرچون فروش۔" اعجاز کچھ کہنے کو تھا جب ڈرائنگ روم میں ارم چائے کی ٹرے سمیت داخل ہوئی۔

"اباجی چائے۔"

"ارے بھئی بڑے وقت پر چائے لائی ہو، اعجاز کے لیے بغیر چینی کی لائی ہو ناں؟" انہوں نے ارم سے پوچھا مگر اعجاز لاپروائی سے بولا۔

"ارے جانے دیجیے ماسٹر صاحب، کبھی کبھی بد پرہیزی بھی چلتی ہے۔" ارم وہیں بیٹھ کر کپ پرچ میں رکھ کر سب کو چائے دینے لگی مگر عشرت کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔ وہ دل ہی دل میں ارم سے خار کھاتی تھی، ارم تھی ہی سگھڑ اور ہر فن میں طاق۔ سو ہر جگہ اس کی تعریف ہوئی خود فردوس وکرامت کے اشارے کنائیے وہ خوب سمجھتی تھی مگر اپنے دیور عذیر کے لیے اس کی پرواز بلند اور ارادے ناقابل بیان تھے، جس تک رسائی کرامت وفردوس تو کیا، ان کے فرشتے بھی نہ کر سکتے تھے۔

ماحول میں ایک کھنچاؤ سا در آیا تھا۔ اعجاز اور کرامت ہلکی پھلکی باتیں کرتے رہے عشرت لگے مارے باندھے ہی بیٹھی رہی آخر کار کچھ دیر بعد وہ دونوں اٹھ گئے تھے۔

❁......❁......❁

"بھابی...... بھابی۔" عذیر تولیے سے بال خشک کرتا لاؤنج میں داخل ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"بھابی...... ارے بھئی کہاں ہیں آپ؟ ناشتا لے آئیے۔ مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔" اگلے ہی پل عشرت ناشتے کی ٹرے سمیت جھلاتی ہوئی آئی۔

"آ رہی ہوں...... آ رہی ہوں، چھری تلے دم تو لو، تم سے ہزار بار کہا ہے اب مجھ میں پہلے جیسی پھرتی نہیں رہی، اب یہ گھر کے کام میرے بس کے نہیں ہیں۔" اس نے ٹرے میز پر رکھ کر برتن اس کے سامنے رکھنے شروع کر دیئے تو عشرت کے کڑے تیور پا کر عذیر مسکرا دیا۔

"اور میں نے بھی تو آپ سے ہزار بار کہا ہے کہ گھر کے کاموں کے لیے کوئی ماسی رکھ لیں۔" وہ سنجیدگی سے ناشتہ کرنے لگا تو عشرت اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"ماسیوں کو سو گھروں کے کام کرنے ہوتے ہیں، جلدی جلدی الٹا سیدھا کام کیا اور یہ جا وہ جا، کچن کے کام اللہ کی پناہ...... کچن میں تو میں انہیں گھسنے بھی نہ دوں، کہیں سے باتھ روم صاف کر کے آتی ہیں اور کہیں روٹیاں پکانے کھڑی ہو جاتی ہیں۔" اس کے انداز پر عذیر کھل کر ہنس دیا۔

"واہ...... تو آپ اپنی جیسی کوئی صاف ستھری ماسی ڈھونڈ لیں ناں جسے صرف ہمارے ہی گھر میں کام کرنا ہو۔" عشرت کو تو دکھڑے رونے کا بہانہ درکار تھا۔

"بھئی صاف بات ہے...... تمہاری تنخواہ اور تمہارے بھائی صاحب کی آمدنی سے میں گھر کا خرچ ہی کھینچ تان کے چلاتی ہوں، اس میں سے ایک ماسی کی تنخواہ کہاں سے نکلے گی، اس چھوٹے، غریب لوگوں کے علاقے میں بھی، ماسی دو چار ہزار سے تو کیا ہم کم لے گی۔"

"چلیے بھابی، آپ جیتیں، میں ہارا جب اتنا کچھ میری

تنخواہ سے چل رہا ہے تو ایک ماسی بھی سہی۔'' عشرت پرلے درجے کی اکلوتی کھری تو تھی ہی، عذیر کے جتانے پر جھٹ براماں گئی۔

''ہاں...... ہاں...... کہہ دو کہ یہ گھر اور اس گھر کی ہر چیز تمہاری کمائی کی ہے، ہم میاں بیوی تو کونے میں پڑے پتھر ہیں، جنہیں ایک روز تم اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دو گے۔''

''بھابی...... میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' وہ قدرے ساکت سا رہ گیا مگر عشرت کو کس کافر کی مجال تھی کہ سمجھاتا۔

''ارے یہ نہیں کہا مطلب تو تمہارا یہی ہے ناں کہ اس گھر کی گاڑی تمہاری تنخواہ سے چلتی ہے۔ تمہارے بھائی کی تھوڑی بہت آمدنی تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہے۔'' ان کے رنجور لہجے پر عذیر کا دل اپنے لفظوں پر پچھتانے لگا، عشرت کا ہاتھ تھام کر دلگیر لہجے میں بولا۔

''ایک بات تو یہ کہ یہ گھر میرا نہیں...... میرے ماں باپ کا ہے، جس پر آپ دونوں کا بھی برابر کا حق ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں نے اپنی آئندہ زندگی کے لیے ایک سپر لگژری فلیٹ بک کروا رکھا ہے۔ اس لیے آپ دونوں کے کہیں جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' عذیر کی بات پر عشرت کے لہجے کے تاثرات تیزی سے بدلے، یہ اس کی کم عقلی نہیں تو اور کیا کہلاتی کہ عذیر کو لتاڑنے میں وہ یہ اہم نکتے فراموش کر گئی تھی سو تیزی سے اس کی بات اچکی۔

''اور تیسری بات یہ کہ جس دن تمہارے لیے کسی اونچے گھرانے کی چاند جیسی دلہن کی تلاش والی مہم کامیاب ہوگئی، اس دن میری ان گھر کے کاموں سے جان چھوٹ جائے گی۔'' ان کی بات پر عذیر دھیرے سے ہنس دیا۔

''ارے جی، کس زمانے کی بات کرتی ہیں کسی اونچے گھرانے کی لاکھوں میں ایک لڑکی کیا گھر سنبھالے گی؟ اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ ایک بہو، سارے گھر کا بوجھ اٹھاتی تھی آج کل کی لڑکیوں کے ناز نخرے آسمانوں کو چھوتے ہیں۔''

''ہاں بھئی، تم خیر سے سرکاری ملازم لگے ہو، نوٹوں میں کھیلتے ہو، دلہن تو تمہاری لاکھوں میں ایک ہی ڈھونڈنی پڑے گی ناں۔''

''بھابی، آپ کچھ بھی کہیں مگر اس مڈل کلاس علاقے میں کسی کھاتے پیتے گھر کی حسین و جمیل پری تو آپ کو ملنے سے رہی۔'' عشرت نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں، وہ بس ایک سرشاری سے میز بجا بجا کے ''وہ پری کہاں سے لاؤں'' گانے لگی تو عذیر نے بھی اپنی توجہ ناشتے پر مرکوز کردی تھی۔

✿......✿......✿

موسم گرما میں لوڈ شیڈنگ کے وقتوں میں فردوس کا ٹھکانہ اسی آنگن میں کچن کی کھڑکی تلے بچھے تخت پر رہتا جہاں پر دھوپ نہیں آتی اور ہوا بھی خوب رج کے آتی تھی۔ اب بھی وہ وہیں چشمہ لگائے سلائی مشین لیے بیٹھی تھی، جب رشتے کرانے والی آپا بی کا نزول ہوا۔ فردوس انہیں پاکر کھل اٹھی، ایک امید بھری نظر انہوں نے آپا بی پر ڈالی۔

''آیئے آیئے آپا بی...... آج کہاں رستہ بھول پڑیں؟''

''یہاں سے گزر رہی تھی سوچا تم سے دعا سلام کرتی چلوں۔''

''سو بار آؤ، تمہارا اپنا ہی گھر ہے مگر میں تو سمجھی تم خیر سے اپنی ارم کے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈ لائی ہو؟''

''تم بے فکر رہو، اللہ پاک نے جوڑا تو چڑیا چڑے کا بھی بنایا ہے، جب وہ وقت آئے گا تم دیکھنا کیسے چٹکی بجاتے سب کام بنتے چلے جائیں گے۔''

''اللہ تمہاری زبان مبارک کرے...... بس تم کوشش کرتی رہو۔'' فردوس کی امید بھرے لہجے پر وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئیں اور کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

''کیا کہوں...... پہلے لوگ اچھی سیرت و خاندان دیکھتے تھے، بے جوڑ شادیاں تک نبھ جاتی تھیں مگر آج کل تو دنیا بس دکھاوے پر مرتی ہے۔''

''ہاں...... سچ کہتی ہو حالانکہ لوگ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔''

"فردوس...... جو سچ کہوں تو دنیا کا چلن ہی الٹ گیا ہے، لڑکے والوں کے مزاج تو سنتے چلے آئے تھے مگر آج کل تو لڑکی والے بھی کم نہیں، اس پر دھوکہ فریب اللہ کی پناہ لڑکی کو بنا سنوار کے پیش کیا، ہزار جھوٹی سچی تعریفیں کیں بڑائیاں ہانکیں اور لوجی ہوگئی بات پکی...... سیدھے سچے صاف لوگ تو منہ تکتے ہی رہ جاتے ہیں بلکہ ان کی تو باری ہی نہیں آتی۔" اس بار فردوس ہنس دی۔

"تب ہی تو جب بہو کی قلعی اترتی ہے تو وہ دنیا کی سب سے بری عورت بن جاتی ہے۔"

"ہاں...... اب تو گھر گھر بہو بیٹی کی کہانی، طلاق کے قصے عام ہیں۔ اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔" فردوس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"ہماری ارم کی سیرت لاکھوں میں ایک ہے، دکھ تو بس دنیا کی ناقدری کا ہے...... دنیا اور دنیا کی کہانیوں سے ہمارا کیا لینا دینا۔ ہم جیسے نیک، شریف، عزت دار لوگوں کو ہی ہمارے گھر کا رستہ دکھا دینا۔" ان کی بات درمیان میں تھی کہ ارم آئی اور آپابی کو سلام کر کے ان کی قریب بیٹھی تو انہوں نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی، عام سے نقوش، دبتی ہوئی رنگت، متناسب جسامت، معمولی حلیہ، فی زمانہ ایسے شفاف کردار لوگوں کی مارکیٹ ہی کیا ہے؟

"ارم بیٹی بڑی اچھی خوشبو آرہی ہے۔" انہوں نے لمبی سی سانس کھینچ کر پوچھا۔

"کیا پک رہا ہے؟" جواباً ارم نے کہا۔

"آلو گوشت۔"

"ارے واہ۔" آپابی نے چٹخارہ لیا۔ "پھر تو میں کھا کر ہی جاؤں گی۔ بڑا ذائقہ ہے ارم کے ہاتھوں میں، اس دن کے مٹر پلاؤ کا مزہ آج تک زبان نہیں بھولی ہے۔" فردوس نے خوش دلی سے کہا۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں، ارم بیٹی فریج میں کچھ پھل رکھے ہیں، ان کی چاٹ بھی بنا کر لے آؤ خالہ کے لیے۔" ارم کے اٹھتے ہی آپابی تخت پر آرام سے بیٹھ گئیں۔

"بڑی ہی نیک، سمجھدار اور سلجھی ہوئی بچی ہے، طور طریقہ سلیقہ تو اس پر ختم ہے مگر سچ بتاؤں تو آج کل دنیا دکھاوے کی ہے اور دکھاوے کا پیسہ، زمین جائیداد تک کھنگالتے ہیں۔" فردوس ان کی بات غور سے سننے لگی۔

"میں تو یہ دیکھتی ہوں کہ اعلیٰ لڑکی کی تلاش میں ہزار دل توڑنے والے ہی پھر چھانٹ کر لائی ہوئی بہو کا دکھ اٹھاتے ہیں۔" فردوس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"آپابی ایک بات دل میں ہے مگر زبان پر لاتے ہوئے دل ڈرتا ہے۔"

"ارے فردوس مجھ سے کیا پردہ بے فکر ہو کر کہو۔"

"جو سچ کہوں تو اپنی ارم کے لیے میری نظریں پڑوس کی جو عشرت ہے ناں اس کے دیور عذیر پر ہیں، خیر سے نیک، شریف اور کماؤ لڑکا ہے۔"

"ارے واہ فردوس، سچ تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی مگر......" آپابی پل بھر کو ٹھہریں تو فردوس نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"مگر کیا آپابی؟" وہ کچھ ہچکچائیں۔

"تم عشرت کے پڑوس میں رہتی ہو تو اتنا بھی جانتی ہی ہوگی کہ اپنے دیور کے لیے عشرت کے مزاج بڑے اونچے ہیں، لڑکیاں دکھا دکھا کر میں تو تھک گئی مگر شاباش ہے عشرت کو ایک سے ایک لڑکی میں بھی کوئی نہ کوئی نقص نکال ہی دیتی ہے، اب منہ پر آئی کہاں رکتی ہے، دنیا تو یہ تک کہتی ہے کہ اپنا گھر چلانے کو عشرت نے دیور کی شادی کو شیطان کی آنت بنا رکھا ہے۔"

"کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو۔" وہ ایک دم بوجھ گئی۔

"بس ویسے ہی ایک خیال آ گیا تھا۔"

"اگر تم کہو تو ارم کا نام لے کر عشرت کے ارادے ٹٹولنے کی کوشش کروں؟" فردوس نے شدومد سے انکار میں سر ہلایا۔

"جانے بھی دو میری معمولی شکل کی عام سی ارم، عشرت کی نظروں میں سماتی تو ٹٹولنے کی کیا ضرورت تھی پھر ہمارا تو کوئی مال متاع بھی نہیں، ارم کے ابو کی پینشن پر گھر چلتا ہے اور یہ سب کو ہی نظر آتا ہے۔" فردوس اس بار چشمہ

درست کر کے پھر سے سلائی مشین چلانے لگی تھیں۔

❁.....❁.....❁

عشرت نے عذیر کا دیا ایک ایک نوٹ گنا تھا اور پھر قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا.....صرف بیس ہزار؟"

"جی بھابی، اس بار کچھ کم ہیں ذرا ہاتھ کھینچ کر گزارا کرلیں۔"

"ہیں..... ہیں، کتنے آرام سے تم نے کہہ دیا کہ ہاتھ کھینچ لوں..... ارے پتا تو چلے کہاں سے ہاتھ کھینچ لوں؟ گھر کا راشن سبزی سے، گیس بجلی کے لمبے لمبے بل میں.....کوئی ایک خرچ ہے؟"

"میں سب سمجھتا ہوں بھابی مگر مجبوری ہے۔"

"کمانے والا اپنی تنخواہ گھر کی عورت کے ہاتھ میں رکھ دیتا ہے تو ہزار جھنجٹ سے جان چھڑا لیتا ہے، پتا بھی ہے آج کل کتنی مہنگائی ہے اور گھر کے اخراجات اللہ کی پناہ۔ کبھی گھر کا خرچ ہاتھ میں رکھو تو پتا چلے کہ میں کتنی مشکل سے کھینچ تان کے گزارا کرتی ہوں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہیں بھابی..... میں نے کبھی آپ سے حساب کتاب مانگا یا سوال کیا؟ آپ گھر کی بڑی ہیں، میرا یا اس گھر کا برا تو نہیں چاہیں گی۔"

"یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر صاف کہنا اور سکھی رہنا گھر کی گاڑی تو میں اس لگی بندھی رقم سے کھینچ تان کے چلا ہی رہی ہوں مگر تمہاری شادی کے لیے آج تک ایک دھیلا بھی نہیں جڑ سکا، تم کیا کماتے ہو، کتنا کماتے ہو، میرے فرشتوں تک کو خبر نہیں، شادی کے لیے تو تمہیں اپنے جمع جتھا کو ہی ہوا دکھانی پڑے گی۔" اس بار عشرت نے نظریں پھیرنے میں طوطے کو مات کردی تو عذیر مسکراتا اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اس کے کندھے پر اپنا بازو دراز کا تو وہ فخریہ بولی۔

"خیر سے سرکاری ملازم ہو..... بڑے بڑے افسر سے تمہارے تعلقات ہیں تو شادی بھی تمہاری دھوم دھام سے ہی کرنی پڑے گی ناں۔"

"ارے بھابی..... میں کیا جانتا نہیں ہوں، اس مہنگائی میں گھر چلانا ہی بڑا کمال ہے، اب مجھے بتانا ہی پڑے گا.....دراصل اس مہینے میں نے اپنے لیے کار بک کروائی ہے تو ہاتھ ذرا تنگ ہے، بینک بیلنس بھی کام میں آیا اور تنخواہ سے بھی نکالنا پڑا۔" اس کی بات پر عشرت کے تاثرات تیزی سے بدلے، اس کے چہرے پر خوشی کے ساتھ بے یقینی بھی الڈ آئی تھی۔

"ارے واہ.....! سچ گاڑی، اف اللہ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا اور تم اب بتا رہے ہو؟"

"سوری بھابی، دراصل میں آپ اور بھائی صاحب کو سرپرائز دینا چاہ رہا تھا۔"

"ہائے میں خوشی سے مر ہی نہ جاؤں کہیں..... کار مل جائے تو ہفتہ اتوار کی چھٹی میں مجھے حیدرآباد ضرور لے کر چلنا، سچ سالوں گزر جاتے ہیں مجھے اپنے میکے گئے ہوئے۔"

"کیوں نہیں بھابی..... میرا سب کچھ آپ ہی کا تو ہے، بس کار اور فلیٹ کی قسطیں پوری ہونے تک آپ کو تھوڑا گزارا کرنا ہوگا۔" اس بار عشرت نے کچھ لگاوٹی انداز اپنایا تھا۔

"واہ..... میں تو تم سے اس مہینے، ہر مہینے کی رقم میں اضافہ کا مطالبہ کرنے والی تھی اور تم نے گھر کے ماہانہ خرچ میں سے ہی کٹوتی کرڈالی؟"

"آپ کو مطالبے کی ضرورت ہی نہیں ہے بھابی..... دراصل لگی بندھی رقم تو آپ کو تنخواہ سے دے دیتا ہوں، باقی فلیٹ اور کار کی ادائیگی میں لگ گئے..... اب اوپر کی آمدنی کا تو کوئی شمار یا وقت نہیں ہوتا ناں جو سچ پوچھیں تو جب سے فلیٹ، کار بک کروائی ہے کچھ پھنس سا گیا ہوں۔"

"بھئی تم جانو اور تمہارے کام، ہم نے تو کبھی تم سے تمہاری آمدنی کا حساب کتاب پوچھا نہ تمہاری کمائی پر نظر رکھی..... تم اپنی خوشی سے جو دے دیتے ہو، اسی لگی بندھی پر گزارا ہے۔" بظاہر اس کا لہجہ کمزور سا تھا مگر درحقیقت اس کے اندر اتھل پتھل سی مچی تھی، نئے ماڈل کی چم چماتی کار

اس تھرڈ کلاس محلے میں صرف اس کے دروازے پر ہوگی، اس خیال سے اس کی گردن میں ابھی سے خم آ گیا تھا۔

❁.....❁.....❁

اس رات ماسٹر کرامت عشاء کے بعد اپنے کمرے میں آرام کی غرض سے آئے اور بیڈ پر بیٹھ کر پیر پسارے تو فردوس نے آپابی، سے کہی گئی بات ان کے سامنے دہرائی۔

"بھئی فردوس خیال تو تمہارا بہت ہی اچھا تھا مگر جب تم نے اپنے دل کی بات آپابی سے کہہ ہی دی تھی تو پھر ارم کے لیے عشرت کی رائے جاننے میں حرج بھی کیا تھا؟"

"مگر آپابی کی بات بھی اپنی جگہ ٹھیک ہی ہے اور یہ تو مجھے بھی صاف نظر آتا ہے بلکہ ساری دنیا ہی کہنے لگی ہے کہ اپنے ٹھاٹ کھودینے کے ڈر سے اعجاز اور عشرت عذیر کی شادی کو بہانے سے ٹال رہے ہیں۔"

"خیر...... ٹھاٹ تو واقعی ان کے سارے عذیر کی نوکری کی وجہ سے ہیں۔ اب تو خیر سے بڑی چم چماتی کار بھی لے لی ہے عذیر نے۔"

"ہاں سنا تو ہے، نئے ماڈل کی کار قسطوں پر لی ہے۔"

"بھئی قسطوں پر سہی...... کار تو پھر کار ہے ناں۔" ان کا لہجہ مرعوب سا تھا۔ "ہمارا سالوں پرانا پڑوس ہے سب سے زیادہ میل جول بھی ان کا ہمارے گھر سے ہی ہے تو پھر پہلا حق تو ہمارا بنتا ہے ناں۔"

"ماسٹر صاحب یہ بات سوچنا تو ان کا کام ہے ناں۔"

"میں تو ایک بات جانتا ہوں، کچھ لوگ خود سے نہیں جاگتے، انہیں جھنجوڑ کے جگانا پڑتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" فردوس نے نا سمجھتے ہوئے الجھے انداز میں انہیں دیکھا۔

"بھئی مطلب صاف ہے، جب ساری دنیا کی نظروں میں یہ بات آ چکی ہے تو ایک روز خود عذیر کو بھی یہ خیال آ ہی جائے گا کہ عشرت اس کی شادی کو اپنے فائدے کے لیے ٹال رہی ہے۔ تب عذیر کو خود سے قدم اٹھانے سے نہ عشرت روک سکے گی نہ اعجاز۔" ماسٹر کرامت کی بات فردوس کے دل کو لگی تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہہم...... تب پھر عشرت کا وہی انجام ہونا ہے جو دنیا کی زبانوں پر ہے۔" فردوس نے بھرپور اتفاق کیا۔

"اور میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ شادی کے معاملے میں خود لڑکوں کا معیار اتنا بلند نہیں ہوتا جتنا اس کے گھر والے اس کی شادی کو ہوا بنا لیتے ہیں، یہی بات عشرت کے گھر میں ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں اور عذیر جیسے بہترین لڑکوں کو تو گھر والے صاف کیش کرتے ہیں۔"

"تم کسی بہانے ارم کو ذرا تیار و یار کروا کے عذیر سے اس کا سامنا تو کرواؤ۔"

"ارے رہنے بھی دیجیے...... وہ اپنی بڈھی روح ارم، نہ ہنستی بولتی ہے، نہ کہیں آتی جاتی ہے، دوپٹا تک تو سر سے نہیں سرکتا اس کا آج کل لوگ ماڈرن لڑکیاں پسند کرتے ہیں اور ایک یہ ہے، جانے کیا بنے گا اس لڑکی کا۔" انہیں ارم کی گوشہ نشینی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

"بھئی ہماری ارم نے تاریخ اسلام میں ایم اے کیا ہے، تم یہ نہ بھولا کرو کہ وہ ایک نیک، شریف اور دین دار لڑکی ہے۔"

"ارے جانے دیجیے...... خالی خولی خوبیوں کو آج کل کون پوچھتا ہے۔ وہ دنیا کی نظروں میں آئے تو سمائے ناں، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عذیر کو لبھانے کے لیے تیار ہو کر وہ پڑوس میں جانے پر راضی ہو۔"

"اوہو...... تو تم سے کس نے کہا کہ ارم پر اپنے ارادے واضح بھی کرو بس کسی ایسے وقت جب عذیر گھر پر ہو ارم کو کسی بہانے وہاں بھیج دینا پھر دیکھتے ہیں کیا بنتا ہے۔" ان کے اسرار پر فردوس نے مجبوراً آمادگی میں سر ہلایا۔

"آپ کہتے ہیں تو میں یہ بھی کر کے دیکھ لیتی ہوں۔" اگلے پل لہجہ بدل کر صاف گوئی سے کہا۔ "مگر مجھے نہیں لگتا کہ ہماری عام سی شکل وصورت کی بیٹی عذیر کی نظروں میں سمائے گی، نہ ہی ہماری معمولی حیثیت ان سے ڈھکی چھپی ہے۔"

"اوہو تو اعجاز اور عشرت کون سے جدی پشتی امیر ہیں،

کون نہیں جانتا کہ عذیر کی سرکاری نوکری سے ان کے دن بدلے ہیں۔"

"چلیے یونہی سہی..... عذیر کی سرکاری نوکری ہے، وہ خود لاکھوں میں ایک ہے تو کسی اونچے گھرانے کی حسین وجمیل لڑکی ڈھونڈنا تو ان کا حق بنتا ہے ناں۔" فردوس نے سمجھانے والے انداز میں کہا مگر انہوں نے پیر پسار کے آنکھیں موند لی تھیں۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ مزید اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

❁ ❁ ❁

اس رات کھانے کی میز پر عشرت نے عذیر کو جالیا۔

"اف کیا بتاؤں عذیر کیا لڑکی تھی، سنگ مرمر سے تراشی ہوئی کوئی حسین مورت ہو جیسے، یہ بڑی بڑی اس کی آنکھیں، کتابی چہرہ اور رنگت اف خدایا، اندھیرے میں بٹھا دو تو اجالا ہی اجالا پھیل جائے سچ اور پتا ہے لباس اور حلیے سے کسی اونچے گھرانے کی بھی لگتی تھی میں نے تو اس سے بات چیت بڑھا کے اس کے گھر کا پتا تک معلوم کرلیا تھا۔"

"اچھا۔" عذیر مسکرایا۔ "تو پھر آپ کی یہ بات چیت مہم کہاں تک پہنچی؟"

"ہاں بھئی جلدی بتاؤ کیا بنا پھر؟" اعجاز نے بھی کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ عشرت نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"بس کیا بتاؤں میرا تو خیال تھا کہ آج میری تلاش ختم ہوئی اتنے سالوں کی محنت کا صلہ مل گیا مگر....." اعجاز چونکا۔

"مگر کیا؟ یعنی یہ لڑکی بھی ریجیکٹ؟"

"تو اور کیا۔" اس نے شدومد سے انکار میں سر ہلایا۔

"بھئی ویسے تو بڑی حسین اور مکمل نظر آتی تھی مگر اف اتنی بے ڈھنگی اس کی چال جب شادی کا کھانا شروع ہوا اور وہ چل کر کھانا لینے کے لیے گئی تو میں تو ہک دک رہ گئی اس کی چال سے اس کی شخصیت کا سارا حسن بھسم ہو کر رہ گیا تھا۔"

"ہاں بھئی شادی کے لیے لڑکی کے چال چلن کا ٹھیک ہونا تو ضروری ہے۔" اعجاز مسکرایا جبکہ عذیر نے اذیت سے آنکھیں موند کر کہا۔

"اف..... یعنی آپ کی ریجیکٹ کی ہوئی لڑکیوں کی تعداد اب پینتیس سے چھتیس ہو گئی ہے لائیے اسی بات پر ذرا سلاد پکڑا دیجیے۔" اعجاز اٹھ گیا تھا۔

"بھئی تم دیور بھابی بات چیت کرو میں ذرا خبرنامہ دیکھ لوں۔" عشرت نے سلاد کی پلیٹ عذیر کو پکڑائی تو دونوں میں سبزیوں کے حوالے سے باتیں ہونے لگی تھیں۔

❁ ❁ ❁

آپابی کے سامنے منہ کھولنے کی دیر تھی وہ عشرت کی جان کو آگئیں بگڑے موڈ اور تیز لہجہ ان کے غصہ کا غماز تھا۔

"پتا نہیں کون سی آسمان سے اتری حور چاہیے تمہیں، کتنی بھی حسین لڑکی چھانٹ کے تمہیں دکھا دوں تمہارا جواب یہی ہوتا ہے کہ تمہارے دیور کو تصویر پسند نہیں آئی، تم دیور بھابی مل کر کوئی نہ کوئی نکتہ نکال ہی دیتے ہو، صاف کہتی ہوں اپنی من پسند لڑکی آرڈر پر بک کروالو..... دنیا میں تو ملنے سے رہی۔" وہ بیزار نظر آرہی تھیں۔ عشرت نے حتی الامکان لہجہ کو نرم رکھنے کی کوشش کی تھی۔

"آپابی..... تم نے جو لڑکی دکھائی تھی سچ میرے تو دل کو بہت بھلی لگی مگر عذیر کو ہی تصویر پسند نہیں آئی تو میں زبردستی تو کرنے سے رہی۔" عشرت نے نظریں چرا کر صاف کورا جھوٹ بولا مگر آپابی بھی پھر آپابی ہی تھیں منٹوں میں تاڑ گئیں۔

"واہ..... اپنے دیور کی بھی تم نے خوب کہی، اللہ کی شان ہے، دیکھنے میں تو عذیر میاں کاٹھ کے الو نظر آتے ہیں، مزاج ان کے اتنے اونچے ہیں کہ آج تک کوئی لڑکی ان کے دل کو نہیں لگی؟ اسی خوب سے خوب تر کی تلاش میں پینتیس کے ہونے کو آئے..... میرے منہ میں خاک عمر ہی نہ نکل جائے کہیں۔"

"آئے ہائے آپابی، اللہ کو مانو اللہ نہ کرے۔" وہ دہل اٹھی تھی مگر آپابی پر خاک نہ اثر ہوا۔

"سمجھا دینا اپنے دیور کو لڑکے والوں کے مزاج تو سدا سے اونچے سنتے چلے آئے تھے مگر آج کل لڑکی والوں کے

مزاج بھی کچھ کم نہیں ہیں۔" اس بار عشرت چہک اٹھی۔

"نہ تو تمہارا کیا خیال ہے میں نے عذیر کو کبھی کچھ اچھا برا نہیں سمجھایا ہوگا؟"

"ارے جانے دو بی بی یہ بہانے بازیاں خوب سمجھتی ہوں، کبھی کبھی عیب سامنے والے میں نہیں ہماری اپنی آنکھ میں ہوتا ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو...... ذرا کھل کے کہو۔"

"ارے جانے دو بی بی...... اب منہ پر آئی کہاں رکتی ہے میں تو گھر گھر میں یہی چرچا سنتی ہوں کہ تم میاں بیوی عذیر میاں کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتے۔"

"کون کہتا ہے؟" وہ بگڑی۔ "ذرا میرے منہ پر کہلواؤ زبان کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔" اس کا لہجہ تیز، انداز بگڑا ہوا تھا سو آپا بی نے بھی دوبدو کہا۔

"کس کس کا منہ بند کرو گی، یونہی لڑکیاں چھانٹنے اور عیب چن کر ٹھکرانے میں دیور کی عمر نکال دو گی تو کل کو ساری دنیا تمہیں ہی نام دھرے گی...... کون نہیں جانتا کہ عذیر کی کمائی پر تمہارا سارا گھر عیش کرتا ہے۔"

"ذرا منہ سنبھال کے بات کرو، ہم بے اولاد ہیں مگر نکھے محتاج تو نہیں ہیں۔"

"ارے جاؤ...... جاؤ مجھے کیا سب ہی کو نظر آتا ہے کہ تم نے عذیر کو مٹھی میں کر رکھا ہے مگر یاد رکھنا آج کل لڑکیاں بھی ہاتھوں سے نکل جاتی ہیں، دیور کی شادی ایسے ہی آنے بہانے ٹالتی رہیں تو کہیں ایسا نہ ہو وہ تمہاری مٹھی سے نکل جائے اور تم خالی ہاتھ منہ تکتی رہ جاؤ۔" اس بار عشرت تن تنا کر کھڑی ہوئی۔

"تمہیں اور دنیا کو عذیر کی کمائی نظر آتی ہے اور یہ نظر نہیں آتا کہ ہم میاں بیوی نے اسے ماں باپ بن کر پالا ہے، تب ہی وہ ہمارے سامنے سر تک نہیں اٹھاتا۔"

"ماں بن کر پالا ہے تو ماں بن کر سوچو بھی، بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کا ارمان کس ماں کو نہیں ہوتا۔" آپا بی بھی اٹھ کھڑی ہوئیں جبکہ عشرت کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

"چلو بی چلو اپنا رستہ ناپو چلی ہیں مجھے سمجھانے۔"

"جاتی ہوں، جاتی ہوں یہاں رہنے یا سونے نہیں آئی...... آج عذیر ساری کمائی تمہاری ہتھیلی پر رکھتا ہے تو تمہاری آنکھ کا تارا ہے کل کو اس کی بیوی آ گئی تو پوچھوں گی ہونہہ۔" وہ بکتی جھکتی نکل گئی تھیں۔ "آج کل تو بیٹے ماؤں کو دغا دے جاتے ہیں تم تو پھر بھاوج ہو۔"

"ارے چلو چلو خوب سمجھتی ہوں میں تم جیسی دو ٹکے کی عورتوں کی اوقات در در کے ٹکڑے توڑنے والی نہ ہو تو۔"

عشرت بل کھاتی رہ گئی تھی آپا بی کی بات سچ تھی اور سچ کڑوا ہوتا ہی ہے۔

❁......❁......❁

اس دن عشرت کی بہن عاشی اچانک حیدرآباد سے آن دھمکی تھی اور فراغت نصیب ہوتے ہی اس نے پہلا شکوہ یہی کیا۔

"میں نے سوچا میں ہی تم سے مل آؤں تم تو میکے کو بھول ہی گئی ہو۔"

"سچ کہتی ہو۔" عشرت نے ایک سرد سانس لی۔ "اچھا کیا کہ تم ہی آ گئیں، مجھے تو سالوں گزر جاتے ہیں میکے میں جھانکنا تک نصیب نہیں ہوتا۔ حیدرآباد کوئی یہاں رکھا ہے پھر اب تمہارے دلہا بھائی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی...... سچ تمہیں دیکھ کے واقعی بہت خوشی ہو رہی ہے۔"

عشرت کی خوشی اس کے انداز سے عیاں تھی۔

"بھئی...... صاف بات ہے آپی مجھے تم سے ملنے سے زیادہ تمہارے گھر کی بدلی ہوئی حالت کو دیکھ کر خوشی ہوئی ہے...... کچھ سال پہلے میں اپنے شوہر کے ساتھ آئی تھی تو گھر میں ڈھنگ کا بستر تک نہ تھا...... ضرور یہ تمہارے دیور عذیر کی کمائی کی چمک دمک ہے ورنہ دلہا بھائی کی دکان کی اتنی آمدنی کہاں؟"

"سچ کہتی ہو تمہارے دلہا بھائی کی آمدنی میں تو ہمارا پیٹ بھی مشکل سے بھرتا تھا۔ ٹکے ٹکے کو ترستے تھے۔"

"یہ تو ہے آپی مگر یہ بھی تو پتا چلے عذیر ایسا کون سا وزیر سفیر لگ گیا ہے جو یوں تمہارے گھر کی قسمت ہی بدل

گئی؟"

"ارے عاشی بس جانے دے یوں سمجھ کہ عذیر کو اپنی کرسی کو کیش کرنا آتا ہے اور جو کنویں کے مینڈک نما لوگ ہوتے ہیں ناں کسی محکمے میں لگ جائیں، رہتے سدا فقیر کے فقیر ہیں لیکن عذیر کی کرسی سونا اگلتی ہے سونا، بس یہ بات تم خود تک ہی رکھنا بہن سمجھ کے بتا رہی ہوں ورنہ یہ بتانے والی باتیں تھوڑی نا ہوتی ہیں۔"

"ہمم...... اتنا تو میں بھی سمجھتی ہوں۔ آپی آج کل اوپر کی آمدنی والے ہی عیش کرتے ہیں...... اچھا یہ بتاؤ کیا بنا اس کا کیا نام ہے اس کا عذیر ہاں، اس کے لیے کوئی لڑکی پسند آئی؟" اس بار عشرت کچھ ملول نظر آنے لگی تھی۔

"خاندان میں تو کئی لوگوں کی نظریں ہیں عذیر پر جب سے عذیر کی نوکری لگی ہے ہر لڑکی والے گھروں کے تیور بدل گئے ہیں۔"

"اچھا......" عاشی نے دلچسپی سے کہا۔ "مگر آپی تم اپنا برا وقت مت بھولنا، تم پر برا وقت تھا تو ان خاندان والوں نے تمہارے لیے کتنا کچھ کیا؟" اس کا انداز اکسانے والا تھا۔ عشرت نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"ارے تم مجھے کیا بتاؤ گی سب یاد ہے مجھے، جب ہمارے گھر میں ڈھنگ کی چارپائی تک نہ تھی تب تو یہ خاندان والے یہاں آنا تو کیا ہمیں بلانا تک پسند نہیں کرتے تھے۔" اس کا انداز مذاق اڑانے والا ہوا۔ "اب تو فون آتے ہیں بھئی دعوتیں دی جاتی ہیں۔" اس نے ہاتھ نچا کر کہا۔ "ہونہہ...... لڑکیوں تک کو پیچھے لگا رکھا ہے۔"

"ارے پھر تو ذرا بچ کے رہنا...... بھئی یہ آج کل کی لڑکیاں بڑی چلتر ہوتی ہیں...... اچھے اچھوں کو قابو کر لیتی ہیں۔" عاشی نے ادھر ادھر دیکھ کر راز داری سے کہا۔ "اور عذیر تو پھر موٹا مرغا ہے۔" عشرت نے حقارت سے سر جھٹکا۔

"ہونہہ تم عذیر کو نہیں جانتیں اس کی پرواز بڑی بلند ہے کسی عام سی شکل یا ٹٹ پونجیے گھرانے کو گھاس ڈالنے والا نہیں ہے...... وہ تو ہمیں بھی کسی بڑھیا علاقے میں گھر لینے اور اپنے رنگ ڈھنگ، بدلنے کو کہتا رہتا ہے اب اس کی سرکاری نوکری والے ٹھاٹ، ہماری دکان کی معمولی آمدنی میں کہاں؟"

"بات تو اس کی ٹھیک ہی ہے...... اچھے گھرانے کی خوب صورت ترین لڑکی سے رشتہ کرنا ہے تو اپنے رنگ ڈھنگ اور ٹھکانہ بدلو اور یہ بھی یاد رکھو، اس کی شادی کے لیے تمہارا ایک کے بعد ایک لڑکی ریجیکٹ کرنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے دل میں بھی یہ خیال آ ہی جائے کہ تم اس کی شادی کروانا ہی نہیں چاہتیں اور بھئی صاف بات ہے کب تک تم آخر اس کی شادی کو اس طرح ٹالتی رہو گی اور کس امید پر...... آس اولاد تو تمہاری ہے نہیں جو عذیر کے بعد آج نہیں تو کل تمہارا بازو بن جائے گی۔" عاشی کی بات کھری تھی کمرے میں داخل ہوتا اعجاز اس کی بات سن کر وہیں ٹھٹک کر رک گیا تھا، اس نے اپنے قدم روک کر کان ان کی باتوں کی طرف لگا دیئے تھے۔ عاشی کہہ رہی تھی۔

"ہو سکتا ہے وہ خود ہی کسی لڑکی کو پسند کر لے یا اس کے ٹھاٹ دیکھ کر کوئی چلتر لڑکی اسے پھنسا لے۔" اس بات پر عشرت سوچ میں پڑ گئی۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہوگا وہ ہم دونوں میاں بیوی پر اندھا بھروسا کرتا ہے۔"

"برا مت ماننا آپی...... اگر وہ تمہارے سامنے سر نہیں اٹھاتا تو یہ اس کی سعادت مندی ہے، آج نہیں تو کل تمہیں اس کی شادی کرنی ہی ہے، فلیٹ تو اس نے بک کروا رکھا ہے پھر دیر کتنی لگتی ہے...... اگر وہ خود سے کوئی فیصلہ کر لے تو......" عاشی اس کو حقیقت سے آگاہ کر رہی تھی۔ عشرت نے لاپروائی سے کہا۔

"ارے اگر ایسا ہوا تو تب کی تب دیکھی جائے گی۔" اعجاز کمرے سے باہر کھڑا سب سن رہا تھا...... اس کا انداز پر سوچ تھا۔ عاشی نے کہا۔

"میرا تو یہی مشورہ ہے اس کی شادی کے مسئلے کو زیادہ نہ کھینچو...... کہیں ساری کے لالچ میں آدھی بھی گنواؤ۔"

"ارے جانے دو...... اگر شادی کے بعد عذیر اپنی

بیوی کو لے کر الگ ہوگیا تو میں گھر کے دو پورشن کروا کے آدھا کرائے پر اٹھادوں گی...... چار پیسے کا آسرا تو بن ہی جائے گا۔"

"اور اگر اس نے اسی گھر میں اپنی بیوی کو لا بٹھایا تو؟ یہ کوئی بتانے والی بات نہیں کہ پھر وہ عذیر کی ہر شے پر اپنا حق جتا کر آپ کو کونے میں بٹھا دے گی۔ اس مکان پر برابر کا حصہ دار عذیر بھی ہے۔" اعجاز نے کمرے میں قدم رکھا تو دونوں بہنیں چونک کر خاموش ہوگئیں مگر اعجاز نے جان بوجھ کر ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں دونوں بہنوں میں؟" وہ مسکرا کر کہتا کرسی پر بیٹھ گیا، عشرت اعجاز کو دیکھ کر کچھ گھبرائی تھی مگر بات بناتے ہوئے بولی۔

"عاشی کہہ رہی ہے کہ عذیر کی کمائی نے اس گھر کو چار چاند لگا دیے ہیں اور ایک تم ہو...... کنویں کے مینڈک۔" اعجاز سن کر مسکرایا۔

"ارے بھئی عذیر کے سامنے ابھی ساری زندگی پڑی ہے...... ہماری کون سی اولاد ہے، جس کے لیے زمین جائیداد یا بینک بیلنس بنائیں...... عذیر کو تو ابھی نئی زندگی شروع کرنی ہے۔" عاشی نے بڑے متاثرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں آپی بتا رہی ہیں کہ عذیر نے اپنے لیے بڑا اچھا فلیٹ بک کروایا ہے اور کار بھی لے لی ہے۔" اعجاز نے کن اکھیوں سے دونوں کے تاثرات کو بغور دیکھا۔

"تم نے سنا نہیں جب ہاتھی پالو تو دروازے اونچے کرنے ہی پڑتے ہیں، عذیر کے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات بن گئے ہیں اور تمہاری آپی بھی عذیر کا رشتہ کسی بڑے گھرانے میں کروا کے ہی چھوڑے گی...... ہمارا کیا ہے، ہمارے لیے تو ہماری یہ ڈیڑھ فٹ کی کٹیا ہی کافی ہے۔" عشرت نے شاکی نظروں سے عاشی کو دیکھا۔

"سن لی ناں تم نے ان کی باتیں...... عذیر کی لمبے ہاتھ مارنے والی عادت نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور ایک یہ ہیں۔" اعجاز نے عشرت کی بات ہوا میں اڑائی

"عشرت بیگم ایک چیز قسمت بھی تو ہوتی ہے، انسان کتنا ہی لمبا ہاتھ مار لے، اس کی قسمت اس کا ساتھ نہ دے تو اس کی حیثیت صفر ہی رہتی ہے۔" پھر لہجہ بدل کر کہا۔

"ارے بھئی بہن اتنی دور سے آئی ہے اب تو دوپہر کا کھانا بھی حلق سے نیچے اتر گیا...... کچھ چائے وائے کا بھی سوچا ہے یا صرف باتوں پر ہی ٹرخاؤ گی۔" عشرت ایک ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے خیال میں اعجاز نے ان کی باتیں نہیں سنی تھیں۔

❁......❁......❁

پھر ایک روز مارکیٹ سے لوٹتے ہوئے عشرت کا آپا بی سے سامنا ہو ہی گیا، آپا بی نے اسے دیکھ کر کنی کترانا چاہی مگر عشرت نے راستہ روک لیا۔

"آپا بی، اچھا ہوا آپ مل گئیں، میں آپ کو یاد ہی کر رہی تھی بلکہ میں تو آپ کو فون کرنے کا سوچ رہی تھی۔" آپا بی کے چہرے پر بیزاری اور ناگواری کے تاثرات تھے مگر عشرت نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"جو سچ پوچھیں تو اس دن کی لے دے کا مجھے بہت افسوس ہے۔"

"جانے دو، رات گئی بات گئی۔" آپا بی نے بے دلی سے کہا۔

"چلیے پھر میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیجیے...... آیئے گا ہماری طرف اور ہاں عذیر کے لیے کسی اونچے گھرانے کی حسین و جمیل لڑکی ضرور نظر میں رکھنا۔" اس بار تو حد ہوگئی تھی اور آپا بی بھی بگڑ اٹھی تھیں۔

"بھئی صاف بات ہے کسی لکھ پتی گھرانے کی حسین و جمیل لڑکی کے لیے تم کسی اچھے علاقے کے شادی دفتر میں عذیر میاں کا نام لکھوا دو...... سفید پوش لوگوں کے علاقے میں تمہاری مرضی کی لڑکی تو تمہیں ملنے سے رہی۔" عشرت اس سے زیادہ آپا بی کی مکھن بازی نہ کر سکتی تھی سو وہ بھی تنک اٹھی۔

"ارے آپا بی کچھ لحاظ مروت ہے تمہاری آنکھوں میں کہ نہیں...... کیسے منہ بھر کے صاف انکار کر رہی ہو، پتا ہے مجھے رشتہ کروانے کے دس ہزار لیتی ہو، میں دس کے بیس

دوں گی اور ہاں تمہاری پسند کا بڑھیا جوڑا بھی۔" اس نے لہجہ بدل کر للچایا۔

"ہاں...... ہاں خوب سمجھتی ہوں دس کی جگہ بیس کے لالچ میں، میں تمہیں لڑکیوں پہ لڑکیاں دکھاتی رہوں اور تم ہر کسی پر ناک چڑھا کر، کچھ نہ کچھ نکتہ چھانٹ کر چلتی بنو نہ بی بی مجھے تو معاف ہی رکھو۔" عشرت یک دم گھبرائی۔

"نہیں آپابی، ایسی بات نہیں، انسان سوئی بھی خریدتا ہے تو چھان پھٹک کر لیتا ہے یہ تو پھر لڑکی ہے۔" اپنے تئیں اس نے بات بنانی چاہی پر آپابی اب اس کی باتوں میں آنے والی نا تھیں۔

"بی بی...... تمہاری اس چھان پھٹک میں، میری جوتی تو کیا...... تلوے گھس گئے ہیں، کوئی لڑکی تمہاری نظروں میں سمائی ہی نہیں۔ اب میرے گوڈوں، گٹوں میں اتنا دم نہیں۔" ان کا انداز صاف چڑا ہوا اور بیزار تھا۔

"ارے تو رشتہ کروانے کے لیے بھاگ دوڑ کے ہی تو تم پیسے لیتی ہو۔"

"بی بی...... نیت صاف منزل آسان...... یہ تو دلوں کے سودے ہوتے ہیں جب نیت میں ہی کھوٹ ہو تو آگے کی نیا کیا خاک پار لگے گی؟"

"آپابی منہ سنبھال کے بات کرو، جو منہ میں آئے بولتی چلی جا رہی ہو...... میرا دیور خیر سے ہزاروں تو کیا...... لاکھوں میں کھیلتا ہے، لاکھوں کا فلیٹ، چم چماتی گاڑی ہے تو کیا اس کے لیے کسی بھٹیارن کو اٹھا لاؤں؟"

"تب ہی تو کہتی ہوں کسی شادی دفتر میں نام لکھواؤ یا اخبار میں اشتہار دے دو مگر میری جان چھوڑو۔"

"اپنے لاکھوں کے کماؤ پوت کے لیے لڑکی اس کی من پسند نہ ڈھونڈوں، حسین و جمیل، اعلیٰ گھرانے کی لڑکی عذیر ہی تو مانگتا ہے...... میرا کیا ہے میں تو آنکھیں بند کر کے کسی پر بھی ہاتھ رکھ دوں۔" اس نے صاف جھوٹ بولا۔

"ارے جاؤ جاؤ...... خوب سمجھتی ہوں میں، عذیر اپنے منہ سے کب کچھ کہتا ہے، تم ہی نے اسے مٹھی میں دبا رکھا ہے، اس کی شادی کر کے تمہارے لالے جو پڑ جائیں گے۔ دل میں تمہارے کھوٹ ہے اور نام رکھتی ہو دیور پر...... مل جائے نا مجھے کہیں عذیر دیکھنا تمہارا کچا چٹھا کھول کے رکھ دوں گی۔"

"ہاں...... ہاں...... جاؤ جاؤ...... کہہ دو جو دل میں آئے کہو مگر یاد رکھنا...... دیور وہ میرا ہے، اس کی لگتی سکتی میں ہوں، تم نہیں۔" عشرت بڑبڑاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ آپابی نے بھی نخوت سے سر جھٹکا اور بکتی جھکتی اپنی راہ لی۔

❁......❁......❁

عشرت، عذیر کی راہ تک رہی تھی۔ عذیر کی چم چماتی کار گھر کے دیمک زدہ دروازے کے پاس رکی تو عشرت پلٹ کر درمیانی کمرے میں آ کر بیٹھ گئی، عذیر کے کمرے کو جاتا رستہ وہیں سے گزرتا تھا اور پلٹ کر گنتی گننے کی اداکاری کرنے لگی، درمیان میں پھر بھولنے کی اداکاری کر کے دوبارہ سے گنتی کرنے لگی، عذیر کمرے میں داخل ہوا تو وہ اسی ادھیڑ بن میں لگی تھی۔

"ارے بھئی بھابی...... یہ آخر اتنی فراغت سے، بیٹھی کیا گنتی گن رہی ہیں۔" وہ عشرت کے سامنے بیٹھ گیا۔ عشرت نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے بگڑے موڈ کے ساتھ کہا۔

"پرلے درجے کی بھوکی ننگی عورت ہے یہ آپابی...... یہاں ٹکڑا توڑ لیا...... وہاں ٹکڑا توڑ لیا...... رشتے کروانے کے لیے جوڑ توڑ تو کوئی اس سے سیکھے۔ اسی لیے مجھے پیسے لے کر رشتہ کروانے والیوں پر ذرا بھروسا نہیں۔"

"اچھا پہلے تو آپ کو آپابی سے بڑی امید تھی کہ وہ آپ کی من پسند لڑکی ضرور ڈھونڈ دیں گی۔" عذیر نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ارے وہی تو گنتی کر رہی تھی ایک نہ دو...... پوری پینتالیس لڑکیاں دکھائی ہیں...... کیا مجال کہ ان میں سے ایک بھی ڈھنگ کی نکلی ہو، مجھے تو پڑوس کی عذرا نے بتایا پرلے درجے کی فراڈ ہے یہ آپابی...... اس کے جھوٹ کو سچ کر کے رشتہ کروانے سے جانے کتنوں کے نصیب پھوٹے ہیں۔ توبہ توبہ، کان پکڑے میں نے۔" عشرت

نے بھرپور اداکاری کرتے ہوئے گال پیٹے سچ تو یہ تھا کہ اس روز آپابی کی دھمکی پر کہ وہ عذیر سے رابطہ کر کے عشرت کے کچے چٹھے کھولے گی، عشرت کے تو چھکے چھوٹ گئے تھے پھر قدرے لہجہ بدل کر کہا۔

"سوچتی ہوں کسی شادی دفتر میں تمہارا نام لکھوا دوں؟"

"شادی دفتر......؟" عذیر چونکا پھر کچھ سوچ کر کہا۔

"سوچ لیں یہ شادی دفتر والے بھی کچھ کم فراڈ نہیں ہوتے اور پھر فیس بھی اتنی بھاری۔" عذیر نے قصداً ہلکا پھلکا لہجہ اپنایا۔ "اور پھر آپ کی من پسند لڑکی تو لاکھوں میں پڑے گی لاکھوں میں۔"

"ارے تو خیر سے اتنا کماتے ہو، شادی دھوم دھام سے کرنے کے لیے اتنا پیسہ جوڑ رکھا ہے، اچھے رشتے کا مل جانا بھی تو شادی کی پہلی قسط ہی ہے۔"

"اف یعنی آپابی کے بعد ایک اور جنجال...... بھئی میری توبہ بلکہ میرے باپ کی توبہ۔" عذیر نے کان پکڑے تو اس کا انداز مزاحیہ تھا۔

"ہیں...... تو کیا ساری عمر کنوارے بیٹھ کر گزار دو گے؟"

"جی نہیں بلکہ اس لڑکی کو تلاش کرنے کی مہم سے میری توبہ...... بھابی کان کھول کر سن لیجیے اگر کچھ دن اور آپ کی یہ مہم کامیاب نہ ہوئی تو میں اپنے لیے خود ہی کوئی فیصلہ کرلوں گا۔ میرے ساتھ سینکڑوں لڑکیاں کام کرتی ہیں اور ساری ایک سے بڑھ کر ایک......" عذیر کا انداز صاف مزاحیہ ہی تھا مگر عشرت کی جان ہی تو نکل گئی۔ وہ آپابی کی دھمکی پر عذیر کو ہموار کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور عذیر نے نیا شوشا چھوڑ دیا تھا۔

"کیا......؟" اس نے حیرت سے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "نہیں بھئی صاف بات ہے یہ نوکری والی لڑکی ہمیں تو نہیں چاہیے۔ ہمیں گھر کے لیے ایک بہو چاہیے...... نوٹ چھاپنے والی مشین نہیں۔"

"لیجیے میرے منہ سے بات نکلی نہیں اور آپ نے نیا نکتہ پیش کردیا۔ اس عام سے مڈل کلاس علاقے میں کسی اونچے گھرانے کی حسین و جمیل لڑکی تو آپ کو ملنے سے رہی...... ایک سے ایک اچھے گھرانے کی حسین تتلیاں میرے آس پاس منڈلاتی ہیں اگر آپ کو کچھ دن اور آپ کی من پسند لڑکی نہ مل سکی تو میں آنکھیں بند کر کے کسی ایک لڑکی پر ہاتھ رکھ دوں گا۔" عشرت ہکا بکا اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں......" عذیر اس بار ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت اعجاز کمرے میں داخل ہوا، عذیر کی بات اس نے سن لی تھی، عذیر اس کے برابر سے نکلتا چلا گیا اور اعجاز آ کر عشرت کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ عشرت بے یقینی کی سی کیفیت میں تھی۔

"کچھ سنا آپ نے یہ عذیر کیا کہہ کر گیا ہے؟" اعجاز کا انداز مطمئن اور اسے چھیڑنے والا تھا۔

"ہاں سنا، عذیر کے لیے لڑکیاں چھانٹنے کا سلسلہ یوں ہی آگے بڑھتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب عذیر یہی کر گزرے گا جو کہہ کر گیا ہے۔" اس نے اسی اطمینان سے کہتے ہوئے درمیانی میز پر رکھا اخبار اٹھا کر مطالعہ شروع کردیا۔

"یہ...... یہ آپ بھی کہہ رہے ہیں اعجاز۔" عشرت نے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسی بے یقینی سے انداز میں اعجاز کو دیکھا جو بدستور اخبار کے مطالعے میں محو نظر آ رہا تھا مگر اس نے عشرت کی کسی بات کا جواب نہیں دیا اور وہ دن بھی پر لگا کر اڑ گیا، لڑکی پسند کرنے کا معاملہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔

❁......❁......❁

گھر کا دروازہ کافی عجلت اور گھبراہٹ میں بجتا ہی چلا جا رہا تھا۔ عشرت نے اس بے وقت دستک پر بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا تو سامنے اعجاز تھا۔

"الٰہی خیر...... آپ اس وقت دکان سے کیسے آ گئے، سب خیریت تو ہے؟" عشرت دہل اٹھی، اعجاز کے چہرے اور انداز میں نقاہت و کمزوری تھی۔ وہ چڑ گیا۔

"ارے بھئی اندر بھی آنے دو گی یا سب کچھ یہیں کھڑے کھڑے پوچھ لو گی؟" وہ آہستہ قدموں سے اندر آیا اور صحن میں رکھے تخت پر ڈھیر ہو گیا۔

"دکان پر کچھ طبیعت بگڑ گئی تھی، اچانک چکر سا آیا شاید بی پی لو ہو رہا ہے۔"

"اوہو..... عذیر نے بھی آپ سے کتنی بار کہا ہے کسی بڑے اسپتال میں اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں۔"

"اب اس عمر میں شوگر، بلڈ پریشر تو ہو ہی جاتا ہے، اپنی دکان کی آمدنی پر تو میں سرکاری اسپتال سے ہی علاج کروا سکتا ہوں۔" عشرت اعجاز کے پاس بیٹھ گئی۔

"تو اس کا یہ مطلب کہاں سے نکلتا ہے کہ خود کو بیماریوں کے حوالے کر دیا جائے۔ عذیر اگر مشورہ دیتا ہے تو اسپتال کا خرچ بھی دے ہی دے گا۔" اعجاز نے تکیہ سر کے نیچے رکھ کر پیر پھیلائے۔ عشرت آہستہ آہستہ اس کے پیر دبانے لگی، اعجاز نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"عذیر کی بڑائی ہے کہ وہ ہمیں ماں باپ کی جگہ رکھتا ہے مگر اس کی اپنی بھی زندگی کے لیے کچھ پلانز ہیں، جن کے لیے پیسہ چاہیے..... ہمارا کیا ہے کچھ گزر گئی کچھ گزر جائے گی۔"

"ماں باپ کی جگہ رکھتا ہے تو ماں باپ سے کچھ کم بھی نہیں کیا ہم نے اس کے لیے۔" عشرت کا لہجہ بگڑ کر تیز ہوا۔ اعجاز نے ایک سرد سانس لے کر بات کرنے کی ٹھانی۔

"جو سچ پوچھو تو عذیر آج جس مقام پر ہے وہ اس کی اپنی محنت کا صلہ ہے۔" اس نے نقاہت سے آنکھیں موند لیں اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بہت کم عمری سے اس نے اپنا بوجھ خود اٹھایا، اپنی تعلیم کا خرچ ٹیوشن پڑھا کے پورا کرتا رہا، مجھے تو یہ بھی پتا نہیں چلا کہ اس نے اتنی بڑھیا نوکری کب اور کیسے حاصل کی..... میری دکان کی معمولی سی آمدنی سے گھر کا جو دال دلیہ چلتا تھا اس میں ایک فرد کا اضافہ اتنا بھی بھاری احسان نہیں ہے، ایک آدمی کا کھانا تو بچ کے بھی چلا جاتا ہے۔" عشرت نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں مگر اسے ہم سے محبت تو والدین جیسی ہی ہے۔"

"کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو مگر گھر کی ماہوار آمدنی سے کچھ بچانے کی بھی کوشش کیا کرو، اولاد ہماری ہے نہیں اور ہوتی بھی تو دوسرے سے کیا امید؟"

"حد کرتے ہیں آپ بھی..... گھر کیسے چلانا ہے، کتنا خرچ کرنا ہے اور کتنا بچانا ہے یہ آپ کے کہنے پر مجھے سمجھ میں آئے گا؟ آپ بس اپنی صحت کا خیال رکھیں، میں عذیر کو کہتی ہوں کسی اچھے ڈاکٹر سے..... وہ کیا کہتے ہیں اسے....." وہ سوچ میں پڑ گئی تو اعجاز مسکرا دیا۔

"اپائنمنٹ۔"

"ہاں..... ہاں..... وہی..... لے لے۔" اعجاز دھیرے سے ہنسا پھر کھانسنے لگا، عشرت اس کی کمر سہلانے لگی۔

❁....❁....❁

فردوس ایک ڈھکا ہوا پیالہ لے کر کمرے میں داخل ہوئیں تو ارم سنگار میز کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" انہوں نے حیرت اور بیزاری سے کہا۔ "میں نے تم سے کہا تھا ذرا ڈھنگ سے تیار ہو جاؤ..... یہ تم نے کیا پہن لیا؟"

"لیکن امی آپ نے تو میلاد میں جانے کے لیے تیار ہونے کو کہا تھا۔"

"اوہو..... تو شادی میں جانے کے لیے بھی تم نے کون سا تیر مار لینا تھا۔ یہ سارے ہلکے اور ٹھنڈے رنگ تو جیسے تمہارے لیے ہی بنے ہیں۔ کہا بھی تھا کہ کوئی کھلتا ہوا رنگ پہن لینا..... تیز رنگ میں رنگت ذرا کھل سی جاتی ہے۔"

"مگر میرے پاس تو کوئی اس طرح کا سوٹ نہیں ہے۔"

"اچھا..... خیر..... میرے سر میں کچھ درد ہے اس لیے آج میلاد میں جانا کینسل اور تم ایسا کرو ذرا پڑوس میں یہ کھیر کا پیالہ دے آؤ۔" انہوں نے پیالہ اس کی طرف بڑھایا۔

"پڑوس میں.....؟" ارم نے نہ سمجھنے والے انداز میں

کہا۔

"ہاں...... ہاں وہ اپنی عشرت ہے ناں...... اس کے گھر اور دیکھو پیالہ پکڑا کر الٹے قدموں نہ لوٹ آنا بلکہ کچھ دیر بیٹھ کر ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے آنا۔" وہ روانی میں کہہ گئیں۔

"آج ہفتہ ہے اور وہ گھر پر ہی ہوگا۔" انہوں نے خود کلامی کی۔

"ہفتہ ہے......؟" ارم چونکی۔ "کیا مطلب امی۔"

"اوہو بھئی...... ایک تو تم سوال بہت کرتی ہو، اب ہر بات تمہیں بتانا ضروری تو نہیں...... جاؤ شاباش اور جو سمجھایا ہے یاد رکھنا۔" ارم نے پیالہ تھاما اور اپنے گھر کا دروازہ عبور کر کے عشرت کے گھر کے دروزے پر دستک دی تو داخلی دروازہ عذیر نے کھولا اور ارم پر ایک نظر پڑتے ہی حیرت دخوشی سے گویا ہوا۔

"ارے بھئی ارم...... یہ تم ہو؟ میں تو پہچانا ہی نہیں...... بھئی بڑی کمال لگ رہی ہو۔" ارم اس کے انداز پر جزبز ہو کر رہ گئی اور نپے تلے انداز میں بولی۔

"عشرت بھابی کہاں ہیں...... مجھے ان سے ملنا ہے۔" اسی لمحے عشرت آن وارد ہوئی۔

"کس کو مجھ سے ملنا ہے؟" ارم پر ایک نظر پڑتے ہی وہ چونکی۔

"ارے ارم...... آؤ آؤ ناں۔" عذیر کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"بھابی یہ اپنی ارم سج سنور کر کیسی آفت ڈھاتی ہے ناں۔" ارم ایک بار پھر کچھ کنفیوز سی نظر آنے لگی، عذیر کی نظروں میں پسندیدگی تھی، اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا۔

"مجھے امی کے ساتھ کہیں جانا تھا...... ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو جانا کینسل ہوگیا۔" عذیر نے ایک بار پھر اس کی بات اچک لی۔

"تم نے بہت اچھا کیا کہ یہاں آ گئیں بلکہ میں تو کہتا ہوں، تمہیں دو چار چکر دن میں ہمارے گھر کے ضرور لگانے چاہئیں۔"

"اوہو بھئی عذیر...... حد کرتے ہو تم رستہ دو گے تو وہ آئے گی ناں، وہ بے چاری اتنی دیر سے دروازے کے پاس کھڑی ہے اور تمہیں مستیاں سوجھ رہی ہیں؟ آؤ ارم اندر آ جاؤ۔" عشرت نے نرمی سے کہا مگر ارم نے عذیر کے بے تکلف انداز و نثار ہوتی نظروں سے پسپا ہو کر پیالہ عذیر کو ہی پکڑا دیا تھا۔

"نہیں بھابی میں چلتی ہوں، امی نے یہ کھیر کا پیالہ بھیجا تھا۔" وہ پلٹی اور عذیر نے مسکرا کر عشرت کو دیکھا۔

"بھابی...... یہ اپنی ارم کی شکل سج سنور کے کتنی نکل پڑتی ہے ناں۔" عشرت کلس کر دھیمی آواز میں بڑبڑائی۔

"ہونہہ لڑکی والوں کے پینترے۔" عذیر سے پیالہ لے کر کچن کی طرف مڑتے ہوئے بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی۔

"سب کماؤ پوت پھنسانے کے ہتھکنڈے ہیں خوب سمجھتی ہوں۔" عذیر کے چہرے پر پسندیدگی اور کسی سوچ کے آثار ابھرے تھے۔

❁......❁......❁

اعجاز ناشتے کے بعد بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا، اس نے دو چار بار ہاتھ سے مکھی اڑائی تو چڑ گیا۔

"عشرت...... ارے بھئی عشرت...... ناشتے کے بعد میز صاف نہیں کی کیا...... میز پر دیکھو کتنی مکھیاں ہیں۔" عشرت کچن سے آ کر اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

"ہزار بار کہا ہے کہ یہ گھر کے کام دھندے اب میرے بس کے نہیں رہے۔"

"اور میں نے بھی ہزار بار کہا ہے کہ عذیر کی شادی کر کے جلد از جلد اپنی دیورانی بیاہ لاؤ تاکہ تمہارا کام ہلکا ہو۔"

"کمال کرتے ہیں آپ...... عذیر کے لیے لڑکی کوئی گلی کے چوک پر بیٹھی ہے جو اٹھا کے لے آؤ...... کوئی ڈھنگ کی لڑکی ملے بھی تو...... منٹ کی تاخیر نہیں کروں گی۔"

"بھئی صاف بات ہے عذیر کی شادی کے معاملے

میں تمہاری یہی چھان پھٹک دنیا کو یہ سوچ دے چکی ہے کہ تم اپنا گھر چلانے اور عذیر کو مٹھی میں رکھنے کے لیے اس کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتیں...... اس سے پہلے عذیر خود بھی دنیا کی زبان بولنا شروع کردے تمہیں اس کے لیے کوئی نہ کوئی فیصلہ کرہی لینا چاہیے ورنہ واقعی وہ بہت آسانی سے تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا اور تم ہاتھ ملتی رہ جاؤ گی۔" عشرت کے تیور بگڑے، وہ برا مان کر بولی۔

"آئے ہائے کیسے منہ بھر کے جو دل میں آئے کہہ جارہے ہیں...... اللہ وہ دن نہ دکھائے۔"

"کسی اونچے گھرانے کی لاکھوں میں ایک لڑکی تمہارے اپنے دماغ کا خناس ہے، عذیر کے منہ سے تو میں نے بھی کوئی ایسی بات نہیں سنی۔" اعجاز کی بات پر عشرت کے تیور تیکھے ہوئے۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"بھئی میں تو بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ اس چھان پھٹک کے مسئلے کو چھوڑو اور آنکھیں بند کرکے کسی بھی لڑکی پر ہاتھ رکھ دو۔" اس نے قصداً ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ "چاہے وہ پڑوس کے کرامت بھائی کی ارم ہی کیوں نہ ہو۔" توقع کے عین مطابق عشرت نے ایک جھٹکا کھایا اور پھر حیرت اور بےیقینی سے کہا۔

"کیا......؟ کیا کہا آپ نے...... ارم؟" اعجاز نے اسی سادہ اور رواں انداز میں کہا۔

"ہاں...... ہاں پ ارم اور کون؟" جبکہ عشرت بری طرح بگڑی۔

"خبردار...... اس کا تو نام بھی نہ لیں میرے سامنے، اس کے مزاج تو آسمانوں کی سیر کرتے ہیں...... چار حروف کیا پڑھ لیے اپنے آپ کو جانے کیا سمجھتی ہے؟"

"تم کچھ بھی کہو...... میں تو یہ جانتا ہوں کہ ارم کی فکر سے کرامت بھائی اور بھابی کی سانس حلق میں اٹکی رہتی ہے۔"

"یہ آپ کی سوئی ارم پر آکر کیوں اٹک گئی ہے؟" عشرت کا لہجہ چڑا ہوا اور بیزار سا تھا۔

"عذیر کے لیے ایک سے ایک لڑکی مسترد کرکے میں ارم جیسی عام سی گھٹیا گھرانے کی لڑکی اٹھالاؤں تو دنیا کیا کہے گی؟"

"یہی تو میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کررہا ہوں۔ عذیر کے لیے ارم جیسی دبی دبائی، شادی کے انتظار میں بیٹھی ہوئی لڑکی کو بیاہ لائے تو احسان مند رہے گی...... ہمارے سامنے سر نہیں اٹھا سکے گی، کسی اونچے گھرانے کی حسین جمیل لڑکی ہمیں کیا خاطر میں لائے گی...... چار دن میں عذیر کو لے کر اپنے فلیٹ میں شفٹ ہوجائے گی اور وہ سب ہوگا جس کا تمہیں ڈر ہے۔" اعجاز نے اس کو تصویر کے دونوں رخ دکھائے پر عشرت تو وہ دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی اور دیورانی کے روپ میں تو ہرگز نہیں پر اب اعجاز نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا...... عشرت سچ مچ سوچ میں پڑگئی تو اس نے مزید کہا۔

"ارم اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہے، اس کے بوڑھے ماں باپ کو ارم کی مجبوری بنا کے ان کے قریب رہنے کی سوچ دے دی جائے تو وہ عذیر کو یہیں ہمارے گھر میں رہنے پر مجبور رکھے گی، ہمارے ٹھاٹ باٹ اسی طرح چلتے رہیں گے...... عذیر نے جو فلیٹ بک کروا رکھا ہے...... وہ کرائے پر اٹھا دیا جائے تو ہزاروں کی آمدنی دے گا...... سپر لگژری فلیٹ ہے۔" اعجاز کا انداز لالچ دینے والا تھا اور عشرت کے منہ میں پانی ہی آگیا۔ وہ کچھ نیم آمادہ سی نظر آنے لگی۔

"اگر ایسا ہوجائے تو کیا ہی کہنے مگر عذیر کے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات ہیں، دھوم دھام سے شادی کرنے کے لیے خوب پیسہ جوڑ رکھا ہے اس نے، اس کے لیے کسی ٹٹ پونجیے گھر کی لڑکی خالی خولی اٹھالائے تو کیا عزت رہ جائے گی ہماری۔"

"کیا خوب فرمان ہے کہ عورت پسلی سے پیدا ہے اور اس کی فطرت بھی پسلی ہی جیسی ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے نا سمجھی سے اعجاز کو دیکھا۔

"ارے آج کل ٹٹ پونجیے کو ٹٹ پونجیا نہ سمجھو تم کیا

جانو، ارم کرامت بھائی کی اکلوتی بیٹی ہے، اس کی شادی کے لیے ہی تو کرامت بھائی نے اپنی ساری گریجویٹی بینک میں فکس کروا رکھی ہے۔ آج کل زمانہ ہی ایسا ہے، معمولی آدمی بھی شادی دھوم دھام سے کرہی لیتا ہے۔"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہی ہیں مگر کیا عذیر مان جائے گا ارم کے لیے؟"

"کسی دن مناسب موقع دیکھ کر میں عذیر کی رائے لیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کرے گا۔" عشرت ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کسی گہری سوچ میں گم نظر آنے لگی تھی۔

❀......❀......❀

عذیر...... گھر میں داخل ہوا...... تو داخلی دروازے کے قریب تخت پر نیم دراز اعجاز کو منتظر پایا...... اعجاز اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"خیریت...... آج اتنی دیر ہوگئی؟ رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔"

"جی بھائی صاحب...... دفتر میں کام زیادہ ہے آج کل کچھ احتیاط اور کچھ سختی بھی چل رہی ہے تو دیر ہو ہی جاتی ہے۔" اس نے تھکے ہوئے نڈھال انداز میں اعجاز کے قریب کرسی پہ ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ بتائیں...... اس موسم میں یہاں باہر کیوں بیٹھے ہیں، سب خیریت تو ہے؟"

"بس ویسے ہی...... کچھ گھبراہٹ سی ہورہی تھی تو تازہ ہوا میں سانس لینے ادھر بیٹھ گیا۔" پھر کچھ ٹھہر کر کہا۔

"تمہاری بھابی تو سوگئی ہوگی...... اب فریج سے کھانا نکال کر تم ہی کو گرم کرنا پڑے گا۔"

"کوئی بات نہیں بھائی صاحب...... میں کرلوں گا۔"

"دراصل اب اس کی عمر بھی ڈھل رہی ہے اس میں وہ پہلی جیسی پھرتی نہیں رہی، تمہارا گھر بس جائے تو عشرت کی ایک فکر کم ہو...... ممکن ہے اس کا، کام بھی کچھ ہلکا ہوجائے۔"

"بھائی صاحب یہ معاملہ تو میں نے آپ اور بھابی پر ہی چھوڑا ہوا ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتا جو آپ بہتر سمجھیں

کریں۔" اس نے کندھے اچکا کر بے پروائی سے کہا۔
اعجاز نے لہجہ بدل کر خوشگوار لہجے میں بات کا آغاز کیا۔
"بھئی میرے دل کی پوچھو تو مجھے تمہارے لیے ارم بہت ہی مناسب لڑکی لگتی ہے۔" عذیر نے کچھ ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔
"ارم......؟ اچھا ہاں وہ پڑوس کے کرامت صاحب کی بیٹی؟"
"ہاں بالکل وہی...... بھئی نیک سیرت، شریف اور گھریلو لڑکی ہے۔" عذیر کچھ لمحے خاموش رہا پھر جھجکتے ہوئے کہا۔
"خاصی عام سی لڑکی ہے...... مجھے نہیں لگتا کہ عشرت بھابی اس کے لیے مانیں گی۔"
"تم عشرت کی چھوڑو...... اس کو میں سمجھا سکتا ہوں تم اپنے دل کی بتاؤ۔" وہ اس کی طرف دیکھنے لگے۔
"بھائی صاحب آپ نے اس کے لیے سوچا ہے تو کوئی تو وجہ ہوگی، آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔"
"میں مانتا ہوں ارم ایک عام سی مڈل کلاس لڑکی ہے، تمہارے لیے عشرت نے اپنا معیار آسمان پر پہنچا رکھا ہے، اونچے گھرانوں کی حسین تتلیاں بھی تمہارے آس پاس منڈلاتی ہوں گی مگر یہ بڑے بڑے گھرانوں کی ماڈرن اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکیاں، قابو میں تو آنے سے رہیں اور یہی بات میاں بیوی کے درمیان فساد پیدا کرتی ہے...... سمجھ رہے ہو ناں میری بات؟"
"جی...... بھائی صاحب۔" اس نے آمادگی میں سر ہلایا۔
"ارم جیسی عام سی لڑکی کو اپنا لو گے تو تمہاری احسان مند رہے گی، قدر کرے گی، بیوی جوتی تلے دب کے رہے تو زندگی بہت آسان ہوجاتی ہے۔"
"جی......جی بھائی صاحب۔"
"اور...... رہی وہ تمہارے آس پاس منڈلانے والی حسین تتلیاں۔" انہوں نے لہجہ بدل کے خوشگوار انداز اپنایا "تو مرد کے لیے ایک دنیا گھر سے باہر بھی ہوتی ہے، گھر سے باہر کی زندگی جیسے چاہو گزارو۔" ان کی بات پر عذیر دھیمے سے ہنسا۔
"آپ کی بات سمجھ میں آتی ہے۔"
"شاباش...... مجھے تم سے یہی امید تھی تو پھر کیا خیال ہے کرامت صاحب کے گھر تمہارا پیغام بھیج دیا جائے؟"
"میں تو ایک بات جانتا ہوں، آپ یا بھابی میرا برا نہیں چاہیں گے۔ جیسے آپ کی مرضی اور خوشی۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ اعجاز کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور سوچ کی چھاپ نظر آنے لگی تھی۔

❁......❁......❁

خوشی فردوس کے انداز اور چہرے سے چھلک رہی تھی۔ عشرت، ارم کا پیغام عذیر کے لیے دیں گی اس کا تو انہیں دور دور تک گمان نہ تھا...... وہ فوراً ہی آمادہ ہوگئی تھیں۔
"بھئی عشرت تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی...... تم سے بڑھ کر ہمارے لیے اور بھلا کون ہوگا؟"
"مجھے پتا تھا آپ کبھی انکار نہیں کریں گی بلکہ عذیر کے لیے تو میں کہیں بھی رشتہ دیتی تو انکار نہ ہوتا مگر پہلا حق آپ کا ہے...... سچ پوچھیں تو ارم کی شادی کے لیے آپ کی فکر مجھے بھی مارے ڈالتی تھی۔"
"ہاں...... سچ کہتی ہو۔" وہ یک دم سنجیدہ نظر آنے لگیں۔ "مگر آج اللہ نے میری ساری دعائیں سن لی ہیں۔"
"خیر سے عذیر نے بڑا بڑھیا فلیٹ بک کروا رکھا ہے، نئی ماڈل کی شاندار گاڑی ہے، لوگ ترستے ہیں ایسے رشتوں کے لیے، ایک نہ دو پوری پینتالیس لڑکیاں مسترد کی ہیں میں نے عذیر کے لیے کوئی نظروں میں سماتی ہی نہیں تھی۔ سارے خاندان کی نظریں جمی تھیں اس پر۔" اس کا لہجہ فخریہ فردوس کو دبانے والا تھا۔
"کہتی تو تم ٹھیک ہو...... ایسے رشتے نصیب والوں کو ملتے ہیں مگر ہمیں سوچنے کے لیے کچھ وقت تو دو۔"
"ارے بھئی سوچنا کیسا؟ گھر کی سی بات ہے...... بس بات پکی کرکے منہ میٹھا کروایئے اور شادی کی تاریخ

میرے ہاتھ میں پکڑا دیجئے۔"

"ارے عشرت ذرا چھری تلے دم تو لو..... شادی کی تیاری کے لیے وقت چاہیے ہوتا ہے کچھ انتظامات کرنے ہوں گے۔"

"ارے انتظام کیسا..... آخر ارم کی شادی کے لیے ہی تو کرامت بھائی نے اپنی ریٹائرمنٹ کا سارا پیسہ بینک میں رکھوایا ہوا تھا۔" فردوس کو برا تو لگا مگر وہ ہنس کر ٹال گئی۔

"اچھا..... تو تمہیں یہ بھی پتا ہے؟"

"آپ کے گھر کی کون سی بات ہم سے چھپی ہوئی ہے۔"

"ہاں بھئی کیوں نہیں، ہمارا سب کچھ ارم کا ہی تو ہے۔"

"بھئی صاف کہنا چاہتی ہوں..... ویسے تو آپ جو کچھ دیں گی اپنی بیٹی کو دیں گی مگر عذیر کے بڑے بڑے افسروں سے تعلقات ہیں، بارات کے انتظام اور لینے دینے، کھانے پینے میں کوئی کمی رہ گئی تو ہماری ناک ہی کٹ جائے گی۔"

"تم فکر ہی نہ کرو..... عشرت جیسے تم چاہوگی، ویسے ہی ہوگا۔ میں ذرا ماسٹر صاحب سے مشورہ کرلوں اور ہاں ارم کی بھی تو مرضی معلوم کرنی ہوگی۔"

"ارے کیسی باتیں کرتی ہیں..... ارم کیا انکار کرے گی؟" وہ خوشی اور برتری کے احساس سے بول رہی تھی۔

"اس کے تو خواب میں بھی عذیر جیسے لڑکے کا گزر نہ ہوا ہوگا۔" فردوس خاموش رہی..... ان کے چہرے کے تاثرات میں ناگواری آ گئی تھی۔ انہیں عشرت کا غرور ونخوت سے بھرا یہ جملہ برا لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

اسی رات کرامت صاحب نے فردوس سے کہا۔

"دیکھا فردوس، عشرت کو آخر ہماری ارم کا خیال آ ہی گیا ناں، ارے بھئی ہماری ارم ایسی بھی گئی گزری نہیں ہے..... خیر سے قبول صورت ہے، مجھے تو لگتا ہے ارم پر دل ہار کر ہی عذیر نے عشرت کو رشتے کے لیے بھیجا ہے..... بلاوجہ تم نے ارم کے رشتے کو پہاڑ بنا کے اچھی بھلی لڑکی کو احساس کمتری کا شکار بنا رکھا تھا۔" کرامت صاحب سن کر کھل اٹھے۔

"زمانہ ہی ایسا ہے ماسٹر صاحب..... آج کل ارم جیسی سادہ طبیعت شریف اور نیک لڑکیوں کی خوبیوں کی کوئی قدر وقیمت ہی نہیں۔"

"اب تم تو ایسا نہ کہو..... اب تو خیر سے عشرت نے ارم کا ہاتھ مانگ لیا ہے..... جب اوپر سے اشارہ ہوجاتا ہے ناں تو سارے کام خود بخود بنتے چلے جاتے ہیں۔"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں مگر مجھے عشرت کا انداز کچھ اچھا نہیں لگا، رشتہ بھی ایسے مانگ رہی تھی جیسے میری سات پشتوں پر احسان کررہی ہو۔"

"بھئی عشرت کی تو تم بات ہی چھوڑ دو..... پرلے درجے کی اکل کھری عورت ہے وہ اور آخر ہمیں اعجاز یا اس کی بیوی سے لینا دینا بھی کیا ہے..... ہمارا واسطہ تو بس عذیر سے ہے..... شادی کے لیے اور شادی کے بعد کے بھی، اس کے ارادے بہت اونچے ہیں۔ جس کے لیے اس نے الگ سے فلیٹ پہلے ہی سے بک کروا رکھا ہے۔ تم بس یہ وقت ذرا گزر جانے دو۔"

"سچ کہتے ہیں..... عشرت کے بس میں ہو تو وہ عذیر کا گھر کبھی بھی نہ بسنے دے۔ مجھے تو ارم کا ہاتھ مانگنے میں بھی عشرت کی کوئی چال لگتی ہے ورنہ ایک سے ایک بڑھیا لڑکی مسترد کردیتی تھی وہ۔"

"اوہو بھئی..... عشرت کیا چاہتی ہے، کیا سوچتی ہے، یہ ہمارا دردسر نہیں ہے..... شادی کے بعد عذیر ارم کو لے کر الگ ہوجائے گا بات ختم۔" ان کا لہجہ حتمی تھا۔

"یہ تو ہے..... عذیر بھائی بھاوج کے لیے جتنا کچھ کرچکا ہے، وہ بھی کم نہیں ہے، آدھی عمر گنوا دی مگر بھائی بھاوج کی مرضی کے خلاف سر نہیں اٹھایا ورنہ آج کل تو لڑکیاں بھی اتنا صبر نہیں کرتیں۔"

"تم ذرا ارم کی مرضی بھی اچھی طرح سے معلوم کرلینا۔"

"کمال کرتے ہیں ماسٹر صاحب..... ارم نیک اور

سعادت مند بچی ہے۔ وہ کیا انکار کرے گی؟ اور پھر عذیر کے رشتے میں آخر کمی کیا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر اس کی مرضی معلوم کرنا بھی ضروری ہے ناں۔" انہوں نے عام سے انداز میں کہتے ہوئے پیر بیڈ پر پھیلا لیے تھے۔

❁……❁……❁

عذیر کے کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھا میز پر رکھے لیمپ کے بٹن کو آن آف کر رہا تھا، اس نے ریلیکس انداز میں صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند رکھی تھیں مگر چہرے پر پریشانی کی چھاپ تھی۔ عشرت نے کمرے میں داخل ہو کر لائٹ آن کی تو وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"عذیر......"

"جی بھابی۔"

"تم دفتر سے آ بھی گئے اور مجھے پتا بھی نہیں چلا اور یہ اندھیرا کر کے کیوں بیٹھے ہو؟" عذیر نے بمشکل خود کو سنبھال کر اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے کی ناکام کوشش کی۔

"کچھ نہیں بھابی......بس ویسے ہی دل کچھ پریشان سا ہے۔"

"پریشانی...... کیسی پریشانی؟" وہ ایک دم فکر مند ہوئیں۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"دفتر میں کچھ انویسٹی گیشن چل رہی ہے۔"

"کیا چل رہی ہے؟" عشرت نے نا سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"جانے دیجیے...... آپ نہیں سمجھیں گی...... آپ فرمائیے کوئی حکم؟"

"ہاں۔" وہ کچھ ہچکچائی۔ "تم سے کچھ کام تھا، تمہارے بھائی کی کل چیک اپ کی تاریخ ہے اور تمہیں پتا ہے ان اسپتالوں میں تو پیسہ پانی کی طرح خرچ ہوتا ہے۔"

"اتنے دن ہو گئے ڈاکٹرز کے چکر کاٹتے ہوئے آخر ڈاکٹر کہتے کیا ہیں؟" عشرت نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر سر مایوسی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... تمہارے بھائی کی صحت دن بہ دن گرتی جا رہی ہے اور یہ ڈاکٹر ہر بار نئے ٹیسٹ لکھ دیتے ہیں اور کوئی نئی کہانی سنا دیتے ہیں۔" عذیر نے خاموشی سے میز کی دراز سے چیک بک نکال کر ایک چیک بھر کے عشرت کو دے دیا، عشرت نے چیک تھام کر دیکھا تو چونکی۔

"یہ کیا......صرف پانچ ہزار؟"

"بھابی مہینے کی آخری تاریخیں چل رہی ہیں، تنخواہ پر جو لگی بندھی رقم آپ کو دیتا ہوں وہ تو دے ہی چکا ہوں، باقی کار اور فلیٹ کی قسط ادا کر دی تھی۔" عذیر کا انداز ٹالنے والا تھا، عشرت نے کچھ یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"اور وہ تمہاری بے حساب اوپر کی آمدنی؟"

"بھابی، اب آپ سے کیا چھپانا...... محکمے میں تھوڑی جانچ پڑتال چل رہی ہے تو کچھ محتاط رہنے میں ہی بہتری ہے۔"

"اچھا۔" عشرت کا انداز یقین نہ کرنے والا تھا۔ "ویسے تو تمہارا اپنا بینک بیلنس بھی کم نہیں ہے مگر خیر...... تمہاری مرضی ہم نے تو نہ کبھی تمہاری آمدنی پر نظر رکھی نہ کوئی حساب کتاب کیا۔" عشرت اٹھ کھڑی ہوئی، کمرے سے باہر جانے لگی تو عذیر نے کہا۔

"بھابی لائٹ آف کر دیجیے گا۔" لائٹ آف ہونے پر اس نے پھر صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

❁……❁……❁

اس روز علی الصبح ماسٹر کرامت ناشتہ کے بعد تازہ اخبار کے مطالعہ میں مگن تھے جب فردوس نے کہا۔

"ماسٹر صاحب، آپ نے عذیر کے رشتے کے لیے مجھے ارم کی مرضی معلوم کرنے کا کہا تھا ناں......؟" ان کے لہجے میں افسوس اور مایوسی تھی۔

"ہاں...... کہا تھا تو پھر؟" فردوس نے ایک سرد آہ بھری۔

"ارم نے عذیر سے شادی کرنے سے صاف انکار کردیا ہے۔"

"کیا......؟" وہ یک دم بھڑک اٹھے۔ "یہ کیا کہہ رہی ہوتم...... اتنا اچھا بڑھیا رشتہ مقدر سے ملتا ہے، بھلا کیا کمی ہے عذیر میں جوارم انکار کررہی ہے؟" اسی پل عشرت آن وارد ہوئی، ماسٹر کرامت اور فردوس کی پشت تھی سووہ عشرت کو نہ دیکھ پائے، فردوس کہہ رہی تھیں۔

"ارم کا کہنا ہے کہ عذیر رشوت خور سرکاری ملازم ہے، اس گھرانے کے سارے ٹھاٹ رشوت کے بل بوتے پر ہیں اور وہ کسی رشوت خور سے شادی نہیں کرسکتی۔"

"کیا......؟" ماسٹر صاحب کے انداز میں بے یقینی امڈ آئی۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے اس کا...... آج کل خالی خولی تنخواہ پر گزارا ہوتا ہے کیا؟" عشرت کے تیور بگڑے، وہ سینے پر بازو لپیٹے سن رہی تھی۔ فردوس نے نرمی سے کہا۔

"میں نے بھی اسے یہی سمجھایا تھا مگر ارم نے کہا کہ اوپر کی آمدنی حرام اور ناجائز ہوتی ہے اور حرام کا لقمہ نسوں میں اتر کر ناسور بن جاتا ہے۔"

"بے وقوف ہے وہ...... عذیر کو نوکری کرتے اتنے سال ہوگئے، کبھی سنا کہ اعجاز کے گھرانے میں کسی کو چھینک بھی آئی ہو۔"

"میں نے بہت کہا سنا ماسٹر صاحب مگر ارم کسی طرح نہیں مانتی تو ہم زبردستی تو نہیں کرسکتے ناں۔" ماسٹر صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے مگر عشرت ان دونوں کے عقب سے نکل کر سامنے آن کھڑی ہوئی تو فردوس گھبرائیں۔

"ارے عشرت...... تم کب آئیں؟"

"بہت خوب...... واہ...... کیا کہنے۔" عشرت نے جیسے فردوس کی بات سنی ہی نہیں، اس کے لہجے میں طنز و تحقیر کے ساتھ غصہ بھی تھا۔

"بڑا فخر تھا ناں آپ کو اپنی بیٹی پر کہ ارم بہت نیک، شریف اور سعادت مند لڑکی ہے؟" ماسٹر کرامت نے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

"ارے بھئی عشرت، ارم بچی ہے اور بچوں کو تو سمجھایا بھی جاسکتا ہے۔" مگر عشرت کا لہجہ بدستور رہا۔

"آئی تو تھی میں عذیر کے رشتے کا جواب لینے مگر جواب مجھے مل گیا، بٹھا کے رکھیں ارم کو یا پڑھا دیں کسی ٹٹ پونجیے سے اس کا نکاح، چنے پھانک کر گزارا کرے گی تو عقل ٹھکانے آجائے گی۔" فردوس نے آگے بڑھ کر اس کو بٹھانے کی کوشش کی پر وہ ہاتھ جھٹک کر بولی۔

"بس رہنے دو اب...... ہونہہ شکل چڑیلوں کی، مزاج پریوں کے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی نکل گئی تھی۔ ماسٹر کرامت پکارتے ہی رہ گئے۔

"ارے بھئی عشرت سنو تو......" مگر وہ رکی نہیں، فردوس اپنا سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

اعجاز اور عشرت کے گھرانے نے ماسٹر کرامت کے گھر کا مکمل بائیکاٹ کردیا تھا۔ عشرت سب کچھ اپنے کانوں سے نہ سن لیتی تو تب بھی ارم کو سمجھایا، منایا جاسکتا تھا مگر اب ارم مان بھی جاتی تو عشرت کا ماننا ناممکن تھا، یہ ماسٹر کرامت اور فردوس کا اپنا خیال تھا۔ جنہیں عذیر جیسے رشتے کے کھو جانے کا سخت ملال اور پچھتاوا تھا پھر یہ کچھ ہی دنوں کی بات تھی کہ ایک روز ماسٹر کرامت گھبرائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور داخلی دروازے کے پاس ہی رک کر فردوس کو پکارا۔

"فردوس...... ارے بھئی فردوس۔"

"کیا ہوا...... خیریت تو ہے، اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟"

"خیریت ہی تو نہیں ہے...... بہت بری خبر ہے۔"

"الٰہی خیر۔" فردوس نے دل تھام لیا۔ "کیا ہوا؟"

"بھئی یہ اپنے پڑوس میں اعجاز کا بھائی عذیر ہے ناں...... اسے رشوت خوری کے جرم میں پولیس نے گرفتار کرلیا ہے۔"

"ہائے اللہ...... ماسٹر صاحب یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"میرے تو خود پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی سن کر آج کے اخبار میں عذیر کی تصویر کے ساتھ خبر لگی ہے رنگے

ہاتھوں پکڑا گیا ہے عذیر۔"

"اوہو...... بے چارہ اعجاز...... کیا گزرے گی اس پر، وہ تو پہلے ہی سخت بیمار ہے۔"

"ہاں...... اس کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے، عشرت نے اعجاز کو اسپتال لے جانے کے لیے ایمبولینس منگوائی ہے، مجھے بھی ان کے ساتھ جانا چاہیے...... ان کے ہاں تو اور کوئی مرد نہیں ہے۔"

"ہاں ٹھیک کہتے ہیں، چلیے میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" فردوس دوپٹا درست کرتی ہوئی آگے بڑھیں، ماسٹر کرامت اور فردوس آگے پیچھے گھر سے نکل گئے تھے۔

❁......❁......❁

جانے کتنا وقت گزرا مگر لگتا تھا کہ گزر کے بھی نہ گزرا...... سب کچھ ویسے کا ویسا تھا، بس زندگی منہ پھیر رہی تھی۔ حالات بدل گئے تھے۔ چہرے بے نقاب ہو گئے تھے۔

اعجاز کو اسپتال میں کیے دن گزر گئے...... عشرت سائے کی طرح اس کے ساتھ تھی۔ اس روز وہ ڈاکٹر کے بلانے پر گئی اور جب لوٹی تو اعجاز نے اسے اپنے بیڈ کے پاس بلایا۔ سالوں کا بیمار نحیف وجود نظر آ رہا تھا، آنکھوں میں گہرے حلقے، جسم پر مشینوں کی نالیاں لگی تھیں۔ عشرت کے دل کو ایک دھکا سا لگا۔ عشرت پر نظر پڑتے ہی اعجاز نے اسے نحیف آواز میں پکارا تو وہ سرعت سے لپک کر اس کے قریب بیڈ بیٹھ گئی۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" اعجاز نے رک رک کر بہ مشکل پوچھا۔ عشرت نظریں چرا گئی۔

"کچھ نہیں...... یہی کہا کہ آپ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔" اعجاز نے آنکھیں موند کر تھکے ہوئے نڈھال لہجے میں کہا۔

"نہیں...... تم جھوٹ بول رہی ہو۔" وہ نقاہت سے بولتے ہوئے رکا۔ "مجھے نہیں لگتا کہ میں اب کبھی بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہوں...... صبح میں نے خود سنا تھا ڈاکٹرز راؤنڈ پر تھے اور آپس میں کہہ رہے تھے کہ میرے دونوں گردے فیل ہو گئے ہیں۔ میری زندگی بہت کم ہے۔"

"اللہ کے واسطے خاموش ہو جائیں، آپ کو تکلیف ہے۔" وہ جذباتی ہو کر بولی۔

"مجھے بولنے دو...... بولنے دو عشرت کچھ دن میں یہ زبان ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے گی۔" وہ تکلیف سے کہتے ہوئے بولا۔

"عذیر کے سارے اثاثے ضبط ہو گئے، اس پر جرم ثابت ہو گیا اور جیل ہو گئی ہے، ہمارا سب کچھ اس بیماری میں لگ گیا، مٹی میں مل گیا اور عزت بھی دو کوڑی کی ہو گئی۔" وہ ایک بار پھر بولتے ہوئے رکا۔ "ہم دنیا کی دولت پر اکڑتے ہیں تو بھول جاتے ہیں کہ سب مایا ہے...... انسان کو زمین میں اترنے میں صرف ایک گھنٹہ لگتا ہے، باقی سب یہیں رہ جائے گا...... حرام کا لقمہ پیٹ میں اتر کر نسوں کا ناسور بن جاتا ہے، سب مایا ہے...... سب مایا ہے۔" اعجاز نے کہتے ہوئے نقاہت سے آنکھیں موند لیں۔

عشرت اپنے چہرے کو دوپٹے سے ڈھانپ کر زور زور سے رونے لگی۔ زندگی بھر ترسی کا شکار ہو کر اس نے پیسوں کی ہوس میں مبتلا ہو کر کبھی سوچا ہی نہیں کہ حرام، حلال میں کیا فرق ہے۔ حرام لقمے کو ہی تکبر کے ساتھ وجود میں اتارتی رہی لیکن کب تک سب مایا بے مایا ہو جاتا ہے۔

❁

شازیہ الطاف ہاشمی

"ماشاء اللہ میری نصرت اللہ نے چاہا تو جس گھر میں بھی جائے گی اسے روشنیوں و محبتوں سے بھر دے گی۔"
حقیقی صوم صلوۃ کی پابند نصرت جہاں کی امی کا اکلوتا جہان نصرت جہاں ہی تھی۔ شوہر کے جانے کے بعد اللہ سے ایسی لو لگائی اور ایسی شمع جلی تھی کہ پھر کبھی بجھی ہی نہیں، ان کی پوری توجہ صرف نصرت جہاں کی خالص، سچی تربیت پر تھی اور وہ کامیاب بھی رہی تھیں۔

دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کا سہارا اور دکھ سکھ کی ساتھی تھیں۔ نصرت کا بچپن بہت بے رنگ سا گزرا تھا جس میں نہ باپ کی محبت تھی، نہ فرمائشیں، تنہائی جیسے اس کے وجود میں رچ بس گئی تھی۔ نہایت ہی چھوٹی عمر سے اس نے دوپٹا لینا شروع کر دیا تھا، اس کا مزاج بھی بہت الگ سا تھا، کلاس روم کی شوخیاں اسے نہیں آئیں، کتنی ہی حدیثیں اسے یاد تھیں، کتنے دلائل، کتنی دلیلوں سے وہ واضح کر دیا کرتی کہ اللہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، یہ تو پوری کلاس مانتی تھی انہیں بھی پتا تھا مگر وہ نصرت کا انداز بیاں خالص ماں کی طرف سے ملا یہ تحفہ اسے بہت پیارا تھا، اللہ کے ازلی وابدی وجود پر اس کا یقین کامل تھا، یہ دنیا تو مقام فنا ہے بقا کہیں اور ہے۔

سینا پرونا تو وہ اتنا نہیں جانتی تھی بس کھانا پکانا، صفائی کرنا آتا تھا، آج کی لڑکیوں کی طرح نہ فیشن کے لباس پہنے، بالوں کی دراز چٹیا رہتی، صاف سیدھی مانگ سالوں ہی سے چلی آرہی تھی البتہ قدرتی سیاہ بال کافی بھلے لگتے تھے۔ رنگت بھی اس کی کوئی خاص نہیں تھی، نہ دبی ہوئی، نہ کھلی ہوئی، فاریہ اس کے پڑوس میں رہتی تھی اور اس کی ہم عمر بھی وہ زبردستی کر کے اپنے نظریات اس پر ٹھونسنے کی کوشش کرتی اس روز بھی وہ اس کے گھر آئی ہوئی تھی اسے

دیکھ کر کہنے لگی۔
"میری امی کہتی ہیں کہ تم اور میں، ہم عمر ہیں، تم تو بڑی اماں بنتی ہو، نصرت ایک تو تمہارا نام خاصا پرانا سا ہے اوپر سے انداز بھی خاص پرانے ہیں، کس گزرے دور کی روح ہو۔ تم اس سوٹ کی فراک سلوا لو اور اوپر لیس لگ گئی تو تمہارے وجود پر بھی بہار آ جائے گی۔ اتار پھینکو یہ خزاں زندگی ایک ہی بار تو ملتی ہے جی بھر کر گزارو اسے۔ صرف ایک بار میری مان کر تو دیکھو بڑا فرق پڑے گا تمہیں، اپنے اندر تبدیلی لاؤ بھئی ہر کوئی تبدیلی چاہتا ہے، دل گھبرانے لگتا ہے کیا تمہارا دل نہیں گھبراتا۔" فاریہ نے جدید طرز کی پیاری سی فراک پہن رکھی تھا۔ ٹائٹس پر البتہ نصرت کو اعتراض تھا مگر ہر کسی کی اپنی مرضی ہے جو چاہے پہنے، وہ اسے دیکھتی رہ گئی کہنا کیا تھا۔

حسب معمول اس نے باحجاب لباس سلوایا تھا، مانو پوری عبایا ہو جیسے اوپر بلیک دوپٹا لے کر چلو تو کسی قسم کی بے پردگی کا سوال ہی نہیں، حالانکہ فاریہ نے اسے کتنا سمجھایا تھا ٹائٹس نہ پہنو تو شلوار ہی سلوا لو، ٹراؤزر بھی بہت ان ہے آج کل، ان کے بھی بڑے ڈیزائن مل جاتے ہیں موتی گوٹا کناری وغیرہ وغیرہ مگر نصرت کا جہاں فاریہ سے علیحدہ تھا اس نے کبھی بھی فاریہ کی نہیں مانی تھی۔

"تم نے پھر سے کاٹن کے موٹے موٹے دوپٹے لے لیے، قسم سے پوری دادی لگ رہی ہو میری، ارے بھئی شیفون کے سنہرے دھنک دوپٹے اپنے گھر میں اوڑھ کر کون سا تم نے گناہ گار ہو جانا تھا۔"

"اگر ایسے دوپٹے میں کسی کے سامنے آ گئی تو یا کوئی میرے سامنے آ گیا۔" وہ اپنی عادت سے مجبور تھی۔

"پھر اتنی گرمی میں اتنا سخت دوپٹا اور گھر میں کوئی مرد بھی نہیں۔" فاریہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

"تم مجھے نہیں سمجھ سکتیں فاریہ اور میں تمہیں سمجھنا نہیں چاہتی۔" نصرت جہاں نے سوچا۔

❁......❁......❁

"کل ہی میری فاریہ کی بات پکی ہو گئی ہے۔ خوب صورت بھی بہت ہے، میری بیٹی کے تو نصیب کھل گئے، فیصل آباد میں ان لوگوں کی بڑے کٹ پیسوں کی دکان ہے۔" خالدہ خاتون کے سامنے بیٹھی فاریہ کی امی نجمہ مٹھائی کی پلیٹ لے کر آئی تھیں دو گلاب جامن، دو رس گلے گاڑھی شیرنی پوری پلیٹ میں پھیل رہی تھی۔ خالدہ نے مٹھائی ڈھک کر رکھ دی تھی۔

فاریہ اور نصرت جہاں نے آگے پیچھے ہی میٹرک کیا تھا۔ فاریہ نت نئے فیشن کی دلدادہ اور نصرت جہاں کی دنیا سب سے الگ تھی۔ اپنے کمرے میں آنکھیں بند کیے دن میں نجانے کتنی بار سورہ رحمٰن، سورہ یٰسین پڑھ لیا کرتی یا پھر آنکھیں بند کر کے لیٹی بھی ہوتی تو تب بھی انگلیوں کی پوروں پر ورد جاری رہتا۔

"اللہ ایسی فرماں بردار اولاد سب کو نصیب کرے، ماں باپ کی قبروں کو ایسی اولاد ہی ٹھنڈا رکھتی ہے امی اسے دیکھتی ہوئی پرسکون ہو کر لوٹ جاتیں، چلو اچھا ہے وقت تو ضائع نہیں......خدا نہیں کیا اس نے اپنی زندگی کو جیتے جی جنت بنا رہی ہے میری بچی۔" مگر فاریہ کی منگنی کی مٹھائی انہیں بھی سوچنے پر مجبور کر گئی تھی کہ اب تب نصرت جہاں کا بھی گھر بسنا چاہیے۔

پھر جب فاریہ گھر آئی اس کے پاس اتنی مسکراہٹیں تھیں کہ پورا گھر گونج اٹھا تھا اس کی ہنسی سے، اس کی اداؤں سے، کمرے میں رونق ہو گئی تھی اور خالدہ خاتون دہل گئی تھیں اللہ کہیں نصرت کا دل نہ ٹوٹ جائے، اس کی بھی تو شادی کی عمر ہے کہیں وہ بکھر نہ جائے، میں کیسے سنبھالوں گی......دل توڑتی سوچوں کے درمیان ہی انہوں نے ٹھنڈا شربت بنایا اور نصرت جہاں کے کمرے میں آ گئیں، فاریہ کا چہرہ اس قدر سرخ تھا ایسے جیسے سرخ سیب، سرخ انار کا شربت اس کی خوشی اس کے چہرے پر روشنی کی طرح جگنو رقص کر رہے تھے۔

"لو بیٹا شربت پیو۔" وہ دو گلاس شربت پی گئی اور برف کے چھوٹے کیوب تک چبا گئی تھی کسی چیز کی پروا ہی نہ تھی اسے۔

"سوری خالہ آپ بھی تو پئیں ناں نصرت تم بھی پیو۔"
اسے کمرے میں بیٹھے دو اور وجود بھی نظر آ ہی گئے تھے۔
"اللہ تمہاری خوشی کو کسی کی نظر نہ لگائے، سدا خوش رہو۔" خالدہ خاتون نے دل سے دعا دی۔

مگر یہ ان کی بھول تھی کہ نصرت بجھ کر رہ جائے گی یا اشاروں کنایوں میں اپنی شادی کی بھی بات کرے گی، اس کا دل بھی ارمانوں سے بھر سکے گا، ایسا بالکل نہیں ہوا البتہ اسے فاریہ کا اس طرح سے غٹاغٹ شربت پینے کا طریقہ پسند نہیں آیا تھا ایسی بھی کیا بدتہذیبی اسے خاصی ناگوار گزری تھی یہ حرکت۔

"فاریہ رخصت ہو کر فیصل آباد چلی جائے گی، لڑکے کی فیصل آباد میں اپنی چلتی ہوئی کپڑے کی بڑی سی دکان تھی، اپنا گھر ہے فاریہ وہاں جا کر خوب عیش کرے گی، ہنس مکھ سی لڑکی ہے سب کے دل میں گھر کر لے گی۔" خالدہ خاتون باتیں کر رہی تھیں، فاریہ انہیں بھی پیاری لگتی تھی، نصرت کی طرح، وہ چلی گئی تو اس کے گھر میں سناٹا چھا جائے گا اور فاریہ ان سے لاڈ کرتے ہوئے بولی۔

"خالہ کبھی تم ٹی وی بھی آن کر لیا کرو، خبریں ہی سن لیا کرو۔ آج نوڈل بنا کر نہ کھائیں۔" تب نصرت بولی۔

"انگریزوں کی بھونڈی نقل مجھے تو بالکل پسند نہیں آتیں۔"

"تم نوڈلز کو برا کہہ رہی ہو، میں تمہارا گلا دبا دوں گی۔"
وہ پیالہ ایک منٹ میں ختم کر دیتی تھی چٹاچٹ ختم۔

فاریہ کی منگنی کے جوڑے اتنے بھاری تھے کہ خود فاریہ ان سے ہلکی تھی۔ زیور البتہ مناسب تھے، گنتی کے چھ سیٹ اور ایک سے بڑھ کر ایک ڈیزائن، کتنی بار تو وہ اپنی سب سے بھاری فیورٹ فراک آتشی گلابی رنگ سر پر بھاری دوپٹا لیے چھت پر پائی گئی، ماڈلز کے انداز کا فوٹو شوٹ بس خاور ریاض کی کمی تھی، ماڈل تیار تھی۔ خالہ نجمہ کے ہاتھوں اس کی پٹائی کا منظر خاصا دلچسپ تھا۔

"لوگ کہیں گے میلے کپڑے پہنے یہ کون سی دلہن ہے تجھے کوئی حیا ہے بھی کہ نہیں۔" اپنی چھت پر خاموش کھڑی نصرت جہاں کے لیے ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔

"اتنا شادی کا شوق پہلی بار دیکھا تھا دلہن بھی ایسی اف شادی ہو ہی جائے اس لڑکی کی اب۔" نجمہ خالہ کے دو بیٹے اور بیٹی یہ ایک ہی نمونہ فاریہ تھی، بیٹے سنجیدگی میں بالکل نصرت جہاں جیسے تھے اور نصرت ان جیسی، بس فاریہ غلطی سے ان کے ہاں پیدا ہو گئی تھی، کبھی کبھی ہوتا ہے ناں بن بلایا مہمان، یہ فاریہ بھی ایسی ہی تھی، فاریہ کے ابا اسے سراہتے بھی تھے، حمایت بھی لے لیتے تھے اور فاریہ کی امی اس سے پیار بھی کرتی تھیں مگر اکثر پیٹ بھی دیا کرتی تھیں اس کی حرکتیں ہی ایسی تھیں بھلا کوئی شادی کا جوڑا شادی سے پہلے میلا بھی کرتا ہے، فاریہ کرتی تھی۔

چھت پر اس قدر شور بپا تھا ایسا لگتا تھا جیسے بہت سارے گاؤں کے میلے ایک ہی دن ایک ہی جگہ لگ گئے ہوں، سادہ سی شادی کی تقریب محبتوں سے بھرپور تھی۔ چھت پر جاتے شربت کے جگ، گرم چائے، ٹھنڈی بوتلیں اور منرل واٹر، جوس، پھل لگتا تھا ہر کوئی ہی دل لگا بیٹھا ہے اس محفل میں۔ یہاں فاریہ کی امی کی آنکھوں سے آنسو بنا رکے برس رہے تھے، گھر کی چہکتی چڑیا آنگن چھوڑ کر جا رہی تھی، کبھی بھی کسی کے کہنے پر مسکرا بھی لیتیں تو ایسا لگتا جیسے رو رہی ہوں، ایسے جیسے کسی نے زبردستی ہنسا دیا ہو، بیٹیوں کے نصیب تو اللہ کرے بانصیب شہزادیوں سے کسی طرح کم نہ ہوں، فاریہ بھی شہزادی لگ رہی تھی پسند کا زیور، رج کے کروایا گیا میک اپ، بھر بھر چوڑیاں اس کی پسند کا فرنیچر، جوڑے، کراکری، الیکٹرونکس کا سامان سب ایک سے بڑھ کر ایک، محبت کا نیا جہان آباد ہونے جا رہا تھا۔ فاریہ کا چہرہ جلتے نئے بلب سے کم نہیں تھا۔ خالدہ خاتون نصرت جہاں کے ساتھ بیٹھی اس کے لیے دعا گو تھیں، وقفے وقفے سے وہ اٹھ کر فاریہ کا ماتھا چومتیں، خالدہ اور نجمہ دونوں میں مقابلہ ہو رہا تھا کہ کون زیادہ فاریہ کو اپنے ساتھ چمٹائے گا اور کس کے ساتھ لگ کر فاریہ بھی رو پڑے گی مگر فاریہ نہیں روئی، حتیٰ کہ کسی کے ساتھ لگ کر بھی محبت پا کر بھی۔

اس کا دلہا آ گیا تھا، واقعی جوڑے آسمانوں پر بنتے

ہیں۔ وہ بھی شرارتی آنکھوں والا محمد نور تھا، فاریہ کے ساتھ بیٹھا بالکل فاریہ کا جوڑ لگ رہا تھا، ہر کوئی فاریہ کے ساتھ اپنی مووی بنوا رہا تھا مگر نصرت جہاں آگے نہیں بڑھی، اس طرح تو اس کی بھی مووی بن جائے گی، پتا نہیں کون کون دیکھے، کیسی کیسی نظریں ہوں، نجمہ خالہ کی مووی بھی بن چکی تھی، خالدہ بھی مووی کی زد میں آ گئیں نہیں آئی تو نصرت نہیں آئی، پہلے تو فاریہ نے اپنے پاس آنے کے اشارے کیے پر وہ نہیں اٹھی تو خود لہنگا سنبھالتی اٹھی اور اس کے ساتھ زبردستی مووی بنوالی تھی، کچھ مسکراتی، کچھ لجاتی چہرہ چھپاتی نصرت بھی مووی میں آ ہی گئی تھی۔

"ایک ہی میری دوست اور اس کی مووی نہ بنے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ فیصل آباد جاتے ہی اپنی ایل ای ڈی سیٹ کروا کے یو ایس بی پر دیکھا کروں گی نصرت جہاں کو۔" البتہ نصرت اس کے جانے پر خاصی دکھی تھی۔

"فاری بھی چلی گئی میں رہ گئی اکیلی۔" کئی ایک خواتین نے آگے بڑھ کر نصرت جہاں کے سر پر ہاتھ پھیرا، دعا دی تھی ایک عینک والی بھلے مانس سی خاتون نے اس کا پیارا سا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں ایسا رکھا جیسے آئس کریم کھانے جا رہی ہوں اور نصرت جہاں کو واپس رکھنا ہی بھول گئیں۔

"لو جی پسند مل گئی مجھے میری، آج کے دور کی فیشن میں لپٹی لڑکیاں مجھے نہیں پسند، نہ نماز نہ روزہ اور ایک یہ روشن چہرہ جو میری پسند کی لڑکی میرے سامنے آئی ہے تو ہاتھ سے نکلنے نہ دوں گی، بہت کہتے تھے لوگ آج ساری لڑکیاں ایسی ہی ہیں ہر وقت موبائل فون پر مصروف، چھوٹے چھوٹے کپڑے پہنتی اور بات نہ مانتی ہوں، کسی کی نہ سنتی ہوں لو جی ملی کہ نہیں ملی مجھے، اپنے خیال کی بہو تلاش کرو تو رب مل جاتا ہے یہ تو ایک لڑکی کی تلاش تھی۔ میری تلاش آج مکمل ہوئی۔" اسی گفتگو میں اللہ اللہ کرتے اللہ ہی نے نصرت جہاں کی گردن آزاد کروائی تھی۔ خالدہ خاتون کی سادگی، شرافت اور دھیما پن بھی خوب پسند آیا تھا۔

"لو بہن باقی تو ہے اللہ کی مرضی اپنی پوری کوشش کروں گی میں جو اگر نصیب سے تعلق ہوتا صورت کا تو یہ بڑی بڑی اپسرائیں یہ دلربا صورتیں کبھی تنہا نہ ہوتیں نہ اس نے مقناطیسی کشش کا سہارا لیا نہ ادائیں دکھائیں پھر بھی اس کا نصیب جس سے جڑا تھا وہ مل گیا تھا۔"

"چلو اچھا ہے امی کے سر سے بوجھ اتر جائے گا، آخر فرض ہے ادا تو کرنا ہی تھا۔" نصرت فرض ادا ہونے کے خیال سے خوش تھی البتہ خالدہ بہت مسرور تھیں۔

فاریہ جب پہلی بار میکے آئی تو اس کی آنکھوں میں روشن بلب فٹ تھے، ایسی جگ مگ آنکھیں اور پاس اس کے سنانے کو سو قصے تھے، کیسے محمد نور نے اسے آئس کریم کھلائی، سوٹ گفٹ کیا، کینڈل لائٹ ڈنر کینڈل اس نے خود جلائیں کھانا خود پکایا، اس کی پسند کا اپنی پسند اور پھر مل کر کھایا۔

"تو اس میں اتنی خوشی کی کیا بات ہے۔" ان باتوں میں ایسی سرمستی چھپی بیٹھی تھی کہ فاریہ لوٹ پوٹ ہو رہی تھی، ایسے جیسے کوئی گدگدی کر رہا ہو اور نصرت حیران ہو رہی تھی یہ پاگل تھی اب پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں۔

"یہ سوٹ بھی خاص اس کی پسند ہے، پتا ہے اب میں سارے کپڑے محمد نور کی پسند کے پہنا کروں گی، اس کے ساتھ ساتھ رہوں گی، شام کے وقت جب محمد نور اور میں گھر سے باہر نکلتے ہیں تو مجھے لگتا ہے سڑک ستاروں کا راستہ ہے اور میں اس کی ہیر اور وہ میرا رانجھا اور تم...... تم نے کیا سوچا ہے، بات نہ کی ہو کبھی سوچا تو ہوگا اسے، اس کی ماں تو تم پر بڑی واری صدقے ہو رہی تھی۔"

"وہ لوگ پرسوں آنے کا کہہ رہے تھے، آج تمہارا کھانا ہماری طرف ہے۔" نصرت جہاں نے بادام چھیل کر باریک کاٹ لیے تھے کھیر بالکل تیار ہونے کو تھی۔

"ارے کھانا تو میں تمہاری طرف ہی کھاؤں گی اور تمہارے ہاتھ کا قورمہ تو لازمی ہے۔"

"پکا لوں گی وہ بھی تم پریشان مت ہو کافی سارا کچھ پکاؤں گی تمہارے لیے، امی کی خاص تاکید ہے۔"

"صرف امی کی وجہ سے ہی میری دعوت کرو گی اور تمہیں میری کوئی ضرورت نہیں ہے پتھر دل لڑکی۔" فاریہ

نے ہلکا سا اسے ہاتھ جڑ دیا۔

"یہ پردے نئے لگوائے ہیں، بہت اچھا رنگ ہے چلو کچھ تو تبدیل ہوا اور تمہیں تمہارا وہ ضرور بدل لے گا۔ دیکھ لینا تم۔"

"کیا بدلے گا بھلا۔" وہ الجھ کر بولی۔

"ارے تم نہیں سمجھو گی، محبت پورا جہان بدل دیتی ہے تم کیا چیز ہو۔"

❁......❁......❁

چھ ٹوکرے چھوٹی گلاب جامنوں کے، آٹھ درجن کیلے، فریش سیب اور دیگر پھلوں کے کافی سارے ٹوکرے، مہندی، چوڑیاں، دوپٹے اور بہت سارے سوٹ، نصرت جہاں کے آنگن میں رکھے تھے، وہ خاتون جن کا نام ماجدہ بیگم تھا، ان کی آنکھیں نصرت جہاں پر ٹکی تھیں، آج ایک اور انسان کو بھی ساتھ لائی تھیں تاکہ وہ بھی دیکھ لے کہ نصرت صرف انہیں ہی پیاری نہیں لگی ان کے بیٹے کو بھی پیاری لگے گی۔

اندر کچن میں نصرت جہاں کوئی چھتیس بار دوپٹا سیٹ کر چکی تھی۔ امی نے ایک نظر کا ہی کہا تھا مگر وہ ایک نظر ایک چھوٹی سی درز ایک ہلتا ہوا باریک پردہ وہ تو کب کی اسے دیکھ چکی تھی اس نے بھی دیکھ لیا تھا مگر شربت، بسکٹ سموسے وغیرہ اسی کو لے کر جانے تھے، پاس بیٹھی فاریہ مٹھائی چن کر پلیٹ میں رکھے پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی۔

"جانا تو پڑے گا آنٹی نے کہا ہے، مجھے کیا گھور گھور کر دیکھ رہی ہو اب جاؤ بھی۔" فاریہ اس کی حالت سے بخوبی واقف تھی اور کسی ماہر بلے باز کی طرح بال پھینکے جانے کے انتظار میں تھی۔

شاہ میر کی نظریں اسے کب کا ڈھونڈ چکی تھیں۔ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں یہی سچی بات ہے، اسے یہ جوڑ بے حد پسند آیا تھا، اس کی جھکی جھکی نگاہیں، اسے کئی دن پہلے کا سنا ہوا گانا یاد آ گیا تھا پہلے تو توجہ نہیں دی تھی مگر اب پورے دل سے یاد آیا تھا، شاید اسی کے لیے لکھا ہے شاعر نے۔

یہ جھکی جھکی نگاہیں انہیں میں سلام کرلوں
یہیں اپنی صبح کرلوں یہیں اپنی شام کرلوں

پتا نہیں گانا درست یاد بھی تھا کہ نہیں وہ بھول گیا تھا، شربت میں سموسہ ڈبو کر کھاتے دیکھ کر امی کو یقین آ گیا تھا کہ وہ بالکل درست جگہ پہنچی ہیں، نرمی سے انہوں نے بیٹے کے ہاتھ سے سموسہ لے کر واپس پلیٹ میں رکھا اور اسے ٹھنڈے شربت کا گلاس تھما دیا تھا۔

"امی جیسے آپ کی مرضی۔" انہوں نے مسکرا کر اس کے سر کے بال بکھیر دیئے تھے پھر پیار سے خود ہی سنوارنے لگی تھیں۔

"بہت ہی پیاری بچی ہے، کبھی پڑھی ہے نماز تمہاری نازیہ بھابی نے، بازاروں کے چکر ہی ختم نہیں ہوتے محترمہ کے، میرا بیٹا رات گئے پاؤں دباتا ہے اس مہارانی کے، یہ تمہاری خدمت کرے گی، تم دیکھ لینا میری نظریں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔" بھائی کی محبت میں بھتیجی وہ لائی تو تھیں مگر پھر پچھتائی بھی جی بھر کر مگر مداوا کچھ بھی نہیں۔

"آج دیکھ آئیں اپنا گوہر نایاب، میری بہن تو ایک نظر نہیں بھائی انہیں۔ اب دیکھیں کے کون سی حور لے کر آئیں گی شاہ میر کے لیے۔ نتاشا میں کیا کمی تھی، خوب صورت نہیں ہے، پڑھی لکھی نہیں ہے، سب سے بڑھ کر شاہ میر کو پسند بھی کرتی ہے مگر اچھی بہو کا جنون انہیں لے ڈوبے گا، اتنی نفرت تھی تو نہ لے آتیں مجھے بھی، مان لیں آپ بھی شاہ زر آپ کی امی کے دل میں ہمارے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے نہ میں اچھی لگتی ہوں نہ پوتا میری بددعا لگے گی انہیں اب پتا نہیں شاہ میر سے پوچھا بھی ہے کہ نہیں اسے بھی پسند ہے وہ۔" سہانا تھک گئی تھی بول بول کر۔

"تم اس کی فکر مت کرو سہانا، وہ جانے اس کی پسند جانے، امی نے اپنی مرضی کرنی ہے تو بھگتنے کے لیے بھی تیار رہیں، مجھ سے تو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔" شاہ زر کو اپنے پوچھے نہ جانے کا غم تھا۔ حالانکہ ماجدہ خاتون نے سہانا کو بھی ساتھ چلنے کا کہا تھا مگر اس نے جواب ہی نہ دیا

تھا، وہ کون سا اس کی بہن کا رشتہ لینے جا رہی تھیں جو سہانا جھٹ سے تیار ہو جاتی، وہ ان کی بات سنی ان سنی کرتے شاپنگ بیگز سنبھالتے اپنے کمرے میں آ گئی تھی جہاں اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود سخت گرمی لگ رہی تھی، وہ ناکام جو ہو گئی تھی اپنی ساری کوششوں میں۔

❁......❁......❁

گھر میں شادی کی تیاریاں خوب زور و شور سے چل رہی تھیں، خالدہ خاتون نے اپنا زیور نکال رکھا تھا، اب وہ اسے تڑوا کر نئے سرے سے نصرت کی پسند کے ڈیزائن بنوانا چاہ رہی تھیں۔ وہ پاس بیٹھی ان زیورات کو دیکھ رہی تھی۔ ابو نے امی کو ان زیورات سے سجا دیکھا ہوگا، امی کو دادی نے دیئے تھے، اچھا خاصا بھاری زیور تھا۔ کافی عرصے سے کی گئی بچت سے شادی اچھی بلکہ بہت اچھی ہو جائے گی ان کی سوچوں کی اڑانیں بھی محدود تھیں۔

دوسری طرف ماجدہ بیگم بھی اس دفعہ سادگی کے موڈ میں تھیں۔ پچھلی دفعہ سہانا پر انہوں نے پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا سو بہہ گیا تھا کسی کام نہ آیا تھا، کئی ایک غریب رشتے داروں کی بیٹیاں بھی تھیں مگر ان کی نظر میں جچی ہی نہیں انہیں اسٹائلش سی سہانا ہی اچھی لگی تھی، ہائے ہنستی ہوئی کتنی اچھی لگتی ہے مگر بعد میں پتا چلا تھا کہ بس ہنستی ہی اچھا ہے، باقی کوئی کام بھی ڈھنگ کا نہیں کرتی، نہ اٹھنے میں، نہ بیٹھنے میں تمیز نام کو نہیں تھی اور انہیں لفٹ کروانا تو بالکل اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی۔ شاہ زر کو تو ایسے لے اڑی تھی جیسے چیل اپنا شکار لے اڑتی ہے پھر دوسری بھتیجی ثناشا نے انہیں مکھن لگانا شروع کر دیا تھا مگر اب نہیں، انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا، غریبوں کی بیٹیاں تو کب کی اپنے گھروں کی ہوئیں جو بچ گئی تھیں شاہ میر سے بہت چھوٹی تھیں، صورت اور پیسہ نہیں دیکھنا چاہیے سیرت دیکھنی چاہیے۔

انہوں نے اپنا فیصلہ نبھایا اور شاہ میر بھی سہانا بھابی کی حرکتیں دیکھ دیکھ کر بدظن ہو چکا تھا سو یہ فیصلہ امی پر چھوڑ رکھا تھا اب وہ اطمینان سے نصرت کے اس گھر میں آنے کا انتظار کر رہا تھا بس اور پھر شادی کے دن قریب آ گئے۔

''ایک ادا ہونی چاہیے تم میں، وہ ہے فتح کر لینے والی مسکراہٹ...... کہاں ہے نصرت اسے ڈھونڈ کر اپنے گولڈن پرس میں چھپا کر رکھ لو یہ تمہارے بہت کام آئے گی تم بہت اچھی ہو شاہ میر کے ساتھ خوش رہنا نہ اسے اداس رہنے دینا نہ خود رہنا، جو لڑکیاں اپنے شوہروں سے کسی کی پروا کیے بغیر سچی محبت کرتی ہیں ہارنا ان کے مقدر میں نہیں لکھا ہوتا تم بھی مت ہارنا۔'' فاریہ اسے تیار کروا کے لائی تھی، دور نزدیک کے سارے ہی رشتے دار جمع تھے یوں نصرت جہاں کا نصیب کھلتے دیکھ کر ان کے منہ کھل گئے تھے، خالدہ خاتون اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتی تھیں۔

فاریہ کی شادی کو چھ ماہ ہو گئے تھے، وہ کافی سمجھدار بھی ہو گئی تھی، اس کی ساس نے اسے سیانا بنا دیا تھا البتہ محمد نور سے اسے محبت ویسے کی ویسی تھی۔

نصرت نماز روزے کی پابند تھی، آج بھی نماز پڑھ کر نکلی تھی۔ اس کا منہ کسی نامحرم نے نہیں دیکھا، صرف شاہ میر نے اس کا ہاتھ پکڑا جب نکاح ہو گیا تھا تب وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی کار میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ ایک فیشن ایبل لڑکی ثناشا اور دوسری شاہ میر کی بھابی سہانا نے اسے اس گھر میں خوش آمدید نہیں کہا تھا سنا تھا وہ خوش نہیں تھیں لیکن کیوں؟ اسے پتا نہیں تھا۔ سہانا فوراً اپنی بہن کو لے کر کمرے میں غروب ہو گئی تھی۔ البتہ شاہ زر بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ ضرور پھیرا تھا اور پانچ ہزار کا نوٹ بھی مٹھی میں دے دیا تھا، ماجدہ بیگم بہت خوش تھیں۔

''امید ہے میرا فیصلہ درست ثابت ہوگا۔'' اپنے کمرے میں جاتے انہوں نے سوچا، کافی اچھے علاقے میں نصرت کا بھی گھر تھا مگر یہ گھر دیکھ کر تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور شاہ میر اس کی سادگی دیکھ کر حیران۔

''میں دو نفل شکرانے کے ادا کر لوں۔'' وہ پھولوں سے بھرے اس کمرے میں اور گھر میں آ کر اللہ کا خاص شکر بجا لانا چاہتی تھی اور ایسا شکر کیا تھا کہ شاہ میر کی کمر تختہ ہو گئی تھی اور پھر تختہ گر کر ٹوٹ گیا تھا۔ مطلب سو گیا تھا امی کی بہو

واقعی صوم صلوۃ کی پکی پابند تھی، اللہ کے نزدیک ہونا پیارا ہے، سب سے معتبر ہے مگر بندوں کے حقوق ان کا کیا؟ ذرا ذرا سا اس کے نزدیک بھی ہو لیتی تو کیا جاتا۔

❁......❁......❁

وہ بہت پیاری صبح تھی، چڑیوں پرندوں کی چہچاہٹ اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ جب وہ آئی تھی تب تک وہ سو چکا تھا اس نے جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ صبح اس نے اسے غور سے دیکھا تھا، وہ بہت قیمتی سوٹ پہنے سامنے ہی بیٹھی تھی مگر سر پر اس طرح دوپٹا لے رکھا تھا کہ وہ اس کے بال بھی نہیں دیکھ سکتا تھا لمبے تھے کہ چھوٹے، کالے تھے کہ بھورے ارے نصرت اتنا تو بتاتی جاؤ، اس نے دل میں کہا اور آنٹی کے پاس آ کر بیٹھ گیا تھا۔ فاریہ البتہ اس کا بغور جائزہ لے رہی تھی، وہ خوش نظر آ رہی تھی مگر بہت خوش نہیں تھی۔

"منہ دکھائی میں کیا ملا؟"

"کیا ملتا ہے؟" الٹا اس نے پوچھا۔

"کوئی تحفہ، کوئی رنگ، کوئی پھول، کوئی تحفہ ارے یار کچھ تو۔"

"کچھ بھی نہیں۔"

"اللہ...... بیوقوف لڑکی تم نے میری بات نہیں مانی ناں یہ دوپٹا آج تو سر سے ہٹا دیتیں اور یہ سوٹ، ذرا کھل کر بیٹھتیں تو اور بھی پیارا لگتا۔ یہ بندریا دیکھو کیسے گھوم رہی ہے جیسے اس کا ولیمہ ہو اور تم...... شاہ میر کہاں ہے؟"

"ابھی باہر گئے ہیں؟"

"تمہیں بتا کر نہیں گیا وہ، تمہیں بتا کر جایا کرے۔"

فاریہ تو اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھی مگر نصرت سنے تب ناں۔

فاریہ اور نصرت کی کھسر پسر کے بیچ ماجدہ بیگم اور خالدہ خاتون خوش خوش دلہا دلہن کا ناشتہ نوش فرما رہی تھیں، البتہ نظروں سے سہانا بھابی انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"ایسا پہناپا ہماری دفعہ تو یاد نہیں آیا۔" خالدہ خاتون قطعاً بے خبر تھیں اس سارے قصے سے ان کے گھر میں تو آگ جلی ہوئی تھی اتنے جلتے شعلوں کے بیچ بہت ساری عقل مندی اور سیاست بھی ضروری تھی مگر نصرت میں یہ سب نام کو نہیں تھا۔ دنیا داری بھی دنیا داروں کے ساتھ سیکھنا ہی پڑتی ہے، دریا میں چھلانگ لگاؤ تو تیرنا آنا چاہیے، شاہ میر کی پوری توجہ کا محور و مرکز نصرت ہی تھی، اللہ اتنا حسن چھپا کر کہاں رکھا تھا، اس کے ان چھوئے چہرے کا طواف شاہ میر کی نظروں نے کتنی ہی بار کیا تھا۔

سہانا بھابی کے پاؤں گویا کوئلوں پر تھے، وہ جلے پیر کی بلی کی طرح آ جا رہی تھی، ایسا اس کے دل میں کئی بار آیا کہ کھانے پینے کے سارے لوازمات سے بھری ٹیبل کو ٹھوکر مار کر گرا دے اور کہے۔

"نکل جاؤ یہاں سے یہ سب نتاشا کا حق ہے شاہ میر صرف اس کا ہے یہ دبو سی لڑکی شاہ میر کے قابل نہیں......" مگر ہر بات ہر جگہ کہی نہیں جا سکتی ویسے بھی سہانا بہت شاطر تھی اس کے سامنے نصرت کی عقل کا کیا مقام۔

نصرت، فارحہ اور خالدہ رخصت ہوئے، ماجدہ بیگم نے سکھ بھری سانس لی اور انہیں بڑے پیار سے رخصت کیا تھا کوئی دکھاوا یا لالچ نہیں تھا ان میں اور سب سے بڑی بات ان کا بیٹا شاہ میر پہلے کی طرح ان کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیسی لگی۔" ماجدہ کی خوشی دیکھنے والی تھی۔

"بہت پیاری مگر آپ سے زیادہ نہیں۔" شاہ میر ان کی گود میں گھس گیا تھا اس کا پورا وجود تو ان کی گود میں نہیں سما سکا مگر کوشش اس نے بڑی پیاری کی تھی۔

"میرا میرو، سدا خوش رہو۔" ان کے دل سے دعا نکلی، ماں بیٹے کا اس قدر پیار دیکھ کر سہانا کی حالت غیر ہو گئی تھی۔

"اتنے بڑے گھر میں ایک مڈل کلاس مالکن وہ بھی اس قدر چاہت کے ساتھ نہیں، یہ میں نہیں ہونے دوں گی۔" ساتھ کھڑے نتاشا کو دی گئی ساری تسلیاں بے کار گئی تھیں، کافی پھینٹتا اس کا ہاتھ رکا، سہانا نے اسے گلے لگا لیا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

❁......❁......❁

بڑے دنوں بعد بہت ناز نخروں والی نتاشا اپنے بال جو

کندھوں سے بھی ذرا اوپر کٹے ہوئے تھے، ان ریشمی لہر دار بالوں میں انگلیاں چلاتی کچن میں آئی تھی، یہ سب کا مشترکہ کچن تھا، یہیں سہانا اپنے میاں اور اپنا ناشتہ بنا کر لے جاتی اور کسی کو پوچھتی تک نہیں تھی اور ماجدہ بیگم اپنا اور شاہ میر کا کھانا وغیرہ پکا کر لے جاتی تھیں اوپر والا کچن تو بس خالی ہی پڑا رہتا تھا، وہ بھی سہانا کی طرح فعال نہیں تھا آج کل مگر سہانا نے حرکت میں آنے کا فیصلہ کرلیا تھا اگر ماجدہ اس سہمی ہوئی غریب سی لڑکی اس گھر میں لاسکتی ہیں تو وہ بھگا بھی سکتی ہے۔ شاہ میر عین اسی لمحے جب نتاشا اپنے لیے چائنیز رائس گرم کرنے آئی تھی، کچن میں چلا آیا تھا، اس لمحے گرم کافی کا بہت دل چاہ رہا تھا۔ نصرت واقعی بہت اچھی لڑکی تھی اب وہ سوئی تو شاہ میر نے جگانا مناسب نہیں سمجھا خود ہی چلا آیا تھا، نتاشا اس لمحے کو اپنا سمجھی تھی صرف اپنا وہ واپسی کا کوئی راستہ کوئی دراز لگا تھا۔

"میں بنادوں۔"

"نہیں میں بنالوں گا۔"

"شکر ہے اس نے مجھ سے بات تو کی، میں اسے یاد تو ہوں، ایک تو سہانا کی حرکتوں کی وجہ سے یہ سب کچھ ہوا ہے وہ سب سے بنا کر رکھتی تو ایسے تو نہ ہوتا۔ آج میں اس کے لیے کافی بنا رہی ہوتی اس اسٹوپڈ نصرت کی جگہ میں ہوتی۔" شاہ میر کافی لے کر جاچکا تھا اور نتاشا اپنے خوش کن خیالوں میں کہاں سے کہاں جانکلی تھی۔ نصرت زیادہ سے زیادہ اپنے کمرے میں رہنے کی کوشش کرتی، کسی کے سامنے آنے کا وقت اس کے پاس تھا بھی نہیں، سارے گھر میں نتاشا سہانا کے ساتھ دندناتی پھرتی تھی، کئی بار تو اس نے نصرت کے کمرے میں بھی کافی ناگواری سے جھانکا تھا مگر نصرت کچھ نہیں بولی۔

ماجدہ بیگم اپنے بیمار بھائی کی عیادت کے لیے لاہور کیا گئیں، گھر کا سارا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ نئی آنے والی بہو واقعی سیدھی سادی تھی، اپنے کام سے کام رکھنے والی، فارحہ کی کال آیا کرتی تو وہ نصرت کو ڈھیر سارا سنبھل کر رہنے کے مشورے دیتی مگر سنبھلا کیسے جاتا ہے اسے معلوم نہیں تھا۔ ماجدہ بیگم الگ پریشان تھیں۔

"اب کیا کروں نتاشا تو یہاں سے جانے کا نام ہی نہیں لے رہی۔" ناشتہ کرتی ماجدہ نے ان دونوں بہنوں کو دیکھ کر سوچا۔

"شاہ میر مجھے راستے میں ڈراپ کردیجیے گا۔" کھانے کی ایک ہی میز تھی، شاہ میر کا ناشتہ ابھی ادھورا تھا، ماجدہ بیگم نے نصرت کو بھی ساتھ بٹھا رکھا تھا مگر نتاشا تو کسی کی بھی پروا نہیں کررہی تھی نہ نصرت کو غصہ آرہا تھا۔ بس ہر وقت اپنے کمرے میں بند وظیفے وظائف میں مصروف رہتی، جیسے یہ دونوں بہنیں تعویذ دھاگے، کالا علم اور نہ جانے کیا کیا کہتی پھرتی تھیں، کبھی کہتیں نصرت چراغ جلا کر بیٹھی تھی، کبھی کہتیں شاہ میر کی شرٹ جلائی ہے، اول جلول قسم کی باتیں ماجدہ بیگم کسی کا یقین نہیں کرتیں تھیں، انہیں بس نتاشا سے چھٹکارا چاہیے تھا مگر وہ مل کر بھی نہیں مل رہا تھا وہ جونک کی طرح دوبارہ چمٹنے کو تیار کھڑی تھی۔ مرد ذات کا کیا بھروسہ کب بہک جائے، یہ لڑکی صورت کی بھی ٹھیک ٹھاک ہے۔ ذرا اپنے سوئے دماغ کو جگالے تو مسئلہ حل ہو، نتاشا نے عین وقت پر بیگ اٹھایا تھا۔

"چھوڑ دینا اسے پہلے بھی تو تم ہی ڈراپ کرتے تھے۔" سہانا آج کل گوشہ نشینی ترک کرکے خاندان کا حصہ بننے اور بنانے پر تلی ہوئی تھی۔ نصرت نے سن لیا تھا۔ ماجدہ بیگم اٹھ کر چلی گئیں۔ نتاشا بڑے فخر سے اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی سہانا کی مسکراہٹ گہری تھی۔

"چاند تارے پھول شبنم، تم سے اچھا کون ہے تم سے اچھا کون ہے؟"

"کب کا سنا تھا یہ خوب صورت سا گانا جب نصرت کی سمجھ میں آنے لگا تھا، تب اس کا چاند کسی دوسری شمع کے ساتھ بیٹھ کر تکہ پیزا کھا رہا تھا، سامنے کی ٹیبل پر یہ روح فرسا منظر...... دنیا واقعی بڑی ظالم ہے جینے نہیں دیتی۔ پتا نہیں آنٹی کہاں ہیں انہیں ٹوکا تک نہیں، پزا تو میں بھی کھا لیتی اس کے ساتھ۔" ابھی ابھی اس نے عشاء کی نماز پڑھی تھی کہ خالدہ خاتون کی کال آگئی تھی، اس نے ڈھیر ساری

تسلیاں دی تھیں، وہ خوش ہے، بہت خوش مگر نتاشا جیسے لوگ کسی دوسرے کو خوش کیسے دیکھ سکتے ہیں ابھی کل شام ہی تو ماجدہ بیگم اور سہانا بھابی کا جھگڑا ہوا تھا، سہانا بھابی نے اسے بھی گھور کر دیکھا تھا بلکہ دیکھتی رہتی تھیں اور شاہ میر وہ تو کہتا تھا کہ اسے نتاشا پسند نہیں تھی کبھی اور اب پسند آ گئی ہے، وہ اس منظر کو اپنی نظروں سے دور ہٹانا چاہتی تھی، وہ کوئی خواب ہو مگر خواب نہیں تھا حقیقت تھی وہی منظر سے ہٹ گئی تھی۔

اب وہ روز ہی شاہ میر کے ساتھ نظر آنے لگی تھی یہ روز کا معمول بنتا جا رہا تھا اور ماجدہ کو کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ خالدہ خاتون سے یہ سارا قصہ کہہ کر وہ انہیں دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ پہلے ہی نصرت کی رخصتی کے بعد اکیلی رہ گئی تھیں۔ اس دن نصرت کا کسی بھی کام، کسی بھی وظیفے میں دل نہیں لگ رہا تھا، البتہ نمازیں اس نے ساری پڑھ لیں کچھ شوہر پر توجہ دینے کا ارادہ تھا۔ اس نے سوچا کہ اسے شاہ میر کے لیے اس کی پسند کے مطابق کھانا پکا کر رکھنا چاہیے، وہ اس کا شوہر ہے اسی کے ساتھ کھانا کھائے اسی کے ساتھ بیٹھا کرے، یہی سوچ کر ابھی اس نے پیاز کاٹ کر رکھی تھی چکن دھو رہی تھی تب ہی نتاشا دندناتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"کھانا پکا رہی ہوں۔" نصرت کی آواز معمول کے مطابق تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو تم شاہ میر کے لیے کھانا پکا کر رکھو گی اور اس کے جوتے چمکاؤ گی اور وہ تمہارا ہو جائے گا، یہ بھول ہے تمہاری۔" نتاشا کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا وہ اسے سختی سے پکڑے کھڑی تھی۔ جو ہوا تھا اسی کی وجہ سے ہوا تھا۔

"چھوڑو مجھے۔" مگر نتاشا نے چھوڑا نہیں بلکہ پاس ابلتی چائے کی کیتلی اٹھا کر اس کے پیروں میں پھینک دی اور شور مچانے لگی تھی۔

"آنٹی..... آنٹی نصرت نے مجھے جلانے کی کوشش کی ہائے وہ مجھے جلا رہی ہے۔" اس کی چیخ پکار میں نصرت کی آواز دب کر رہ گئی تھی۔ یہ لڑکی یہ بھی کر سکتی تھی، سہانا نے بھی بہن کے ساتھ لگ کر اس شور شرابے کو بڑھاوا دے رہی تھی اور ان کا مطالبہ بھی سامنے آ گیا تھا، اسے نکالو گھر سے یہ تمہارے قابل نہیں ہے یہ جنگلی ہے، نتاشا بڑی شدت سے سامنے کھڑے شاہ میر سے اس کے حق میں کیے گئے فیصلے کی منتظر تھی وہ خاموش کھڑا تھا اور ماجدہ بیگم بھی فرش پر گری ہوئی چائے دیکھ رہی تھیں۔ گرم چائے نصرت کے پیروں میں پھینک کر تماشا بنایا گیا تھا۔

"اس گھر سے نصرت نہیں تم نکلو گی نتاشا۔" وہ غصے سے بولا تو نصرت سخت حیرت زدہ ہوئی، شاہ میر نے نتاشا کی حمایت نہیں کی۔

"اس دو ٹکے کی لڑکی کی خاطر......"

"یہ لڑکی نہیں میری بیوی ہے، میری اصل حق دار۔" ماجدہ بیگم ایسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھیں۔ شاہ زر بھی ان دونوں بہنوں کی چالاکی سمجھ گیا تھا۔

"شاہ زر بھائی میں نے چائے نہیں گرائی، نتاشا نے خود......" اس کے کہنے سے پہلے ہی شاہ زر سمجھ گیا تھا کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔

نتاشا کا غصہ کسی بھی طرح کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا اور آج تو واقعی حد ہو گئی تھی، نصرت شاہ میر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ وہ اب اس گھر میں عمل دخل بڑھا رہی تھی۔ صبح نتاشا اسے کمرے سے باہر سکھ چین کے درخت کے پاس کھڑے دیکھ کر جل کر بھسم ہو گئی تھی۔ اس لڑکی کو چلتا کرنے کی ہر ترکیب ناکام ہو رہی تھی۔ پہلے بس اپنے کمرے تک محدود رہنے والی اب بولنے اور حق جتانے لگی تھی، اب اس نے دنیاداری پر کمال توجہ دینی شروع کر دی تھی۔

فارحہ کا میجر آپریشن سے بیٹا ہوا تھا۔ نصرت شاہ میر کے ساتھ فیصل آباد گئی تھی اسے جاتے دیکھ کر سہانا اور نتاشا بھیگی بلیوں کی طرح کھڑکی سے چمٹی رہ گئی تھیں۔ ادھر ماجدہ خاتون تنہا رہ گئی تھیں۔

"دیکھ لیا جلد بازی کا نتیجہ، چار دن صبر نہیں ہوا لگیں شور

مچانے، صبح امی کی کال آئی تھی کہہ رہی تھیں اب کچھ نہیں ہوسکتا، نتاشا سے کہو واپس آجائے اور شرافت سے اپنا گھر بسائے۔" نتاشا اب ایسی خاموش تھی کہ سہانا بھی حیران رہ گئی تھی۔

"چلو چھوڑو اسے، اپنا سامان پیک کرو کل سے شاہ زر بھی بہت غصے میں ہیں اس سے میں بہت اچھی طرح نمٹوں گی دیکھ لینا تم۔" سہانا ذرا حوصلے سے بولی مگر نتاشا جانتی تھی کہ اب شاہ میر کی گاڑی اور دل کہیں پر بھی اس کی جگہ نہیں ہے اور یہ سب سہانا کی حکمرانی کے خواب کی وجہ سے ہوا تھا۔ اس کی نادان، بہن اس کا دل ٹوٹنے کی ذمہ دار وہ خود تھی۔ سہانا اپنے بھائی کا نمبر ملارہی تھی۔

خالدہ، نصرت سے ملنے آئی تھیں۔ نصرت اب بہت بدل گئی تھی۔ نک سک سے تیار تھی، زندگی کب بار بار موقع دیتی ہے جب موقع ملے اس سے پہلے کہ وقت بڑی سختی سے سمجھاتا اور اس نے سمجھ لیا تھا۔ اسے اچھی طرح گزار لینا چاہیے ان کی بیٹی اب دل سے مسکراتی تھی، اتنی ساری خوشی کہ سمیٹنا مشکل تھا۔

ورنہ نصرت کے والد کے جانے کے بعد وہ کبھی دل سے مسکرائی نہیں، اگر کبھی ہنسیں بھی تو آنکھوں میں آنسو آجاتے پتا نہیں کہاں سے مگر آج پہلی بار آنکھیں مسکرائیں اور دل بھی مسکرایا، سارے خدشات بھاپ بن کر اڑ گئے تھے، آج انہوں نے نرمی سے چائے کا کپ نصرت کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور اسے پاس بٹھالیا تھا۔

"گھر میں سناٹا بہت ہے۔" گھر میں سناٹا واقعی بہت تھا ایسے جیسے کسی طوفان کی آمد ہو، گہری خاموشی نصرت کا دل ڈرتا تھا مگر وہ سنبھال لیتی تھی۔ شاہ میر تھا ناں اس کے پاس، ماجدہ خاتون نے ہی شاہ میر کو نتاشا کے ساتھ رہنے کا کہا تھا تاکہ نصرت بیدار ہوسکے اور وہ بیدار ہو کر اپنے شوہر کا ساتھ دینے لگی تھی، اسے احساس ہوا تھا تب ماجدہ خاتون عجیب سی ہوگئی تھیں، وہ کمرے میں آتی تو سوتی بن جاتیں، اس سے نظریں چرا لیتیں اور سہانا اس کی خاموشی نتاشا کے جانے کے بعد بھی نہیں ٹوٹی، اس کے اندر کا زہر ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔

یہ تیسرا مہینہ تھا، ماجدہ کو بدلے، اب وہ کیا کرے ایک کے بعد ایک مشکل پھر ایک دن شاہ میر ہی ماجدہ کو ان کے کمرے سے نکال لایا تھا۔

"جیسے کہا ہے ویسے ہی کہنا۔" نصرت نے ان کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا تھا بہرحال وہ ہمت ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ ماجدہ کروٹ بدلے آنکھ بند کیے لیٹی تھی۔ وہ دھیرے سے ان کے پاس آئی اور ان کے پاؤں تھامے اور کہنے لگی۔

"شاہ میر آپ کا بیٹا ہے امی اور ہمیشہ آپ ہی کا رہے گا، کل کی آئی بہو اس پر قبضہ کیسے کرسکتی ہے؟" کمرے میں تناؤ کافی کم ہوگیا تھا۔

"شام میں آئس کریم کھانے مل کر چلیں گے۔" ماجدہ کے ماتھے کی لکیریں، ہلکی ہوگئی تھیں پھر کتنی ہی دیر دونوں مل کر ان سے باتیں کرتے رہے، اکیلے فارحہ کے پاس جانے کی غلطی جو کرلی تھی، اب غلطی سدھارنے کا وقت تھا۔ اپنے آپ میں مگن رہنے والی اللہ کے بہت قریب نصرت اللہ کو بھی نہیں بھولی مگر بھولی بندوں کے حقوق کو بھی نہیں...... نتاشا کی منگنی ہوگئی تھی اور اگلے ماہ اس کی شادی تھی۔

اس نے عشاء کی نماز کے بعد ماجدہ کو ساتھ چلنے کا کہا، ساتھ وہ نہیں گئیں تو شاہ میر آئسکریم کے تین کپ لے کر گھر آ گیا تھا۔ پہلی شام میں ماجدہ کی مسکراہٹ کھلی تھی تھوڑا تھوڑا یقین آ رہا تھا۔

"چلو شکر ہے ایک پہاڑ تو دھیرے دھیرے سر ہو ہی گیا، سہانا بھی ایک نہ ایک دن فتح ہو ہی جائے گی، سچ تھوڑا وقت لیتا ہے مگر جھوٹ کو پچھاڑتا ضرور ہے۔" اس سہانی شام میں نصرت جہاں کی کہانی نے ایک نیا اور انوکھا موڑ لیا تھا، اس کے کانوں میں پڑے چمکتے جھمکے اور وہ سب ہی مسکرا اٹھے تھے۔ نصرت جہاں کی کہانی مکمل ہوگئی تھی۔

پچھتاوا

حبیبہ عمیر

ڈرائنگ روم میں خاموشی کا عالم طاری تھا۔ طاہرہ بیگم دائیں جانب صوفے پر براجمان تھیں۔ ان کے بچے ان کے دائیں اور بائیں بیٹھے تھے۔ جب کہ سامنے ان کے شوہر جمال حسین تھے اور ان کے ساتھ ایک شخص بیٹھا تھا جوان سے کافی مشابہت رکھتا تھا۔

"اماں جان آپ نے ہمیں یوں اچانک بلایا؟" ان کی بیٹی شاہینہ نے حیران ہوکران سے پوچھا۔

"ہاں بیٹی...... کیونکہ اچانک سے میری زندگی میں بھونچال آیا ہے اور اسی لیے میں نے اپنی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کیا ہے۔" ان کی آواز میں وہی خوداعتمادی تھی جو ہمیشہ سے ان کی شخصیت کا خاصہ رہی تھی۔ وہی مدبرانہ انداز لیے وہ صوفے پر براجمان تھیں۔

"کیا ہوا اماں جان؟ خیریت تو ہے ناں۔" ان کے بڑے بیٹے ابراہیم نے پوچھا۔

"جمال صاحب آپ بتائیں گے کہ میں ہی بتاؤں؟" انہوں نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کیا جو مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"دادی جان برائے مہربانی تجسس ختم کیجیے اور بتائیں کہ آپ نے ہمیں کیوں جمع کیا ہے؟" مجاہد سیدھا اسلام آباد سے آیا تھا لہٰذا اس کا پریشان ہونا لازمی تھا۔ کیونکہ وہ ان کے بڑے بیٹے کی سب سے بڑی اولاد تھا لہٰذا اس کو اس گھر کے اصولوں کے مطابق بڑے فیصلوں میں اپنا کردار ادا کرنے کا حق تھا۔

"میں ہی بتا دیتی ہوں سب کو...... کہ آخر کیا معاملہ ہے۔" جمال حسین کی خاموشی کو دیکھتے ہوئے وہ بلآخر بولیں۔

"یہ جو صاحب آپ کے والد کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ آپ کے والد صاحب کے فرزند ہیں۔" سب ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

"اماں جان؟؟" ان کے دوسرے بیٹے اسماعیل نے بے

ساختہ کہا۔

"میں بھی کچھ ایسے ہی پریشان ہوئی تھی جب انہوں نے اپنا تعارف کرایا تھا۔" انہوں نے نہایت تحمل سے کہا۔

"بابا جان کیا یہ سچ ہے؟" شاہینہ نے حیرت سے اپنے باپ سے پوچھا۔

جواباً ایک جامد خاموشی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں کی شکن زدہ انگلیوں کو آپس میں پھنسائے بس چپ تھے۔

"اور جانتے ہیں آپ سب؟ مجھے اس بات پر اتنی حیرت نہیں ہوئی کہ یہ آپ کے والد صاحب کی دوسری زوجہ کی اولاد ہیں حیرت مجھے اس بات پر زیادہ ہوئی کہ یہ صاحب۔" (انہوں نے پینتالیس پچاس کی عمر) کے اس شخص کی طرف اشارہ کیا...... "یہ جائیداد میں اپنا حصہ لینے آئے ہیں۔"

"لیکن یہ ہوا کب اماں جان یہ تو بتائیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ان کی عمر اسماعیل جتنی ہی ہوگی اور ہمیں کچھ خبر ہی نہیں۔" اسماعیل کی بیوی الجھن کا شکار تھی۔

"صحیح سمجھی ہیں آپ بہو بیگم...... یہ اسماعیل کے ہی ہم عمر ہیں۔ کیوں جمال صاحب؟" اب کے ان کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی اور آنکھوں میں سرخی بڑھ رہی تھی۔

"یا خدا...... یہ ہو کیا رہا ہے۔" شاہینہ نے سر پکڑ لیا۔

"اگر ہماری رفاقت کو ساٹھ سال ہوگئے ہیں تو یقیناً ان کی والدہ کی رفاقت کو پچاس سال تو ضرور ہوگئے ہوں گے۔ میں غلط تو نہیں نا جمال صاحب۔" ان کی آواز میں طنز تھا۔

جمال صاحب ان کی ذہانت کے قائل تو ہمیشہ سے تھے اب بھی ان کے اندازے پر فریفتہ ہوگئے۔ مگر لب ہنوز جڑے تھے۔

"آپ کے والد محترم نے ہماری شادی کے محض آٹھ دس سال بعد ہی دوسری شادی کرلی تھی۔ انہیں محبت ہوگئی تھی دوبارہ شاید یا پھر ہم میں وہ بات نہیں رہی تھی جس کی بنا پر انہوں نے ہم سے تعلق استوار کیا تھا۔" الفاظ نشتر تھے جسے جمال صاحب خاموشی سے برداشت کررہے تھے۔

"میں اپنی بات بعد میں کروں گی پہلے ہم ان سے نمٹ لیں تو فرزند جمال آپ کو یہ جان کر انتہائی مایوسی ہوگی کہ آپ کے والد کے پاس جائیداد یا اثاثے کے نام پر محض وہ پنشن ہے جو انہیں ہر مہینے ملتی ہے۔ وہی ان کا کل اثاثہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو وہ ان سے مطالبہ کرسکتے ہیں اس پر مجھے اور میرے بچوں کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اور رہی بات اس عالیشان ولا کی اور زمین کی جس کی محبت میں آپ یہاں کھنچے چلے آئے ہیں وہ ہماری ذاتی ملکیت ہے۔ اس میں آپ کا کیا؟ آپ کے والد صاحب کا بھی حق نہیں۔ سمجھے آپ۔" وہ سر کو خم دے کر بولیں۔

اچانک سے ان کو اپنی قوت کم پڑتی محسوس ہوئی۔ انہوں نے چند لمحے توقف کرکے اپنی ہمت جمع کی وہ کسی صورت کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھیں۔

سامنے بیٹھے شخص کے چہرے پر واضح ناگواری کا احساس تھا اور وہ اپنے پہلو میں بیٹھے شخص کو وقفے وقفے سے دیکھ رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہے کہ ہمیں جائیداد کی ضرورت ہے یا ہماری اولاد کو یہ درکار ہے الحمدللہ ثم الحمدللہ ہماری اولاد آج اس قابل ہے کہ وہ اپنے بل بوتے پر زندگی گزار سکتے اپنے بل بوتے پر وہ اپنی جائیداد بنائے جیسے ہم نے بنائی ہے لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ ہم اسے غیروں میں بانٹ دیں۔" انہوں نے چوٹ کی۔

"بابا کیا یہ سچ ہے؟" وہ شخص پہلی بار بولا۔

"ہوں۔" جمال نے سر کو خم دیا۔

"تو کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ کے آنے کا مقصد پورا ہوا؟" طاہرہ بیگم نے بلالحاظ لہجہ کو تلخ کرکے پوچھا۔

"جی" جواباً وہ ناگواری کو چھپا کے ان کی شخصیت کے زیر اثر ادب سے بولے۔

"خوب تو پھر اب آپ جاسکتے ہیں۔" انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

جواباً وہ خاموشی سے اٹھ گئے۔

اس کے جانے کے بعد شاہینہ نے اپنے باپ سے کہا۔

"بابا جان مجھے اب تک یقین نہیں آرہا کہ ابھی چند لمحے پہلے جو شخص بیٹھا تھا وہ آپ کا بیٹا تھا۔؟"

"مجھے بھی یقین نہیں ہو رہا ابھی تک۔" اسماعیل نے کہا۔

"چلو اب چھوڑو اس قصے کو معاملہ نمٹ گیا۔" شاہینہ کے شوہر عبدالباقر پہلی بار بولے۔

"آپ نے بہت ہوش مندی سے معاملہ نمٹالیا اماں جان؛ یقین کریں مجھے آپ پر فخر ہو رہا ہے۔" عبدالباقر نے کہا۔

"لیکن بات تو بڑی ہے نا بابا؟" فیصل جو خود دو بچوں کا باپ تھا بولا۔

"دیکھو ابھی یہ معاملہ ہمارے درمیان ہے لہٰذا اسے یہیں ختم ہو جانا چاہیے اس کمرے سے باہر یہ بات نہیں جانی چاہیے' سمجھے سب۔" ابراہیم نے کہا۔

"بالکل میں متفق ہوں ابراہیم سے جو بات پچھلے پچاس سال سے چھپی ہے وہ آگے بھی چھپی رہ سکتی ہے۔" ابراہیم کی بیوی سمیعہ نے کہا۔

"میں بھی بابا کے ساتھ متفق ہوں۔" مجاہد نے کہا۔

"بات ختم ہوئی۔" وہ بولا۔

طاہرہ بیگم خاموشی سے سب کی باتیں سن رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر گہری سوچ کے آثار تھے جب کہ نگاہیں اپنے شوہر پر جمی تھیں۔

"زندگی بھر تم نے مجھے اندھیرے میں رکھا جمال حسین؛ ساٹھ سال کی رفاقت میں پچاس سال تم نے کسی اور کو شریک رکھا...... میں نے کیا مانگا تھا تم سے...... صرف اور صرف وفاداری؛ تم سے وہ بھی نہ ہوسکا۔" وہ اب ان سے مخاطب تھیں جب کہ جمال صاحب کی نگاہیں شرمسار تھیں۔

"اماں جان کیا سوچ رہی ہیں آپ۔" ابراہیم نے انہیں سوچوں کے بھنور سے نکالا۔

"میں نے ایک فیصلہ لیا ہے اور امید کرتی ہوں کہ آپ سب میرا ساتھ دیں گے"...... پہلی بار آواز میں لڑکھڑاہٹ آئی اور آواز بھاری ہونے لگی۔

"آپ سب جانتے ہیں کہ میں نے پوری زندگی اصولوں کے ساتھ گزاری ہے' یہ اصول مجھے میرے ہمارے ابا جان سے وراثت میں ملے جو میں نے آپ سب کو وراثت میں دیئے ہیں۔ آپ سب ہی اس بات سے بھی بہ خوبی واقف ہیں کہ میں نے اپنے اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا، چاہے اس کے لیے مجھے کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ چکانی پڑی ہو۔ سو آج میں نے اپنی زندگی کا سب سے کٹھن فیصلہ کیا ہے۔" وہ چند ثانیے کے لیے خاموش ہوئیں اور سانس کو متوازن کیا پاس رکھی میز سے پانی کا گلاس اٹھایا اس کے اوپر سے اس کا کور ہٹایا اور پانی رسان سے پیا پھر گلاس دوبارہ میز پہ رکھ دیا۔ جمال صاحب کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔ جبکہ سب ان کی طرف متوجہ تھے۔

"ہم طاہرہ فاطمہ آپ کے والد جمال حسین سے علیحدگی چاہتے ہیں۔" جمال صاحب یک دم صوفے کی پشت سے جا لگے۔ ان کے جسم میں سرسری دوڑ گئی اور آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ باقی سب بھی گنگ ہوگئے۔

"اماں جان۔" بیک وقت ان کے سب ہی بچوں کے منہ سے نکلا۔

"دادی جان...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" مجاہد کھڑا ہوگیا۔

"نانی جان؛ خدارا اس عمر میں آپ کا یہ فیصلہ ہرگز مناسب نہیں ہے۔" فیصل نے بھی کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ صحیح کیا ہے مگر اماں جان مجھے بھی یہ فیصلہ مناسب نہیں لگا۔" عبدالباقر نے ادب سے کہا۔

"ساٹھ سال کی رفاقت کم نہیں ہوتی اماں جان مانا کہ ابا جان نے آپ کو اندھیرے میں رکھ کر دوسری شادی کی مگر آپ دونوں نے ساٹھ سال اکٹھے گزارے ہیں خدارا ایسا نہ کریں ہم لوگوں کو کیا کہیں گے کہ یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔" ابراہیم نے تحمل سے کہا۔

"بیٹا اگر لوگوں کی پرواہ ہمیں ہوتی نا رتی بھر بھی تو ہم آپ کے والد سے شادی ہی نہ کرتے؛ ہم لاہور جیسے بڑے شہر میں ایجوکیشن میں اعلیٰ عہدے پر نہ رہے ہوتے۔ ہم نے ساری زندگی اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا؛ جو اصول میں نے اپنوں کے لیے وضع کیے اس پر میں نے خود بھی عمل کیا اور آپ سب سے بھی کرایا یہی وجہ ہے کہ ہم سب کی زندگی متوازن ہے۔ آپ کے ابا جان نے ساری زندگی مجھے دھوکہ دیا؛ مجھ سے چھپ کر نہ صرف شادی کی بلکہ میرے ہی پیسوں سے انہیں ایک اعلیٰ زندگی دی جس کی یہ استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ یہ گھر میں نے اپنی محنت سے بنایا اور جائیداد وراثتاً ملی ہے تو کیا میں آپ کے ابا جان کے دھوکے کو معاف کردوں۔ ہرگز نہیں؛ میں طاہرہ فاطمہ بیگم ہوں جنہوں نے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ اس کے لیے کوشش

کی جو چیز میسر نہ تھی۔ میں نے ایک کٹھن زندگی گزاری جس کا ثمر آپ لوگوں کی صورت میں ملا میں نہیں سمجھتی کہ اس میں آپ کے ابا کا اب کوئی بھی حق ہے۔ میری زندگی میں اب ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ مگر وہ آپ کے والد ہیں آپ سب پر ان کا ادب واحترام فرض ہے اور وہ آپ پر اپنا حق رکھتے ہیں۔ یہ معاملہ خالصتاً ہم دونوں کا ہے میں نہیں چاہتی کہ اس کا اثر آپ سب پر ہو۔" وہ رکی پھر بچوں کی طرف دیکھ کر بولیں۔

"اور...... ایک بات سب کے لیے واضح ہے کہ علیدگی کے بعد یہ اس گھر میں نہیں آئیں گے۔ چاہیں تو شاہینہ کے ساتھ رہ لیں یا فیصل کے ساتھ یا جہاں بھی وہ جانا چاہیں میری طرف سے آزاد ہیں۔" آخر میں وہ چوٹ کر گئیں۔

"اور ایک بات سے آپ سب بخوبی واقف ہیں کہ میں اپنے فیصلے بدلنے کی عادی نہیں۔" آواز میں لڑکھڑاہٹ سی آ گئی تھی۔ وہ پاس پڑی لاٹھی کے ذریعے سہارا لے کر اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔ انہوں نے جمال حسین پر نگاہ غلط بھی نہ ڈالی۔

جبکہ جمال حسین بے حس وحرکت بت بنے بیٹھے تھے۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ طاہرہ بیگم انہیں کیا کہہ گئی ہیں۔

"اماں جان غصے میں ہیں اس لیے اتنا بڑا فیصلہ کر گئی ہیں۔ بھائی جان آپ بات کریں ان سے وہ یقیناً مان جائیں گی۔" شاہینہ نے کہا۔

"میرا انہیں خیال کہ نانی جان اپنا فیصلہ بدلیں گی۔" فیصل نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہو۔ میں بھی اتفاق کرتا ہوں۔" مجاہد نے کہا۔

"اف توبہ اب یہ وقت آ گیا ہے کہ ہم پر نئے نئے راز منکشف ہوں گے اوپر سے گھر کے بڑے ایسے فیصلے کریں گے۔" اسماعیل کی بیوی ذرا منہ پھٹ تھی وہ بے دھیانی میں بول گئی۔

سب ہی نے پہلو بدلا جبکہ اسماعیل نے ایک نظر اسے دیکھا تو اٹھ گئی۔

"ابراہیم آپ بات تو کریں نا اماں جان سے ایک بار بات کرنا بنتی ہے۔" ان کی بیوی نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہوں کوشش کرتا ہوں۔" وہ اپنے والد کو دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں غرق تھے۔ "کاش ابا جان آپ کا راز راز ہی رہ جاتا۔"

شام کب رات میں ڈھلی طاہرہ بیگم کو پتا نہ چلا وہ بس وقتاً فوقتاً اپنے دوپٹے کے پلو سے اپنی آنکھوں کے نم گوشے صاف کرتی جاتیں۔

"ساٹھ سال کی رفاقت کچھ کم تو نہیں ہوتی...... اتنی رفاقت تو ملتی ہی نصیبوں والوں کو ہے۔ جمال حسین آہ اس عمر میں آ کر ہم نے دھوکہ کھالیا کہ میں نے اپنی پوری زندگی اپنی محبت ایک فریبی پر نچھاور کر دی جس نے مجھے پچاس سال دھوکے میں رکھا۔ ابا میاں آپ کتنا ٹھیک تھے نا...... آپ کتنا ٹھیک تھے۔" وہ تیزی سے ماضی کے پنوں کو پلٹنے لگیں۔

❁......❁......❁

"ابا میاں...... ان سے ملیں یہ ہے جمال حسین۔" وہ بہت پرجوش تھی۔

جمال حسین نے ہاتھ بڑھایا۔

"السلام علیکم سر۔"

جواباً انہوں نے سر سے پاؤں تک سامنے کھڑے عام سے نوجوان کو دیکھا۔ قد اس کا درمیانہ تھا نقوش بھی عام سے تھے ہاں البتہ اس کی آنکھیں ضرور توجہ کھینچ گئیں۔

ان میں ستائش جھلک رہی تھی اتنی بڑی کوٹھی اور اس میں قیمتی اشیاء کو دیکھ کر...... وہ بہت ذہین آدمی تھے پل بھر میں سمجھ گئے کہ یہ شخص ان کی بیٹی سے زیادہ اس کی جائیداد میں دلچسپی رکھتا ہے۔

انہوں نے قدرے توقف کے بعد اپنا دایاں ہاتھ بڑھا کر ہاتھ ملایا۔

"کافی سن چکے ہیں آپ کے بارے میں جمال میاں اپنی شہزادی سے۔" وہ طاہرہ کو خود سے لگاتے ہوئے بولے۔

"امید ہے کہ اچھا ہی سنا ہوگا۔" وہ ادب سے بولا۔

"ہاں...... ہاں...... بالکل آؤ بیٹھو۔" انہوں نے چمڑے کے قیمتی صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ ایسا بیٹھا جیسے اس کے بیٹھنے سے صوفہ کہیں خراب نہ

ہوجائے۔ اپنے ہاتھ غیر شعوری طور پر اس کی سطح پر پھیرا اور ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"واہ جمال میاں لاٹری لگ گئی تیری یہ سادہ سی شکل والی تو بڑی امیر زادی ہے بھئی۔"

افتخار صاحب بڑی محویت سے دیکھ رہے تھے۔ جمال کے چہرے کے اتار چڑھاؤ اس کی دل کی داستان بتا رہے تھے۔ انہوں نے ایک افسوس بھری نگاہ طاہرہ پر ڈالی۔

"اس عمر کی محبت اتنی ہی زور دار ہوتی ہے اچھا برا کب دیکھتی ہے یہ۔" انہوں نے افسوس سے سوچا۔

چھوٹی سی ملاقات نے جمال کا کچھ اچھا تاثر نہیں چھوڑا تھا ان پر۔

"تو جمال صاحب والدین کیا کرتے ہیں آپ کے؟" "بچپن میں ہی ان کا انتقال ہوگیا تھا مجھے میری خالہ نے پالا ہے۔ وہ میانوالی میں ہوتی ہیں میں یہاں پڑھنے آیا ہوں اکیلا رہتا ہوں یہاں۔"

"ہوں۔" ایک گہری ہوں اور پھر جامد خاموشی۔

"آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے میاں..... گریجویشن تو ہوگیا آپ کا۔" انہوں نے پوچھا۔

"بس سر نوکری کروں گا اور کیا کرنا ہے۔" جمال نے کہا۔

"صحیح۔" انہوں نے سر کو جنبش دی۔

طاہرہ بڑی پرجوش تھی دونوں کی ملاقات پر۔

وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتے تھے۔ وہیں طاہرہ کی دوستی ہوئی اور پھر محبت پروان چڑھی۔ اس میں زیادہ ہاتھ جمال کا تھا۔ جو وہ آج یوں اس کے ابا سے ملنے آیا تھا۔

❁.....❁.....❁

"اباجان بلایا آپ نے۔" بیل باٹم پینٹ میں اور پر سکی قمیص پہنے طاہرہ اندر آئی۔

"ہاں بیٹا آؤ۔" وہ گہری سوچ سے نکلے۔

انہوں نے پائپ سلگایا۔

"آپ جانتی ہو کہ میں ایک سیلف میڈ انسان ہوں۔ میں نے زندگی میں جو کچھ کمایا ہے خود سے کمایا..... یہ عالیشان کوٹھی اور گاڑیاں..... یہ میری حلال کی کمائی ہیں، مگر جانتی ہو بیٹا کہ میری سب سے قیمتی چیز کیا ہے؟" وہ محبت سے بولے۔

"کیا اباجان۔" وہ مسکرائی۔

"آپ اور گڑیا..... یہ میری سب سے قیمتی نگینے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"اباجان۔" وہ دونوں بازو ان کی گردن کے گرد حمائل کرکے پیار سے بولی۔

"مجھے آج جمال میاں سے مل کر کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی۔ وہ آپ سے زیادہ آپ کی چیزوں سے متاثر ہیں۔ بے شک میرا سب کچھ آپ دونوں کا ہی ہے مگر میں آپ کے لیے زیادہ بہتر ہمسفر چاہتا تھا، ایسا نہیں کہ میں اپنی بیٹی کا دل توڑوں گا مگر میری کچھ شرائط ہوں گی۔" انہوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا تھا۔

"شرائط کیسی شرائط اباجان۔" وہ کچھ الجھ سی گئی۔

"پہلی یہ کہ تم لاہور میں ہی رہو گی اور کبھی لاہور چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔ دوسری تم مقابلہ کا امتحان دو گی، تیسری میں تمہیں وہی کچھ دے کر رخصت کروں گا جو ایک عام باپ اپنی بیٹی کو دے کر رخصت کرتا ہے۔"

"مجھے منظور ہے اباجان۔" وہ فوراً تیار ہوگئی بنا سوچے سمجھے۔

"اتنی جلدی نہیں بیٹا..... پہلے جاکر جمال میاں سے پوچھ لو پھر آکر بتانا۔" وہ مسکرائے۔

"وہ میری پسند ہے اور مجھے یقین ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور ویسے بھی یہ شرائط تو عام سی ہیں۔" وہ خود اعتماد تھی۔

"میں ابھی جاکر اس سے پوچھتی ہوں اباجان۔" وہ الٹے قدموں پلٹ گئی۔

"آپ جانتے ہیں نا افتخار صاحب کہ کیا کررہے ہیں۔" تب سے خاموش بیٹھی ان کی بیگم نے کہا۔

"جی فرخندہ بیگم خوب جانتا ہوں، میں نے یہ شرائط بہت سوچ سمجھ کر رکھی ہیں، میں اپنی بیٹی کو خود مختار اور محفوظ دیکھنا چاہتا ہوں اور میں اس کی ضدی فطرت سے بھی واقف ہوں۔" وہ پرسوچ تھے۔

"کتنی خواہش تھی میری کہ اپنی بہن کے بیٹے سے اسے

بیادوں وہ ہر لحاظ سے اس کے قابل تھا۔" ایک ٹھیس ان کے دل میں تھی۔

"جی فرخندہ بیگم خواہش کچھ میری بھی ایسی ہی تھی مگر ہم اپنی بیٹی کی محبت میں مجبور ہیں۔" وہ دھیما سا مسکرائے۔

❀.....❀.....❀

طاہرہ نے جب جمال کو بتایا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اس نے کیا سوچا تھا اور کیا ہو رہا تھا...... اس نے سوچا تھا چھوٹی موٹی نوکری کرے گا اور آرام سے عیش کرے گا گھر داماد بن کر...... آخر کو سیٹھ افتخار کا گھر داماد ہونا کسی فخر سے کم تھوڑی نا ہوتا...... مگر یہاں تو اوس پڑ گئی اس کی امیدوں پر......

"مرتے کیا نہ کرتے" والی بات تھی وہ سونے کی چڑیا کو یوں جانے بھی دینا نہیں چاہتا تھا لہٰذا کڑوا گھونٹ پی لیا۔

اور یوں طاہرہ فاطمہ رخصت ہو کر اس کے چھوٹے سے کرائے کے مکان میں آ گئی۔ شروع میں بڑی مشکلات آئیں مگر جمال کی محبت ہر چیز پر حاوی رہی...... اور یوں وہ ثابت قدم رہی۔

شادی کے تین سال بعد وہ مقابلے کے امتحان میں بھی کامیاب رہی اور اس کی پوسٹنگ ایجوکیشن میں ہو گئی۔ جمال جو کہ ایک عام سا سرکاری ملازم تھا اس کا سینہ اور چوڑا ہو گیا۔

اب وہ آرام سے عیش کر سکتا تھا اور اس نے کیا بھی......

"آہ بابا آپ کتنے سچے تھے آہ۔" اچانک وہ ماضی کی دھول سے حال کی تاریکی میں آ گئی۔

"اماں جان۔" دروازے کی دستک سن کر انہوں نے اپنی آنکھوں کی نمی کو صاف کیا۔

"آئیں ابراہیم بیٹا۔" انہوں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟" وہ نرمی سے ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"جی...... بیٹا بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ اپنا ہاتھ ان کے سر پر پیار سے پھیر کر بولیں۔

ابراہیم ان کا پہلوٹھی کا بیٹا تھا اور اپنی سنجیدہ سی شخصیت کی وجہ سے وہ ان کے زیادہ قریب تھا۔ انہوں نے اسے پیار سے دیکھا جس کے سر میں اب جا بجا سفید بال آ گئے تھے اور کن پٹیاں تو بالکل سفید تھیں۔

"اماں جان اگر آپ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکیں تو بہتر ہوگا۔ بے شک ابا جان نے جو کیا وہ قابل معافی تو نہیں ہے مگر...... پھر بھی...... آپ معاف کر دیں۔"

"جانتے ہیں ابراہیم اگر آپ کے ابا جان مجھے خود حقیقت بتا دیتے ناں تو میں انہیں معاف کر دیتی آخر کو زندگی کا طویل حصہ میں نے ان کی ہمراہی میں گزارا ہے۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ساری زندگی مجھے دھوکہ دیا بیٹا اور یہ بات میری برداشت سے باہر ہے۔ انہوں نے دل لگی نہیں کی...... شادی کی اور اس کو چھپا کر رکھا۔ انہوں نے میرے بچوں کے حق پر ڈاکہ مار کر اپنی دوسری بیوی اور بچوں کو پالا...... آپ جانتے ہیں کہ آپ کے والد صاحب کی تنخواہ کبھی بھی اتنی نہیں رہی کہ وہ بیویوں کو پال سکتے...... میں نے کبھی چیک اینڈ بیلنس نہیں رکھا ان پر کہ وہ ہمارے جوائنٹ اکاؤنٹ سے کتنا پیسہ نکالتے ہیں، مجھے اکثر شک گزرتا تھا ان پر مگر اندھا اعتماد بھی تھا۔ انہوں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور یہ بات میں معاف نہیں کر سکتی...... اتنے سال سے وہ مجھے اندھیرے میں رکھے ہوئے ہیں، خدا جانے کہ مجھ سے پہلے سے ہی انہوں نے خفیہ شادی کر رکھی تھی آپ بتائیے کہ کیا میں معاف کر سکتی ہوں انہیں۔"

آخر کو انہوں نے الٹا سوال پوچھ لیا۔ جواباً وہ لاجواب ہو گیا۔

"کل فاروق پیپر لے آئے گا تو معاملہ نمٹ جائے گا۔" انہوں نے اپنا سر راکنگ چیئر سے لگا لیا جس کا مطلب تھا کہ اب وہ بات نہیں کرنا چاہتیں۔

❀.....❀.....❀

وہ کب سے خاموش بیٹھے تھے انہیں اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ عمر کے آخری حصے میں آ کر بازی ہار جائیں گے۔ وہ اپنے آپ پر بڑا فخر کرتے تھے کہ انہوں نے بڑی عقل مندی سے اپنی اور فوزیہ کی شادی کو ساری زندگی طاہرہ بیگم سے چھپا کر رکھا، فوزیہ کو دنیا چھوڑے بھی پندرہ F سال ہو گئے تھے۔ وہ ان کی منگیتر بھی تھی اور محبت بھی تھی۔ وہ ان کی خالہ زاد تھی مگر شہر میں آ کر یہاں کی رونق دیکھ کر انہیں آگے بڑھنے

کا جنون ہو گیا اور کالج میں طاہرہ سے ملے جب انہوں نے پہلی بار اسے گاڑی خود چلاتے دیکھا تو یقین ہو گیا کہ یہ کسی بڑے باپ کی بیٹی ہے۔

تب ہی سے ان کے دماغ میں منصوبہ بننا شروع ہو گیا اسی پر عمل کر کے انہوں نے پہلے دوستی کی اور پھر محبت کے دعوے دار بن بیٹھے۔ طاہرہ فوزیہ کے مقابلے میں کم صورت تھیں مگر ذہین و فطین خاتون تھیں اور آگے بڑھنے کا اس سے بہتر موقع انہیں نہیں ملنا تھا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی محبت کو قربان کر دیا اور ان سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا...... ان کی امید سے بھی زیادہ معاملات تیزی سے نمٹنے لگے مگر سیٹھ افتخار کی شرائط نے انہیں شدید دھچکا دیا...... انہوں نے دل میں سوچا کہ سیٹھ صاحب یقیناً انہیں آزما رہے ہیں لہٰذا انہیں صبر سے کام لینا چاہیے اور آج نہیں تو کل ساری جائیداد آخر کو دونوں بہنوں کو ہی ملنی ہے...... انہوں نے شرائط بہ خوشی مان لی اور یوں وہ طاہرہ بیگم سے شادی کرنے میں کامیاب رہے۔

طاہرہ ہر لحاظ سے ایک مکمل خاتون تھیں انہوں نے گھر داری بھی احسن انداز سے نبھائی اور اعلیٰ نوکری بھی۔ ان کو اپنی زندگی مکمل لگتی تھی بس ایک کمی تھی اور وہ اولاد کی تھی۔ شادی کے آٹھ برس بعد بھی وہ اس سے محروم تھے۔ خالہ کی وفات پر وہ آٹھ سال بعد میانوالی گئے۔ وہاں پر فوزیہ اب بھی ان کے نام پر بیٹھی تھی۔ اولاد کی محبت اور کچھ عزیز و اقارب کے دباؤ میں آ کر انہوں نے فوزیہ سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ کبھی لاہور آنے کا یا طاہرہ کو کچھ بتانے کے بارے میں نہیں کہے گی' اس کی شادی خفیہ رہے گی...... اندھا کیا مانگے بس دو آنکھیں یہی حال فوزیہ کا تھا اسے صرف جمال کی محبت چاہیے تھی وہ مان گئی اور یوں انہوں نے خفیہ شادی کر لی۔ وہ اکثر دفتری کام کا کہہ کر میانوالی کا چکر لگا لیتے اور ایک معقول رقم تھما دیتے' طاہرہ بیگم دفتری معاملات میں الجھی ہوتیں' کہ کبھی شک ہی نہ کیا' شادی کے سال بعد ہی فوزیہ کی گود میں احمد آ گیا۔ مگر اللہ کا فضل ہوا اور معلوم ہوا کہ طاہرہ بھی امید سے ہیں' جمال صاحب کے دل میں چور آ گیا شاید وہ تھوڑا صبر کر لیتے اولاد کے لیے تو بہتر تھا مگر پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئیں کھیت۔"

اس طرح فوزیہ سے ان کے دو بیٹے ہوئے اور طاہرہ بیگم سے دو بیٹے اور ایک بیٹی۔

"داداجان آپ ابھی تک یہاں بیٹھے ہیں۔" مجاہد نے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھا تو اندر آ گیا۔

"ہاں بیٹا...... ایک شخص جو زندگی کا جوا ہار گیا ہو وہ اور کر بھی کیا سکتا ہے؟ مایوسی ان کے لہجے میں نمایاں تھی۔

"میں سمجھ سکتا ہوں داداجان مگر غلطی آپ کی بھی ہے۔" وہ ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"جانتا ہوں جوان میں جانتا ہوں' میں نے گناہ کیا ہے' غلط نہیں ایک جائز کام میں نے ناجائز طریقے سے کیا ہے اور سزا کا مستحق ہوں۔" آواز میں لغزش تھی۔

"ایک آخری کوشش کر لیجیے داداجان...... دل میں کسک نہ رہ جائے کہ کوشش نہیں کی۔"

مجاہد نے کندھا دبایا اور سہارا دے کر ان کو ان کے کمرے کے سامنے لا کھڑا کیا...... ان کے جسم میں رعشہ آ گیا تھا یہ ندامت تھی جس کی بدولت وہ لرز رہے تھے۔ انہوں نے دستک دی جواب ندارد تھا پھر بھی وہ اندر داخل ہو گئے۔

آدھی رات کا وقت تھا مگر انہیں یقین کامل تھا کہ وہ جاگ رہی ہوں گی۔

وہ لاٹھی کا سہارا لیے کھڑکی کے پار نہ جانے کیا کھوج رہی تھیں۔ جمال حسین کا عکس کھڑکی کے شیشے پر پڑا تو وہ پلٹیں۔

"یہ آپ کا کمرہ نہیں رہا جمال حسین۔"

طاہرہ بیگم میری بات تو سنیں کیا آپ مجھ سے کچھ نہیں پوچھوگی کہ میں نے شادی کیوں کی ایسی کیا مجبوری تھی میری کہ مجھے شادی کرنا پڑی۔"

"نہیں...... مجھے کچھ نہیں جاننا جمال حسین آپ نے میرے ساتھ آخر کو زندگی گزاری ہے تو مجھے تھوڑا بہت تو جانتے ہوں گے کہ میں اپنی بات کی پکی ہوں اور اپنے فیصلے لینے کے بعد پچھتاتی نہیں ہوں اور نہ ہی ان کو بدلتی ہوں۔" آواز میں واضح کمزوری تھی مگر لہجہ میں مضبوطی تھی۔

وہ چند قدم بڑھے تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے

روک دیا۔ یہ جذباتی عمر نہیں ہے کہ ہم سوچیں۔
"بس جمال حسین بات ختم ہوئی اور رشتہ بھی...... میں نے آپ کو نامحرم مان لیا ہے۔ اب آپ کا رکنا اس کمرے میں مناسب نہیں آپ جاسکتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ جانے سے پہلے جو کچھ لے کر جانا چاہیں آپ لے جاسکتے ہیں۔" وہ دائیں ہاتھ سے انہیں روک کر بولیں۔
"طاہرہ بیگم" بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔
"طاہرہ فاطمہ...... میرا نام طاہرہ فاطمہ ہے۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔
"دروازہ اس طرف ہے۔ انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا اور پلٹ گئیں۔
جمال حسین نہ جانے کتنے لمحے ان کی پشت کو دیکھتے رہے۔ پھر مایوس ہو کر پلٹ گئے۔
ان کے جاتے ہی ان کی ہمت جواب دے گئی، ٹانگوں نے یک دم ہی وزن اٹھانے سے انکار کر دیا وہ گر پڑتیں اگر بروقت وہ پاس پڑے صوفے کا سہارا نہ لیتیں تو۔
ان کی سانس اچانک اکھڑ گئی جیسے وہ بہت تیزی سے مسافت طے کر کے آرہی ہوں۔
"آج پہلی بار...... پہلی بار مجھے ناکامی ہوئی ہے اور وہ بھی زندگی کی سب سے اہم بساط پر۔" وہ رو دیں اور بلک بلک کر روتی رہیں۔

۞......۞......۞

"دادی جان پلیز ایک بار پھر سے سوچ لیں۔"
فاروق جو مجاہد کا دوست تھا وہ ان کا ہاتھ تھام کر بولا۔ خلع کی فائل اس کے ہاتھ میں تھی۔
"بیٹا جان سوچ کر ہی فیصلہ کر رہی ہوں، یقین جانیے ہمارا دل بہت مضبوط ہے۔" وہ دقت سے مسکرائیں۔
انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے دستخط کر دیئے)
نہ جانے کتنے ہی دستخط انہوں نے کیے ہوں گے مگر یہ دستخط ان کی زندگی کے سب سے مشکل دستخط تھے۔
"لیجیے جو بھی قانونی کارروائی ہے وہ آپ مکمل کر لیجیے۔" انہوں نے کہا اور کراؤن سے ٹیک لگالی۔

فاروق اٹھ کر چلا گیا کمرے میں ابراہیم، شاہینہ اور اسماعیل تھے۔
"بچوں آپ سب پر آپ کے باپ کا احترام و عزت واجب ہے جو بھی معاملہ ہے وہ بس ہم دونوں کے درمیان ہے باقی بچوں کو یہ بتانے کی بالکل ضرورت نہیں ہے اب میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"
انہوں نے کہا تو سب کمرے سے نکل گئے۔
"جمال حسین آہ...... تم کیا نکلے...... پر میں تمہاری قرض دار ہوں جو تم نے مجھے اتنی فرمانبردار اولاد دی۔
کاش...... کاش کہ تم نے خود سے مجھے بتایا ہوتا تو یقین جانو میں خود فوزیہ کو یہاں لے آتی، میرا ظرف بہت وسیع تھا۔ تمہارے لیے، کاش تم نے دھوکہ نہ دیا ہوتا...... کاش......
ان کی پوری زندگی صرف 'کاش' بن گئی......
ان کو اپنا جسم یک دم بہت بھاری ہوتا ہوا محسوس ہوا...... اچانک ان کی سانس بھی اکھڑنے لگی۔
وہ پاس پڑا پانی کا گلاس پکڑنے لگیں مگر وہ گر گیا...... انہوں نے لمبا اور گہرا سانس لیا، پھر اچانک انہیں لگا جیسے تھکن یک دم کم ہو گئی ہو...... یک دم ان کو سکون آ گیا ہو...... وہ بہت پرسکون ہو گئیں۔ اچانک سے بہار کا جھونکا آیا اور وہ کلمہ پڑھ کر آنکھیں موند گئیں اور اچانک سے سارے کاش ختم ہو گئے۔ اپنی پوری زندگی اصولوں پر گزارنے والی طاہرہ بیگم محبت میں بے وفائی برداشت نہ کر سکیں۔ ہمیشہ سچ اور حق کے ساتھ نوکری کی۔ ان ہی خطوط پر بچوں کی تربیت کی مگر عمر کے اس حصے میں اتنا بڑا دھوکہ انہیں ملے گا انہوں نے کبھی سوچا نہیں تھا اور پھر اللہ کو گواہ بنا کر اس رشتے سے دستبردار ہو گئیں اور اپنی سانسیں اللہ کے سپرد کر دیں اور جمال حسین کو باقی عمر کو پچھتاوا دے دیا۔

۞

عارفہ بجیا کا گھر دیکھ کر خوشی حیرانگی میں بدل گئی۔ پرتپاک استقبال بتا رہا تھا کہ وہ بے حد خوش ہوئی ہیں۔ کمرے میں بچھی چٹائی کے ایک طرف گدا بچھا تھا۔ جس پر آسمانی رنگ کی چادر تھی۔ کمرے میں یہی سب سے نمایاں جگہ تھی جہاں انہوں نے اصرار سے ہمیں بٹھایا اور خود کمرے سے منسلک ایک چھوٹے سے کچن میں چلی گئیں۔ ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ ایسا تھا کہ دیکھ نہیں پائے۔

ایک اور نمایاں چیز دیوار گیر الماری تھی۔ جو کتابوں سے لبا لب بھری ہوئی تھی۔ یہ ایک ہی کمرہ تھا۔ جہاں وہ اپنے چار بچوں کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ ساتھ ہی ایک اسٹور روم تھا۔ جہاں سب سے چھوٹے سائز کا فریج اور واشنگ مشین بھی تھی۔ اس وقت بچے والد کے ساتھ کہیں باہر گئے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ان کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

ان کے چہرے پر سوائے اطمینان کے کچھ نہ تھا۔ ہم نے چائے پی واپسی کا سفر خاموشی کا تھا۔

مگر ایک "شاید" وہیں اٹکا تھا۔ جہاں میں تھی۔ "مجھے بہت جلد ان سے ملنا ہے۔" میں نے طے کر لیا تھا۔

میری شادی ایک متوسط گھرانے میں ہوئی تھی۔ جہاں چھوٹی چھوٹی خواہشوں کو بھی دبانا پڑتا ہے۔ ساتھ ہی اپنا بھرم رکھنے کے لیے بھی بہت سے پاپڑ بیلنا ہوتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کا کچھ حصہ شوہر سے جھگڑنے اور چڑچڑاہٹ میں گزرا۔ آخر فیصلہ کیا۔ مجھے اس جہنم میں نہیں رہنا۔ تین سال کے بعد میں امی کے گھر آ گئی۔ انہوں نے بھی پلٹ کر نہ پوچھا۔ آپ میرے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ کل کلاں بچے ہوں گے تو زندگی مزید دشوار ہوگی۔ یہ وجہ کہہ کر خود کو حق بہ جانب ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ بھی کہا تھا یہاں رہی تو روٹی کپڑے کے چکر میں ہی ماری جاؤں گی۔

وہ خیال رکھتا تھا۔ احساس کرتا تھا۔ محبت کرتا تھا۔ حتی المقدور محنت بھی کرتا تھا۔ میرا نظریہ تھا محبت پیٹ نہیں بھرتی۔ اور تمہارے اندر آگے بڑھنے کی بھی جستجو نہیں کہ حالات بدلنے کی امید پر ساتھ بندھی رہوں۔

میں اکثر لڑکیوں کو سمجھایا کرتی۔ شادی اس سے کرنا جو تمہاری ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہو۔

ایکسپو سینٹر میں کتب میلہ تھا عارفہ بجیا سے ملاقات وہیں ہوئی تھی۔ وہ بچوں کو مختلف سرگرمیاں کروا رہی تھیں۔ ایک ہی ملاقات میں احترام اور محبت کا ایسا رشتہ بندھا کہ پھر جڑ کر رہ گئے۔

پھر ہم نے طے کیا بچوں کی تربیت کے لیے اداروں میں کام کریں گے۔ وہ بہت ہی خوش ہوئیں۔ ہم نے اس حوالے سے کتب اکٹھی کیں۔ ورکشاپس بنائیں۔ پہلے مرحلے پر ہمیں بچوں میں رشتوں کی اہمیت کو ابھارنا تھا۔ بتانا تھا کہ زندگی میں رشتوں سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا۔ کوئی مادی چیز رشتوں کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ یہ سب سے بڑی دولت ہے۔ انہیں آپس میں رشتوں کی مضبوطی کے طریقے بتانے تھے۔ میرے اندر شاید چور تھا۔

لہٰذا ورکشاپ کروانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ پہلا لیکچر بجیا کا طے ہوا۔ شاندار لیکچر تھا۔

میری آنکھیں کھل گئی تھیں۔ آخر میں دعا ہوئی۔ بچوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پھر ہم نے کئی پروگرام کیے۔ اسکولوں میں کالجز میں۔

وہ ساحرانہ انداز بیاں کی مالک تھیں۔ مجھے ان پر رشک آتا۔ ورکشاپ کے لمبے گھنٹوں حصار میں قید رکھتے۔ اور اندر طوفاں بپا کرتے۔ مگر جلد ہی خود پر قابو پا لیتی۔

میں نے بہت سے لیکچر اٹینڈ کیے تھے۔ یہ ان چند لوگوں میں سے ایک تھیں۔ جن میں کچھ الگ ہی بات تھی۔ میری رہائش ایک پوش علاقے میں تھی۔ سب کے لیے وہاں آنا آسان تھا۔ لہٰذا میرا گھر جائے ملاقات قرار پایا۔

ایک ہفتے سے ان کی طبیعت ناساز تھی۔ وہ نہیں آ پا رہی تھیں۔ لہٰذا ہم نے عیادت کا سوچا۔ اور یہ کہ اچانک پہنچ کر خوش کر دیں گے۔ ہم تین دوستیں تھیں۔

میرے ذہن میں سوالات کا طوفان سا اٹھا۔ کیوں اور کیسے کے کئی سوالات تھے۔

دوسرے دن ملاقات کا بلاوا ان کی طرف سے آیا۔ ہم جیسے منتظر بیٹھے تھے۔ آج ہم جیسے کچھ انوکھا سیکھنے جا رہے ہوں۔

ہمارے لیے انہوں نے خاص طور پر مکئی کی روٹی اور سرسوں کا ساگ بنایا تھا۔ کہنے لگیں ملتان سے آیا ہے۔

ہم سراپا گوش انہیں ہی سن رہے تھے۔ وہ دھیمی سی ہنسی ہنسیں اور کہا۔ ”مجھے معلوم ہے۔ تمہارے ذہن میں کیا سوالات ہیں۔ تمہارا اندازہ تھا کہ مادی لحاظ سے خوشحال خاتون ہوں۔ مگر گھر آنے پر تمہیں الٹ ملا۔ اور اب تم سوچ رہی ہو کہ ایسے گھر میں اتنا سوچنے، بامقصد کچھ کرنے کی فرصت ہی کہاں ملتی ہوگی۔ کہ ایسے میں دو وقت کی روٹی کا چکر ہی ختم نہیں ہوتا۔“

وہ سو فیصد سچ کہہ رہی تھیں۔ اسی چیز نے تو بے چین کر دیا تھا

کہنے لگیں۔

میری شادی ہوئی تو ابا سے ناراض تھی۔ آخر کیا دیکھ کر شادی کی۔ اپنا گھر تک تو ان کے پاس ہے نہیں۔ شروع کے کئی سال اسی کڑھن میں ضائع چلے گئے۔ اور کچھ شوہر کی بھی غیر ذمہ داری کہ میں میکے جا بیٹھی۔ اس وقت دو بچے ہو چکے تھے۔ جب میکے گئی۔ والد صاحب اچانک بیمار ہوئے اور بستر سے جا لگے۔

میں سب کچھ بھول بھال کر ان کی خدمت میں جت گئی۔

کچھ ہی عرصے میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ پوری رات سو نہ پاتے۔ لمحے بھر کو نیند نہ آتی۔ اور پھر تکلیف الگ۔ کوشش کرتے کہ ان کی آواز نہ نکلے۔ میرا خیال کرتے کہ میں اٹھ نہ جاؤں۔ میں ان کے کمرے میں ہی سونے لگی تھی۔ کہ انہیں رات بھر ضرورت ہوتی تھی۔ ان کی ذرا سی آہٹ بھی مجھے تڑپا دیتی۔ ان کی حالت غیر سے غیر ہوتی چلی گئی۔

ایسی ہی کئی راتوں میں، میں نے انہیں اپنے لیے دعا کرتے پایا۔ میں تو انہیں بتا ہی چکی تھی کہ اب مجھے واپس نہیں جانا۔ ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے تلوے دباتے یہ کہتے سنا۔ ”میرے رب میں نے اس کے تمام معاملات تجھے سونپے۔ وہ میرا گھر بستا دیکھنا چاہتے تھے۔

ان کی قبولیت میں کچھ وقت تھا۔

ان ہی دنوں فہم دین کورس میں داخلہ لیا۔ یہ شاید آغاز تھا۔ پھر تو جیسے راہ مل گئی۔

بہت سے علماء کو سنا۔ اور مقصد زندگی سمجھ آیا۔ ایک دن عجیب سوال ذہن میں آیا۔ ہم اس وقت نماز کے بارے میں پڑھ رہے تھے۔

مولانا صاحب نے کہا۔ نماز کسی صورت نہیں چھوڑی جا سکتی۔ اول کھڑے ہو کر پڑھیں اور اگر کھڑے ہو کر پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر۔ اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھیں۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشاروں سے نماز پڑھیں۔

میرا سوال تھا۔ اللہ رب العزت کو ایسی کیا حاجت کہ وہ ہر صورت میں بندے کو نماز کا پابند کر رہے ہیں؟

مولانا صاحب کا جواب ایک الگ ہی زاویہ سے تھا۔ کہنے لگے میری بیٹی اللہ نے اس کے ذریعے ہمیں سکھایا ہے کہ تعلق کا جڑا رہنا کتنا اہم ہے۔ اللہ کسی بھی حالت میں بندے سے تعلق کی ڈوری توڑنا نہیں چاہتے۔ چاہے تعلق کتنے بھی کم تر درجے کا کیوں نہ ہو۔

اور یہ حکم ہمیں بھی بتاتا ہے۔ کہ ہم بھی اپنے تعلقات آخری حد تک جوڑنے والے ہوں۔

کہ کمزور تعلق اللہ کی رحمت سے مضبوط ہو ہی جاتے ہیں۔ ٹوٹے تعلق نہیں جڑتے۔ کبھی جڑنے کی صورت نکل بھی آئے تو مزا کھو دیتے ہیں۔

یہ لمحہ میری زندگی میں انقلاب کا تھا۔ میں نے شوہر کو فون کیا۔ وہ دوڑے چلے آئے۔ پھر طے کیا۔ ایک دوسرے کو سکھ دینے کی مقدور بھر کوشش کریں گے۔ اور جو استطاعت سے زائد ہو تقاضا نہیں کریں گے۔ دعا اور دوا کرنے کی برابر کوشش کریں گے۔

اب اللہ کا کرم ہے۔ ہمارا تعلق مثالی ہے۔ ہماری سفید پوشی نے بچوں کو ذمہ دار اور خوددار بنا دیا ہے۔ دولت نہ سہی اور بے بہا نعمتیں ہیں۔ عزت ہے۔ آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی اولاد ہے۔ خوشیاں کشید کرنے کا سلیقہ ہے۔ کچھ پس انداز کر کے پلاٹ کافی عرصہ پہلے لیا تھا۔ اللہ نے چاہا تو بہت جلد وہ گھر بھی دے دے گا۔

زندگی کا مقصد مل گیا ہے۔ یہ رب کی سب سے بڑی عطا ہے۔ کہ اس نے فکری لحاظ سے بے پایاں دولت دی ہے۔ اپنے بندوں کی خدمت لے رہا ہے۔

میرا گمان حقیقت تھا۔ بہت کچھ بدلنے کا سامان جو ہوا تھا۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے کہ میرے شعور کی بدولت میری آنکھیں وقت سے پہلے بیدار ہو گئیں۔

❁

bazsuk@naeyufaq.com

سمیہ عثمان

گلشن چودھری......گجرات
یہ سانحہ تو کسی دن گزرنے والا تھا
میں نہ بھی جاتا تو اک روز مرنے والا تھا
فائزہ بھٹی......بتوکی
میں اس سے کھل کے ملوں، سوچ کا حجاب اترے
وہ چاہتا ہے میری روح کا نقاب اترے
ارم کمال......فیصل آباد
قصہ اے غم حیات نہ پوچھو محسن
جی رہے ہیں تو جھو کمال کر رہے ہیں
نجم انجم......کراچی
آئینہ دیکھ ذرا کیا میں غلط کہتا ہوں
تو نے خود سے بھی کوئی بات چھپا رکھی ہے
پروین افضل پرنس......بہاولنگر
سر سے پاؤں تک وہ گلابوں کا شجر لگتا ہے
باوضو ہو کے بھی چھوتا ہوں تو ڈر لگتا ہے
ماہا بشیر حسین......ڈنگہ
وہ جو کہتا تھا تارے توڑ لاؤں گا
اس نے آسمان ہی گرادیا مجھ پر
ارم آصف......خانگڑھ
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
فہمیدہ جاوید......ملتان
ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ الفت کبھی نہ کرنا
تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا
ثناء فرحان......ملتان
ہے زباں بھی دل بھی آنکھیں بھی تعقل بھی مگر
مصلحت بنی انہیں اذن عمل دیتی نہیں
اہل دولت سے وفا کی آرزو ہے اک گناہ
ان زمینوں میں محبت پھول پھل دیتی نہیں
کوثر ناز......حیدرآباد
گواہی کیسے ٹوٹتی معاملہ خدا کا تھا
مرا اور اس کا رابطہ تو ہاتھ اور دعا کا تھا
عائشہ شکیل......گوجرہ
تیری شوریدہ مزاجی کے سبب تیرے نہیں
اے میرے شہر! تیرے لوگ بھی اب تیرے نہیں
میں نے ایک اور محفل میں بھی انہیں دیکھا ہے
یہ جو تیرے نظر آتے ہیں یہ سب تیرے نہیں
رقیہ ناز......میلسی
کتنا خوب صورت ہوگا میری موت کا منظر
جب مجھے ٹھکرانے والے مجھے پانے کے لیے آنسو بھیجیں گے
رشک حنا......سرگودھا
پڑھ پڑھ کتاباں علم دیاں توں نام رکھ لیا قاضی
ہتھ وچ پھڑ کے تلوار نام رکھ لیا غازی
مکے مدینے گھوم آیا تو نام رکھ لیا حاجی
اور بھلیا حاصل کی کیتا جے توں رب ناں کیتا راضی
عظمیٰ شفیق......جڑانوالہ
اب عمر نہ موسم نہ وہ رستے کہ وہ پلٹے
اس دل کی مگر خام خیالی نہیں جاتی
بی بی عابدہ......بھیر کنڈ مانسہرہ
ڈوب جا عشق خدا میں سب کچھ بھول کر اے انسان
کسی اور نے پائی ہے یہ دنیا کی محبت جو تو پائے گا
کنول ناز......حاصل پور
ہمیں نہیں آتے یہ کرتب نئے زمانے والے
ہم تو سیدھے لوگ ہیں یار وہی پرانے والے
ان کے ہوتے کوئی کمی ہے راتوں کی رونق میں
یادیں خواب دکھانے والی خواب سہانے والے
گل مینا خان اینڈ حسینہ زعفران......مانسہرہ
دل تماشا نہ بنے آنکھ تماشائی نہ ہو
کام ایسے کرو جگ میں رسوائی نہ ہو
اس زمانے میں ہے راج ریا کاری کا
اٹھ وہاں سے جہاں قدر افزائی نہ ہو
رشک چاند......دینہ
پچھتائیں گے اک روز کڑی دھوپ پڑی تو

جو لوگ محبت کے شجر کاٹ رہے ہیں
تبسم بشیر......ڈنگہ

ہونے کی گواہی کے لیے خاک بہت ہے
یا کچھ بھی نہیں ہونے کا ادراک بہت ہے
ایک بھولی ہوئی بات ہے، ایک ٹوٹا ہوا خواب
ہم اہل محبت کو یہ املاک بہت ہے
اقراُممتاز......سرگودھا

تیرے دن اچھے ہیں سو ہم سے کنارہ کر لے
ہم برے لوگ برے وقت میں کام آتے ہیں
رمشا آصف......خانگڑھ

ٹھیک ہے جرات انکار نہیں ہے لیکن
ہم تیری بات یہ پہلو تو بدل سکتے ہیں
حرا گل غفور......خانیوال

ہم خرابوں میں ایک خوبی ہے
ہم مصیبت میں کام آتے ہیں
تابی کھرل......جڑانوالہ

سو گئی شہر کی ایک گلی
اب تو آجا کہ رات بھیگ چلی
مدیحہ نورین مہک......گجرات

یوں کھوئے ہم یاد میں اس کی گویا خود کو بھول گئے
کسے خبر ہے کب دن نکلا کسے پتا کب رات ہوگئی
دل کے پیاسے آنگن میں کل یاد کے بادل یوں آئے
دیر تلک یہ تن من بھیگا بے موسم برسات ہوئی
توبیہ نواز اعوان......کنڈان، سرگودھا

احساس ندامت، اک سجدہ اور چشم تر
اے خدا کتنا آساں ہے منانا تجھ کو
امبر گل......جھڈو سندھ

نہ سوال بن کر ملا کرو نہ جواب بن کر ملا کرو
میری زندگی میرے خواب ہیں مجھے خواب بن کر ملا کرو

ابھی سوچنا ہے تو سوچ لو ابھی چھوڑنا ہے تو چھوڑ دو
نئے موسموں میں ملو مجھے تو گلاب بن کر ملا کرو
لوبا سجاد......ڈسکہ

ان کے انداز کرم، ان پہ وہ آنا دل کا
ہائے وہ وقت، وہ باتیں، وہ زمانا دل کا

کچھ نئی بات نہیں حسن پہ آنا دل کا
مشغلہ ہے یہ نہایت ہی پرانا دل کا
بنت زیب......کراچی

میں ایسا گل ہوں جس میں سے کوئی خوشبو نہیں آتی
میں اردو کا معلم ہوں مجھے اردو نہیں آتی
تلفظ بھول جاتا ہوں کئی لفظوں کا میں اکثر
قواعد کا کوئی بھی جز نہیں ہوتا مجھے ازبر
ارجمند خواجہ......ملیر، کراچی

ہم کو تھا درپیش سفر اندھیاروں کا
اس نے اک رومال میں جگنو باندھ دیے
نیلم بھٹی......حیدرآباد، دکن

تمہارے لہجے کا نشتر ہے تیز دھار اتنا
لہو بہا ہے، بھلے ہو بات ہو گلابوں کی
حنا کنول فرحان......جو ہلی لکھا

ہونٹوں سے دعا کے لیے جنبش نہیں ہوتی
اب اس سے زیادہ تیری خواہش نہیں ہوتی
ہے پیار کا صحرا یہاں بادل نہیں آتے زید
بادل کبھی آجائیں تو بارش نہیں ہوتی
شبنم کنول......حافظ آباد

میں اپنی برباد زندگی میں تیرا نام نہ آنے دوں گی
جدائی کا غم بھی سہہ لوں گی مگر الزام نہ آنے دوں گی
یہ میری محبت کی گہرائی سمجھ لو جاناں
کہ مرتے وقت بھی لبوں پہ تیرا نام نہ آنے دوں گی
اقرا افضل جٹ......چمن آباد

مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ بدل گیا زمانہ
میری زندگی تم ہو کہیں تم نہ بدل جانا

کچن کارنر

زہرہ جبین

اچاری آلو

اجزاء:۔

آلو	۵۰۷ گرام
تیل	ڈیپ فرائی کے لیے (چار بڑے چمچ)
پیاز	آدھا کپ
ادرک لہسن پیسٹ	ایک چائے کا چمچ
نمک	حسب ضرورت
املی کا گودا	چوتھائی کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچ
لال مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ
کٹی لال مرچ	ایک چائے کا چمچ
کڑی پتا	دس سے پندرہ عدد
رائی دانہ	آدھا چائے کا چمچ
ثابت سوکھی لال مرچ	آٹھ عدد
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کلونجی	ایک چائے کا چمچ

ترکیب:۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کریں۔ پھر اس میں آلو فرائی کر کے پیپر پر نکال لیں اور دو کھانے کے چمچ تیل باقی رہنے دیں۔ اب کڑاہی میں پیاز کا پیسٹ، ادرک لہسن کا پیسٹ نمک، ہلدی پاؤڈر، لال مرچ پاؤڈر، کٹی لال مرچ، املی کا پیسٹ اور آلو شامل کرلیں۔ ساتھ میں پانی ڈال کر پانچ سے چھ منٹ تک پکنے دیں۔ ایک پین میں دو کھانے کے چمچ تیل گرم کر کے لال مرچ، رائی دانہ، بھنا کٹا زیرہ، کری پتہ اور اجوائن ڈال کر بگھار بنائیں۔ آلوؤں پر بگھار لگائیں اور گرم گرم سرو کریں۔

حنا حارث...... چک عباسی، لیاقت پور

گوشت کا اسٹو

اجزاء:۔

گوشت	آدھا کلو
گھی	ایک پاؤ
دہی	ایک پاؤ
پیاز	آدھا کلو
ثابت سرخ مرچ	پندرہ دانے
نمک	حسب ذائقہ
ثابت گرم مسالا	چوتھائی چھٹانک

ترکیب:۔

دہی پھینٹ لیں۔ اس میں پیاز کے باریک لچھے، نمک مرچ اور گرم مصالحہ ثابت شامل کریں۔ اچھی طرح ملانے کے بعد گھی اور گوشت بھی ملا دیں۔ اور دو گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ پھر یہ تمام مواد دیگچی میں ڈالیں اور چولہے پر چڑھا دیں اور ہلکی آنچ پر پکنے دیں، پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں یہ خود ہی گل جائیگا جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو اتنا بھون لیں کہ گھی چھوڑ دے مزیدار اسٹو تیار ہے۔

یمنیٰ آفتاب...... گجرات

آلو گوشت

اجزاء:۔

گوشت	ایک کلو
آلو (چار ٹکڑے کئے ہوئے)	آدھا کلو
ادرک لہسن پسا ہوا	دو کھانے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	تین درمیانی عدد
دہی	ایک پیالی
لال مرچ پسی ہوئی	ایک کھانے کا چمچ
دھنیا پسا ہوا	ایک کھانے کا چمچ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچ
ہلدی پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچ
ثابت گرم مسالا	ایک کھانے کا چمچ
ٹماٹر (کٹے ہوئے)	تین عدد درمیانے
ہری مرچیں (باریک کٹی ہوئی)	تین سے چار عدد
ہرا دھنیا (باریک کٹا ہوا)	آدھی گٹھی
کوکنگ آئل	آدھی پیالی
بگھار کے لئے	
سیاہ زیرہ	آدھا چائے کا چمچ

کوکنگ آئل	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:۔

ادرک، لہسن، نمک، پیاز، لال مرچ، دھنیا، زیرہ، ہلدی، ثابت گرم مصالحہ، دہی اور ٹماٹر کو اچھی طرح ملالیں اور گوشت پر پکا کر آدھے گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ مصالحہ لگے گوشت میں آدھی پیالی کوکنگ آئل شامل کر دیں۔ پھر دیگچی میں ڈال کر درمیانی آنچ پر آدھے گھنٹے تک پکائیں۔ آلو ڈال کر دو پیالی پانی ڈال دیں اور اچھی طرح ملا کر آلو گلنے تک پکائیں۔ ہری مرچیں اور ہرا دھنیا چھڑک دیں۔ بگھار بنانے کے لئے فرائنگ پین میں دو کھانے کے چمچ کوکنگ آئل ڈال کر سیاہ زیرے کو دو سے تین منٹ تک فرائی کریں اور یہ بگھار گوشت کے اوپر ڈال دیں۔ گوشت کو پانچ سے سات منٹ تک ہلکی آنچ پر (دم پر) پکائیں اور چولہے سے اُتار لیں۔

شاہانہ نور...... بہاولنگر

آلو کے کباب

اجزاء:

آلو (کدو کش کر کے پانی اچھی طرح نکال لیں)	آدھا کلو
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
گرم مسالا	۲ چائے کے چمچ
نمک	حسب ذائقہ
پسی سرخ مرچ	دو چائے کے چمچ
انڈا	۲ عدد
میدہ آدھی	پیالی
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچ
آئل	تلنے کے لیے

ترکیب:۔

کدو کش کیئے ہوئے آلوؤں کو سارے مصالحے لگا کر دو گھنٹے کے لیئے فریج میں رکھ دیں پھر نکال کر پکوڑوں کی طرح تل لیں اور چٹنی یا کیچپ کے ساتھ مزے سے کھائیں۔

اسماء احد...... کراچی

پراٹھا رول

چکن بون لیس	ایک پاؤ
دہی	دو ٹیبل سپون
نمک	حسب ضرورت
لال مرچ	ایک ٹی اسپون
گرم مصالحہ	ایک ٹی اسپون
گوشت گلانے کا پاؤڈر	دو ٹی اسپون
تیل	ایک ٹیبل سپون

پراٹھا بنانے کے لئے اشیاء:۔

میدہ	دو کپ
نمک	ایک ٹی اسپون
گھی	دو ٹیبل سپون
مایونیز	آدھا کپ
چلی گارلک ساس	دو ٹی اسپون

ترکیب:۔

ایک باؤل میں چکن، دہی، نمک، لال مرچ، گرم مصالحہ، گوشت گلانے کا پاؤڈر اور تیل ملا کر مکس کریں تقریباً دو گھنٹے کے لئے رکھ دیں۔ ایک فرائنگ پین میں آئل ڈال کر چکن ڈالیں اور اس کو گلنے تک پکائیں۔ پراٹھوں کا آٹا گوندھ کر چھوٹے چھوٹے پراٹھے بنالیں۔ پراٹھے پر پہلے تھوڑی سی مایونیز کی ڈپ لگائیں، پھر چکن کے پیس رکھیں اور چلی گارلک ساس ڈال کر یہ پراٹھا رول کر کے بٹر پیپر میں پیک کر لیں۔

ہالہ سلیم...... کراچی

مینی پلاؤ

اجزاء:۔

بیف بون لیس	۷۵۰ گرام
الو	آدھا کلو
کٹی ہری مرچ	دو کھانے کے چمچ
کری پتہ	پندرہ سے بیس عدد
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچ
دہی	آدھا کپ
تلی پیاز	ایک کپ
تیل	تین سے چار کپ
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچ
چاول	۷۵۰ گرام
زیرہ	ایک چائے کا چمچ
کالی مرچ	چھ سے آٹھ عدد
لونگ	چھ سے آٹھ عدد
بڑی الائچی دانہ	آدھا چائے کا چمچ

ہری الائچی — چار سے پانچ عدد
دار چینی — دو سے تین اسٹکس
تیز پتہ — ایک عدد
نمک — حسب ذوق

پوٹلی کے لئے:۔

سونف — دو کھانے کے چمچ
ثابت دھنیا — دو کھانے کے چمچ
بادیان کے پھول — دو سے تین عدد

ترکیب:۔

ایک پین میں تیل گرم کر کے پیاز کو فرائی کر لیں۔ جب فرائی ہو جائے تو تین چوتھائی نکال لیں۔ پھر اس میں ثابت گرم صالحہ، زیرہ، ادرک لہسن کا پیسٹ، پوٹلی اور آلو ڈال دیں۔ اب گوشت شامل کر کے چھ سے آٹھ منٹ پکائیں۔ ساتھ ہی دو کپ پانی، کری پتہ اور ہری مرچ ڈال کر پکنے دیں، اتنا کے گوشت گل جائے۔ اس کے بعد پوٹلی نکال لیں۔ پھر اس میں چاول اور پانی شامل کر کے پکائیں۔ جب پانی خشک ہو جائے تو پین کو گرم توے پر رکھیں اور دم پر چھوڑ دیں۔ ہرا دھنیا، رائتہ اور سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

سونیا رحمٰن......شاہدرہ

دال گوشت

اجزاء:۔

گوشت — سات سو پچاس گرام
مونگ کی دال — ایک سو گرام
مسور کی دال — ایک سو گرام
چنے کی دال — دو سو گرام
پیاز (باریک کٹی ہوئی) — ایک عدد
تیل — تین چوتھائی کپ
مکس ثابت گرم مصالحہ — ایک کھانے کا چمچ
ادرک لہسن کا پیسٹ — دو کھانے کے چمچ
نمک — ایک کھانے کا چمچ
لال مرچ (پسی ہوئی) — دو کھانے کے چمچ
دھنیا (پسا اور بھنا ہوا) — ایک کھانے کا چمچ
زیرہ (پسا اور بھنا ہوا) — تین کھانے کے چمچ
ہلدی — آدھا چائے کا چمچ
ٹماٹر (بلینڈ کیے ہوئے) — سات سو پچاس گرام
ہری مرچ (ثابت) — آٹھ عدد
لیموں والا نمک — آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا کٹا ہوا — گارنش کے لئے

بگھار کے لئے

گھی — ایک چوتھائی کپ
ثابت لال مرچ — آٹھ عدد
سفید زیرہ — ایک چائے کا چمچ
کری پتے — بیس عدد

ترکیب:۔

مونگ کی دال، مسور کی دال اور چنے کی دال کو بھگو کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب دالوں کو پیاز کے ساتھ اُبال لیں، یہاں تک کہ وہ گل جائیں۔ پھر انھیں ایک طرف رکھ دیں۔ تین چوتھائی کپ تیل گرم کر کے اس میں مکس ثابت گرم مصالحہ، ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسی لال مرچ، دھنیا، زیرہ، ہلدی اور ٹماٹر ڈال کر اچھی طرح فرائی کر لیں۔ اب اس میں بکرے کا گوشت ڈال کر فرائی کر لیں۔ پھر اس میں تین کپ پانی شامل کر کے ڈھک کر پکائیں، یہاں تک کہ گوشت گل جائے۔ اب اس میں اُبلی دالیں اور ثابت ہری مرچ ڈال کر اتنا پکالیں کہ وہ گاڑھا ہو جائے۔ پھر لیموں والا نمک شامل کر دیں۔ بگھار کے لئے: گھی گرم کر کے اس میں گول لال مرچ، سفید زیرہ اور کری پتے ڈالیں۔ پھر اسے دال میں شامل کر کے دس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ اب اسے کٹے ہرے دھنیے سے گارنش کر کے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

نادیہ عاطف......کراچی

alam@naeyufaq.com

نعت

وہ اچھائیوں کو اپنانے والا
برائیوں سے بچانے والا
تہذیب کو بڑھانے والا
بے راہ روی سے ہٹانے والا
کوئی اور نہیں وہ اپنا ہے
وہ نبی ﷺ ہمارا اپنا ہے
خود کو بھلا کر دوسروں کا
ہر حال میں فائدہ چاہنے والا
بھٹکے ہوئے سب لوگوں کو
اندھیروں سے نور میں لانے والا
کوئی اور نہیں وہ اپنا ہے
وہ نبی ﷺ ہمارا اپنا ہے
وہ سب کا اچھا چاہنے والا
رستہ جنت کا دکھانے والا
غریبوں اور مسکینوں کا
سہارا بن کر چھانے والا
کوئی اور نہیں وہ اپنا ہے
وہ نبی ﷺ ہمارا اپنا ہے

شاعرہ: سندس رفیق سندر
عبدالحکیم......

تمہیں اپنا بنانا ہے
ہمارے بس میں ہوتا تمہیں اپنا بنا لیتے
تمہیں سب سے چھپا لیتے
اپنی آنکھوں میں رکھ لیتے
کبھی روٹھنے نہ دیتے تمہیں ہم قید کر لیتے
بس اپنے دل کی دنیا میں
کسی بھی حال میں ہم تمہیں آزاد نہ کرتے
سب ہی دنیا بھلا دیتے، کاش ہمارے بس میں ہوتا
تمہیں اپنا بنا لیتے

شہرین اسلم......شاہدرہ چوک بہاولپور

جنت میں اپنا گھر کر لو

تم ماں ہو ایسی قوم کی
جس کے چرچے ہیں آسمانوں پر
تربیت کر لو اپنے بچوں کی
جنت میں اپنا گھر کر لو
جاگو ان غفلت کی نیندوں سے
اور یاد کرو تم وہ وقت
آزادی کے لیے قرباں ہوئے کچھ اپنے تھے
کچھ خواب تھے ان کے تمہارے لیے
کچھ وعدے لیے تھے تم سے
ان وعدوں کو وفا کر لو
جنت میں اپنا گھر کر لو
اب جاگ اٹھو
بہادری اور شجاعت میں حصہ کر لو
جنت میں اپنا گھر کر لو
تم ایسا ایک عمل کر لو کہ سُرخرو ہو جاؤ
محمد ﷺ کے سامنے
تم جنتی ہو آپ ﷺ نے فرمایا تھا
یہ سوچ کر ہی عمل کر لو
جنت میں اپنا گھر کر لو

سعدیہ خان......بہاولپور

غزل

ہجرتوں کے عذاب اچھے لگے
آنکھ میں تیرے خواب اچھے لگے
جو ترے چاند رخ پہ روشن ہیں
گیسوؤں کے سحاب اچھے لگے
مجھ کو اپنے سوال سے بڑھ کر
آج ترے جواب اچھے لگے
شاخ پر جو بھلے نہ لگتے تھے
زلف میں وہ گلاب اچھے لگے
اس سے مت کر حجاب کی باتیں
جس کو رخ پر نقاب اچھے لگے
جانے کیا بات ہوگئی ہے انصر
آج وہ بے حساب اچھے لگے

نعیم انصر ہاشمی...... جھنگ صدر

طلباء کے نام...... اساتذہ کے جذبات

ابھی ہیں گھونسلے باقی
پرندے لوٹ آئیں گے
ذرا آندھی کو تھمنے دو
چمن سرسبز ہونے دو
پرندے لوٹ آئیں گے
کوئی غنچہ جو چٹکے گا
کہیں خوشبو جو مہکے گی
ستارے جگمگائیں گے
یہ جگنو پھر سے آئیں گے
ہنسی پھر سے لب پہ آئے گی
محبت بانہیں کھولے گی
پرندے لوٹ آئیں گے
وہی قلقاریاں ہوں گی
وہی گلکاریاں ہوں گی
قلم کی روشنائی سے
الف، با، جیم لکھیں گے
ذرا سجنے دو گلشن کو
پرندے لوٹ آئیں گے
تمہیں لکھنا سکھانا ہے
تمہیں پڑھنا سکھانا ہے
ریاضی کے اصول وضوابط اردو کے قواعد
قرآن پاک کی آیات اور پھر ان کے فوائد
اصول کیمیا، ترکیب نحوی، حرف وعقائد
ذرا سجنے دو گلشن کو، ذرا گلزار ہونے دو
پریشاں تم نہیں ہونا، پریشاں ہم کو ہونے دو
ہمیں آتا ہے کیسے، کس کو، کب تعلیم دینا ہے
تمہارا قرض ہے ہم پر، اسے ہم ہی اتاریں گے
ذرا سجنے دو گلشن کو، پرندے لوٹ آئیں گے

شگفتہ خان...... بھلوال

بہ نام کشمیر

سنو ظالموں......!
تم سمجھتے کیا ہو
کہ تمہاری دھمکیوں سے ہم
ڈر جائیں گے؟
نہیں ایسا نہیں ہے
ہمارے دل میں وطن کی محبت ہے
جان دیں گے وطن پہ ہم
تو شہدا میں ہمارا نام ہوگا
جنت میں ہمارا قیام ہوگا
وطن پہ جان دینے سے
لہو اپنا لٹانے سے
ہم ڈٹ جائیں گے
دنیا سے ظلم کو مٹانے سے
ہمارے پاس ہتھیار ہو نہ ہو
کلمہ ہماری طاقت ہے
یہ سبز ہلالی پرچم ہمارا حوصلہ بڑھاتا ہے
گر تم سامنے ہمارے آؤ گے
ہمیں مضبوط اور فاتح تم پاؤ گے
ظلم کا خاتمہ کر جائیں گے
ہمارے دل میں وطن کی محبت ہے

ثناء کنول ناز...... حاصل پور

میرا چمن

اے خدا میرے "چمن" کو سلامت رکھنا
درد و غم سے تو بچا اس کی حفاظت کرنا
خار داروں سے بچا نظر کرم ہو مالک......!
زخم کتنے بھی سہیں ہم پر عنایت کرنا
ہر عداوت سے، بچا اپنی پناہ میں رکھے
لاکھ دشمن جو بنیں اپنی اماں میں رکھنا
قلب مضطر میں ہمیشہ سے عبادت رکھنا
ہے نجم کی یہ دعا پوری اگر ہو جائے
میرے گلشن پہ کبھی بھی نا مصیبت آئے
نوجوانوں کے دلوں میں تو شرارت رکھنا
اے خدا میرے چمن کو تو سلامت رکھنا

نجم انجم اعوان...... کراچی

نظم

دن میں
حسیں تصور تمہارا
آس پاس ہے رہتا
رات کو
لگتے ہی آنکھ

چاند چہرہ
ہے خواب میں میرے
رہے سدا مسکراتا

چوہدری قمر جہاں علی پوری......ملتان

نثری نظم

وہ جو مجھ سے کہتا ہے کہ بہت ناپسند ہوں ناں میں تمہیں؟
میں آج اس کو بتاتی ہوں کہ وہ بھی ناپسند ہے مجھے
تو سنو
اے مہتم بالشان......!
آپ جانتے ہو؟
آپ میری روح کا جزو اعظم ہو
قلب محرور کی حرارت میں
یکسوئی کے عالم میں دل کے نہاں خانوں
چہار اطراف بسے ہو
اے نو بہار حیات......!
میرے دل کے ذریں ورق پر
پوری آب و تاب سے کندہ ہو
روح من......!
آپ کی ہنسی میرے جینے کو بڑھا دیتی ہے
شاہ من......!
آپ کی آواز میرے سکون کا ذریعہ ہے،
آپ کا ہونا میری خوشیوں کی عمریں دراز کرتا ہے
آپ احساس کی دنیا میں میری ملکیت ہو
میرے یار من......!
میں جو آپ کو سوچوں تو میرے جینے کے ارادے رقص
کرتے ہیں
اے روح سخن......!
اے سکون قلب......!
اے متاع حیات......!
کچھ احساسات و جذبات ایسے ہوتے ہیں
جنھیں لفظوں میں پرونے کے لیے، قلم بھی ساتھ نہیں دیتا
اور فہم بھی مگر
اے حبیب من......!
اگر رب کو منظور ہوا
اور قسمت نے ساتھ دیا
آپ پہ وہ لمحہ آشکار ہو جائے گا
کہ آپ کیا ہو میرے لیے

میمونہ ملک......

حماقت

وہ کہتے ہیں کہ اب محبت کون کرتا ہے؟
بھلا یہ حماقت کون کرتا ہے؟
اب دل میں ابھرتے
جذبوں سے لگاوٹ کون کرتا ہے؟
یہ محبت کھیل ہے پل دو پل کا
اب اس کی عمر بھر سجاوٹ کون کرتا ہے؟
تم پاگل ہو جو یہ روگ لگا بیٹھے
اس بات کی حمایت کون کرتا ہے؟
یہ عشق تمہیں لے ڈوبے گا گل
وہ کہتے ہیں کہ اب محبت کون کرتا ہے؟

گلشن چوہدری گل...... گجرات چک محمود

غزل

تمہاری آنکھوں میں اجنبی سی
شبیہہ چھپی ہے زہر لگی ہے
قبائے اہل وفا میں اب کے
شکن پڑی ہے زہر لگی ہے
سکوت میں تھا بحر جفا کا
لہر اٹھی ہے زہر لگی ہے
نظر جھکی تھی گماں تھا قائم
نظر اٹھی ہے زہر لگی ہے
ہمارے نقش وفا کی جانب
لہر بڑھی ہے زہر لگی ہے
جہان جاناں کو لوٹ کر جو
صبا چلی ہے زہر لگی ہے
ابھی تلک تھا خمار باقی
جو مے ڈھلی ہے زہر لگی ہے
تھی رات روشن صبح کی مانند
جو شب ڈھلی ہے زہر لگی ہے

قدسیہ انعام......لاہور

shukhi@naeyufaq.com

حضرت محمد ﷺ

✦ آپ ﷺ جو چادر مبارک اوڑھتے تھے اس کی لمبائی 4 گز اور چوڑائی سوا دو گز تھی۔

✦ آپ ﷺ جو امامہ پہنتے اس کی لمبائی 7 گز تھی۔

✦ آپ ﷺ کو دو خوشبو میں پسند تھیں، عود اور مشک۔

✦ آپ ﷺ جس دھات کی انگوٹھی پہنتے تھے وہ چاندی تھی۔

✦ آپ ﷺ کے پاس 3 تلواریں تھیں، ذوالفقار، آسوز، تابار۔

✦ آپ ﷺ کے پاس 2 اونٹنیاں تھیں، عقبیٰ اور قسویٰ۔

✦ آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر دی، یہ پہاڑی مکہ میں ہے۔

مہوش آفتاب...... کراچی

قول حضرت علیؓ

حضرت علیؓ نے فرمایا ”کوشش کرو کہ تم دنیا میں رہو دنیا تم میں نہ رہے کیونکہ کشتی جب تک پانی میں رہتی ہے خوب تیرتی ہے لیکن جب پانی کشتی میں آجاتا ہے تو وہ ڈوب جاتی ہے۔“

جسم ایک دکان ہے اور زبان اس کا تالا ہے، تالا کھلتا ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ دکان سونے کی ہے یا کوئلے کی۔“

سدرہ مختار...... گجرات

اللہ پاک اپنے بندے کو کس وقت دیتا ہے

فجر...... نور

ظہر...... دولت

عصر...... صحت

مغرب...... کامیابی

عشاء...... پرسکون نیند

آئیے نماز قائم کر کے اپنی زندگی خوب صورت بنائیں۔

”بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔“

جویریہ ملک...... کھروڑ پکا

وجوہات غربت اور محتاجی

غربت اور محتاجی چار چیزوں سے آتی ہے۔

☆ جلدی جلدی نماز پڑھنے سے

☆ کھڑے ہو کر پانی پینے سے

☆ منہ سے چراغ بجھانے سے

☆ آستین یا دامن سے منہ صاف کرنے سے

ناہید تبسم...... جھڈو، سندھ

کسب حلال کی فضیلت

حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بھی اسی کا حکم دیا ہے کہ ”پاک چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔“

اور فرمایا ”اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو دیا ان میں سے پاک (حلال) چیزوں میں سے کھاؤ۔“

پھر فرمایا کہ ایک شخص طویل سفر کرتا ہے جو پریشان حال اور بدن گرد آلود ہے (یعنی کہ اس حالت میں ہے کہ جو دعا کرے وہ قبول ہو) وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے مگر حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟

یعنی اگر قبولیت دعا کی خواہش ہو تو کسب حلال اختیار کرو کیونکہ اس کے بغیر دعا کے اسباب بے کار ہیں۔

ستلی ملک...... لاہور

حضور پاک ﷺ نے فرمایا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حسنؓ کا بوسہ لے رہے تھے۔ تو وہ بولا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو (بچوں اور یتیموں اور عاجزوں اور ضعیفوں پر) رحم نہ کرے اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرے گا۔“ (مسلم)

آفتاب خان...... میر پور خاص، سندھ

سنہری اقوال

۞ اگر گھر میں غریب مہمان آجائے تو قرض لے کر بھی اس کی مہمان نوازی کرو۔

۞ ریا کار گویا خداوند تعالیٰ کی نسبت لوگوں کو زیادہ عزیز رکھتا ہے۔

❁ عورت کی بدخلقی پر صبر کرنے والا حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کے برابر ثواب پائے گا۔

❁ محتاجوں سے مہنگا مال خریدنا احسان میں ہے اور صدقہ سے بہتر ہے۔ بادشاہ کے کارندوں کے ظلم کی باز پرس بادشاہ سے بھی ہوگی اور اس کے کارندوں سے بھی۔

❁ دل صاف نہیں تو فساد برپا ہوگا۔

❁ محبت کے لحاظ سے ہر ایک باپ یعقوب علیہ السلام اور حسن کے لحاظ سے ہر ایک بیٹا یوسف علیہ السلام ہے۔

❁ نام میں کیا دھرا ہے گلاب کو کسی نام سے پکاریں اس کی لطافت اور رنگینی میں فرق نہیں آتا۔

❁ بے شک زبان میں ہڈی نہیں ہوتی لیکن وہ تمہاری کھوپڑی تڑوا سکتی ہے۔

ثمرین الطاف...... حسن ابدال

دلچسپ معلومات

❁ انسانی دل دھڑکتے ہوئے جو پریشر رکھتا ہے وہ خون کو تیس فٹ دور تک پھینک سکتا ہے۔

❁ بڑے کینگرو ایک چھلانگ میں تیس فٹ کا فاصلہ طے کرتے ہیں۔

❁ عورتیں مردوں سے دگنا ہنستی ہیں۔

❁ ایک اوسط انسان دن میں تیرہ مرتبہ ہنستا ہے۔

❁ ذہین لوگوں کے بالوں میں زنک اور تانبا زیادہ ہوتا ہے

❁ دو واحد جانور جو سر گھمائے بغیر اپنے عقب میں دیکھتے سکتے ہیں وہ خرگوش اور طوطا ہے۔

❁ جس وقت آپ شرم سے سرخ ہوجائیں تو آپ کے معدے کا استر بھی سرخ ہوجاتا ہے۔

❁ پہلی ہارلے ڈیوڈسن موٹر سائیکل 1903 میں بنائی گئی تھی اور اس میں کاربوریٹر کی جگہ ٹائر کین استعمال کیا گیا تھا۔

❁ فٹبال کے ایک میچ کے دوران اکثر کھلاڑی سات میل تک بھاگ لیتے ہیں۔

❁ خون کے سرخ خلیے کو پورے جسم کا چکر لگانے میں صرف بیس سیکنڈ لگتے ہیں۔

صنم ناز...... منڈی بہاؤالدین

دھوکا

عہد وفاداری میں ہو یا محبت میں، غلامی میں ہو یا مختاری میں، انسانی اعصاب پر چیونٹیوں کی مانند چمٹ جاتا ہے جس کے بعد انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا وجود کائنات سے کٹ گیا ہو۔ وہ خود کو اتنا خالی محسوس کرتا ہے اور اتنا تنہا کہ اسے پوری دنیا فریب کا جال نظر آنے لگتی ہے۔

رفعت سراج کے ناول "شاہکار" سے اقتباس

آمنہ امداد...... سرگودھا

لطیفہ

چرسی "پہلوان جی! تم ایک وقت میں کتنے لوگوں کو اٹھا سکتے ہو؟"

پہلوان "کم از کم دس لوگوں کو۔"

چرسی "چھوڑو یار! تم سے تو تگڑا میرا مرغا ہے جو صبح پورے محلے کو اٹھاتا ہے۔"

عائشہ پرویز...... کراچی

زندگی کے رہنما اصول

❁ بدترین شخص وہ ہے، جس کے ڈر سے لوگ اس کی عزت کرنے پر مجبور ہوجائیں۔

❁ خونی رشتوں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

❁ اس شخص پر دوزخ حرام ہے جو نرم مزاج اور نرم خو ہو۔

❁ دولت مت جمع کرو کفن میں جیب نہیں ہوتی۔

❁ دنیا کے بازار میں زندگی کا سب سے قیمتی سکہ حوصلہ ہے۔

❁ بلند حوصلہ، بلند مقاصد کی تکمیل ہے۔

❁ بھوکا سو یار ہنا مقروض ہو کر اٹھنے سے بہتر ہے۔

❁ ہم دولت سے ہم نشین حاصل کرسکتے ہیں دوست نہیں۔

❁ زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔

خوف مرگ...... شدت مرض...... ذلت قرض

ماریہ...... ملتان

اچھی باتیں

❁ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں وہ کبھی اچھے دوست نہیں ہوتے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)

❁ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر اعتبار نہ

۞ عورت کی بد خلقی پر صبر کرنے والا حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کے برابر ثواب پائے گا۔
۞ محتاجوں سے مہنگا مال خریدنا احسان میں ہے اور صدقہ سے بہتر ہے۔ بادشاہ کے کارندوں کے ظلم کی باز پرس بادشاہ سے بھی ہوگی اور اس کے کارندوں سے بھی۔
۞ دل صاف نہیں تو فساد برپا ہوگا۔
۞ محبت کے لحاظ سے ہر ایک باپ یعقوب علیہ السلام اور حسن کے لحاظ سے ہر ایک بیٹا یوسف علیہ السلام ہے۔
۞ نام میں کیا دھرا ہے گلاب کو کسی نام سے پکاریں اس کی لطافت اور رنگینی میں فرق نہیں آتا۔
۞ بے شک زبان میں ہڈی نہیں ہوتی، لیکن وہ تمہاری کھوپڑی تڑوا سکتی ہے۔

ثمرین الطاف......حسن ابدال

دلچسپ معلومات

۞ انسانی دل دھڑکتے ہوئے جو پریشر رکھتا ہے وہ خون کو تیس فٹ دور تک پھینک سکتا ہے۔
۞ بڑے کینگرو ایک چھلانگ میں تیس فٹ کا فاصلہ طے کرتے ہیں۔
۞ عورتیں مردوں سے دگنا ہنستی ہیں۔
۞ ایک اوسط انسان دن میں تیرہ مرتبہ ہنستا ہے۔
۞ ذہین لوگوں کے بالوں میں زنک اور تانبا زیادہ ہوتا ہے
۞ دو واحد جانور جو سر گھمائے بغیر اپنے عقب میں دیکھتے سکتے ہیں وہ خرگوش اور طوطا ہے۔
۞ جس وقت آپ شرم سے سرخ ہوجائیں تو آپ کے معدے کا استر بھی سرخ ہوجاتا ہے۔
۞ پہلی ہارلے ڈیوڈسن موٹر سائیکل 1903 میں بنائی گئی تھی اور اس میں کاربوریٹر کی جگہ ٹائر کین استعمال کیا گیا تھا۔
۞ فٹبال کے ایک میچ کے دوران اکثر کھلاڑی سات میل تک بھاگ لیتے ہیں۔
۞ خون کے سرخ خلیے کو پورے جسم کا چکر لگانے میں صرف بیس سیکنڈ لگتے ہیں۔

صنم ناز......منڈی بہاؤالدین

دھوکا

ایک بدصورت فعل کا بدہیئت نام ہے۔

عہد وفاداری میں ہو یا محبت میں، غلامی میں ہو یا مختاری میں، انسانی اعصاب پر چیونٹیوں کی مانند چمٹ جاتا ہے، جس کے بعد انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کا وجود کائنات سے کٹ گیا ہو۔ وہ خود کو اتنا خالی محسوس کرتا ہے اور اتنا تنہا کہ اسے پوری دنیا فریب کا جال نظر آنے لگتی ہے۔
رفعت سراج کے ناول "شاہکار" سے اقتباس

آمنہ امداد......سرگودھا

لطیفہ

چرسی "پہلوان جی! تم ایک وقت میں کتنے لوگوں کو اٹھا سکتے ہو؟"
پہلوان "کم از کم دس لوگوں کو۔"
چرسی "چھوڑو یار! تم سے تو تگڑا میرا امرغا ہے، جو صبح پورے محلے کو اٹھاتا ہے۔"

عائشہ پرویز......کراچی

زندگی کے رہنما اصول

۞ بدترین شخص وہ ہے، جس کے ڈر سے لوگ اس کی عزت کرنے پر مجبور ہوجائیں۔
۞ خونی رشتوں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔
۞ اس شخص پر دوزخ حرام ہے جو نرم مزاج اور نرم خو ہو۔
۞ دولت مت جمع کرو کفن میں جیب نہیں ہوتی۔
۞ دنیا کے بازار میں زندگی کا سب سے قیمتی سکہ حوصلہ ہے۔
۞ بلند حوصلہ، بلند مقاصد کی تکمیل ہے۔
۞ بھوکا سو یا رہنا مقروض ہوکر اٹھنے سے بہتر ہے۔
۞ ہم دولت سے ہم نشین حاصل کرسکتے ہیں دوست نہیں۔
۞ زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں۔
خوف مرگ......شدت مرض......ذلت قرض

ماریہ......ملتان

اچھی باتیں

۞ جو لوگ خود غرض ہوتے ہیں وہ کبھی اچھے دوست نہیں ہوتے۔ (حضرت ابوبکر صدیقؓ)
۞ جو شخص اپنے خلوص کی قسمیں کھائے اس پر اعتبار نہ کرو۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

❁ محبت سب سے کرو مگر اعتبار چند لوگوں پر۔ (حضرت علیؓ)

❁ اچھے لوگوں کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ انہیں یاد رکھنا نہیں پڑتا وہ یاد رہ جاتے ہیں۔ (حضرت علیؓ)

نادیہ فرحان...... بورے والا

تصوف

تصوف وہ اشتیاق ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں اللہ سے ملنے کے لیے اس شدت کے ساتھ موج زن ہوتا ہے کہ اس کی پوری عقلی اور جذباتی زندگی پر غالب آ جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی اسی (اللہ) کو اپنا مقصود حیات بنا لیتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد آٹھ چیزوں پر ہے خصلت، سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، صوف پوشی، سیر، فقر۔

سخاوت ابراہیمؑ سے، رضا اسماعیلؑ سے، صبر ایوبؑ سے، اشارہ زکریاؑ سے، غربت یحییٰؑ سے، صوف پوشی موسیٰؑ سے، سیاحت عیسیٰؑ سے اور فقر حضورﷺ سے۔

الغرض تصوف کی بنیاد دین اسلام کی تعلیمات کے مغز اور نچوڑ پر قائم ہے۔

ایس حبیب...... لودھراں

صدقہ

جب انسان اپنے ہاتھ سے صدقہ دیتا ہے تو صدقہ پانچ باتیں کہتا ہے میں فانی مال تھا تو نے مجھے بقا دے دی۔ میں تیرا دشمن تھا لیکن تو نے مجھے اب دوست بنالیا ہے۔ آج سے پہلے تو میری حفاظت کرتا تھا لیکن آج سے میں تیری حفاظت کروں گا میں حقیر تھا تو نے مجھے عظیم بنادیا پہلے میں تیرے ہاتھ میں تھا اب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوں۔

ام حمنیٰ...... کوٹ مومن

دوستی

❖ دوستی موسم نہیں جو اپنی مدت پوری کرے اور رخصت ہو جائے۔

❖ دوستی ساون نہیں جو ٹوٹ کے برسے چلا جائے

❖ دوستی آگ نہیں جو سلگے' بھڑکے اور بجھ جائے۔

❖ دوستی آفتاب نہیں جو چمکے اور ڈوب جائے۔

❖ دوستی پھول نہیں جو کھلے اور مرجھائے۔

❖ دوستی سانس کا ایک ایسا رشتہ ہے جو چلے تو سب کچھ جو ٹوٹے تو کچھ بھی نہیں۔

امبرین کوثر...... ملتان

لفظ لفظ موتی

+ علم کی محنت اور استاد کی عزت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

+ جو درخت پھل نہیں دیتا وہ کم از کم سایہ ضرور دیتا ہے۔

+ وقت ایسا ترازو ہے' جس کے ایک پلڑے میں زندگی اور دوسرے میں موت ہے۔

+ ہنر انسان کا سب سے بڑا دوست ہے۔

+ وقت کے لامحدود سمندر میں' کتابیں روشنی کا مینار ہیں۔

+ جاہل کی عاجزی عالم کے غرور سے بہتر ہے۔

+ انسان کا انسان سے بڑا رشتہ دکھ بانٹنے کا ہے۔

+ سب سے بے وقوف وہ آدمی ہے جو اپنی مصیبتوں کا ذمہ دار کسی اور کو ٹھہرائے۔

طیبہ مختار...... کورنگی، کراچی

سکھ

دکھ کی گنتی
جانت ہوں میں
سکھ گننا نا آوے
میں ناشکرا میرے مالک
ایک توفیق دلاوے
سکھ گننا سکھلاوے

عالیہ نجمی...... کراچی

حدیقہ احمد

مینی کیور اور پیڈی کیور

مِنی کیور لاطینی زبان کالفظ ہے، جس کا مطلب ہاتھوں کی حفاظت کرنا ہے اور مِنی کیور کا اصل مقصد بھی ہاتھوں کی حفاظت کے ساتھ ان کی خوبصورتی میں اضافہ کرنا ہے۔ پاؤں کی حفاظت کے جدید طریقے کو پیڈی کیور کہتے ہیں۔ کیور نگہداشت کو کہتے ہیں۔ اس کا مطلب صفائی کرنا اور برقرار رکھنا ہے۔ بیوٹیشن کی اصطلاح میں اس سے مراد ہاتھوں اور پاؤں کی صفائی کرنا، زائد مادوں کو زائل کرنا نیز ان کی شیپ بنانا ہے۔

عموماً دیکھا گیا ہے خواتین اپنے چہرے کے حسن وخوبصورتی کے لیے کئی کئی گھنٹے صرف کردیتی ہیں لیکن ہاتھوں اور پیروں کی طرف ان کی توجہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے، جس کا نتیجہ ہاتھوں اور پیروں کا پھٹنا، ایڑیوں کا زخمی ہونا اور چہرے سے پہلے ہاتھوں پر جھریاں پڑنے کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں کو خوبصورت بنانے اور ان کی خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے لیے میں آپ کو کچھ قدیم وجدید طریقے بتارہی ہوں جن کے استعمال سے آپ خوبصورت اور نرم وملائم ہاتھوں کی مالک بن سکتی ہیں۔

ہاتھوں کی روزانہ دیکھ بھال

خوبصورت نظر آنا بلاشبہ ایک فن ہے۔ جس طرح ایک پودے کو زمین کی سطح پر ابھرنے اور پھیلنے کے لیے کھاد، مٹی اور پانی کے مناسب استعمال کی ضرورت ہوتی ہے بالکل اسی طرح حسن کے حصول کا عمل بھی جان جوکھوں کا کام ہے۔ چہرے کے ساتھ ہی لباس اور مناسب جسامت کی موجودگی آپ جاذب نظر بناتی ہے تاہم بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ چہرے کی جلد کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ہاتھوں اور پیروں کا شگفتہ اور دلکش ہونا بھی متوازن شخصیت کے لیے ضروری ہے۔

کہتے ہیں کہ ہاتھ آپ کی شخصیت کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ آپ اپنے ساتھ کس طرح کا سلوک کرتی ہیں۔ اگر آپ متوازن زندگی گزارتی ہیں اور صحت کے اصولوں کو مدنظر رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ اور پیروں کی بھی مناسب دیکھ بھال کرتی ہیں تو یہ آپ کی عمر سے کئی سال کم ظاہر کرتے ہیں۔ ذیل میں چند ایسے ہی روزمرہ نسخوں کا ذکر ہے۔

ہاتھوں کو نرم وملائم بنائیں

☆ ہاتھوں کی جلد بے حد نرم اور پتلی ہوتی ہے اس لیے کوشش کریں کہ اسے دھوپ اور روشنی سے زیادہ سے زیادہ بچایا جائے۔

☆ دن میں کم سے کم چار مرتبہ ہاتھ دھونے کے بعد لوشن استعمال کرنے سے ان کی نرمی زائل نہیں ہونے پاتی۔

☆ ہفتے میں ایک مرتبہ کلینزنگ کریم سے ہاتھوں کی اچھی طرح صفائی کرنے سے داغ دھبوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

☆ روزمرہ کے کام کرنے کے بعد اگر دستانے پہن کر رکھیں جائیں تو ہاتھوں پر کھردراپن غالب نہیں آتا۔ خصوصاً گھر سے باہر جاتے ہوئے کپڑے کے دستانے ضرور ساتھ رکھیں اس کے علاوہ چند گھریلو ٹوٹکے بھی ہاتھوں کی خوبصورتی کو بحال کرنے میں معاونت کرتے ہیں۔

ناخنوں کی دیکھ بھال

ہمارے ناخن ہمارے انگلی کے آخری جوڑ کی جلد کے نیچے سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ حصہ میٹرکس کہلاتا ہے۔ یہاں پر نئے خلیے بنتے ہیں اور مردہ خلیے آگے دھکیل دیے جاتے ہیں۔ یہ خلیے ہمارے ناخنوں کی ہموار اور سخت سطح بناتے ہیں۔ یہ سطح کیوٹیکل کہلاتی ہے۔ کیوٹیکل میٹرکس کی حفاظت کرتی ہے اور ناخن کو جلد سے چپکائے رکھتی ہے تاکہ بیکٹیریا وغیرہ اندر داخل نہ ہوسکیں۔ ناخن ایک ہفتے میں قریباً ایک ملی میٹر کی رفتار سے بڑھتے ہیں مگر یہ تناسب مختلف بھی ہوسکتا ہے۔

☆صحیح غذا ناخنوں کی صحت کے لیے بہت ضروری ہے ۔اس کے علاوہ ناخنوں کو صحت مند رکھنے کے لیے وٹامن B2 اور فولاد بہت ضروری ہے۔ یہ غذائی اجزاء ہرے پتے والی سبزیوں مثلاً پالک اور گوشت وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔کیلشیم کی کمی سے ناخنوں میں سفید دھبے پڑ جاتے ہیں اس کے لیے اپنی غذا میں دودھ اور انڈے شامل رکھیں۔

☆ناخنوں کو سب سے پہلے اوول شکل میں کاٹیں پھر انہیں ریتی سے فائل کریں۔ریتی کا رخ ہمیشہ ناخن کی نچلی طرف سے نوک کی طرف رکھیں پھر ریتی کو نیچے کی طرف لے جانے کے بجائے اٹھا کر دوبارہ نچلی طرف سے نوک کی طرف لائیں۔

☆اس عمل کے بعد صابن ملے پانی میں ہاتھ ڈبوئیں۔ اس پانی میں ڈیٹول بھی شامل کریں۔ یہ عمل ایک ایک ہاتھ کے ساتھ باری باری کریں۔ ہر ہاتھ کو 5 سے 7 منٹ تک بھگوئیں پھر ہاتھ باہر نکال کر اچھی طرح خشک کریں اور مساج کریں۔

ہاتھوں کا مساج

☆مساج اس طرح کریں کہ پہلے ہاتھ کے چاروں جانب ہاتھ چلائیں پھر ہتھیلی کی پشت سے کلائی کی جانب مساج کریں پھر انگلیوں کی اس طرح مالش کریں کہ رخ ناخنوں کی نوک کی جانب ہو اس کے بعد گولائی میں مالش کریں۔ہاتھوں کی حفاظت کا یہ آزمودہ اور پراثر طریقہ ہے۔

ہاتھوں کے لیے گھریلو لوشن

ہاتھوں پر لگایا جانے والا لوشن یا کریم بھی باآسانی گھر پر تیار کیا جاسکتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے۔

☆ایک تہائی پیالی گلیسرین میں دو تہائی پیالی عرق گلاب ملائیں۔اس محلول کو آپس میں باہم اچھی طرح ملانے کے بعد کسی بھی شیشے کی بوتل میں ٹھنڈے اور خشک مقام پر رکھیں اور بوقت ضرورت استعمال میں لاتی رہیں۔یہ محلول دن میں کئی مرتبہ لگایا جاسکتا ہے تاہم رات سونے سے قبل اسے لگانے کے بعد کاٹن کے دستانے پہن لیں۔ہاتھوں کی نرمی اور دلکشی برقرار رہے گی۔

ہاتھوں کے لیے گھریلو کریم

☆ایک انڈے کی سفیدی میں 2/1 چھوٹی بوتل گلیسرین کی اور اتنی ہی مقدار شہد کی ملالیں۔ پھر پسی ہوئی جوار اتنی ملائیں کہ کریم کی طرح کا پیسٹ بن جائے۔اس سے ہاتھوں کا مساج کریں۔

☆ایک انڈے کی زردی میں 2/1 کپ روغن بادام مکس کرلیں۔ پھر اس میں چمچ عرق گلاب 2/1 چمچ ٹنکچر اور ایک لیموں کا رس ملا کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔اسے بوتل میں بھرلیں اور صبح شام ہاتھوں کا مساج کریں۔

سخت کیوٹیکل

☆اگر آپ کو اپنے کیوٹیکل پیچھے دھکیلنے میں دشواری ہو رہی ہو تو کیوٹیکل کریم لگانے سے پہلے کچھ دیر ہاتھ پانی میں بھگولیں۔اس سے سخت کیوٹیکل نرم ہوجائیں گے اور ہینگ نیل سے بھی بچاؤ رہتا ہے۔ یہ بات ذہن میں رکھیں کہ کیوٹیکل آپ کے ناخنوں کی حفاظت کرتی ہے اس لیے اس کی حفاظت بھی بہت ضروری ہے۔

☆اپنے ناخنوں کو کچھ دیر صابن والے پانی میں بھگوئیں یا پھر تھوڑے سے پانی میں لیموں کی ایک قاش ڈال دیں اور اس میں ناخن بھگوئیں۔اس عمل سے نہ صرف ناخن میں جما ہوا میل صاف ہوجائے گا بلکہ کیوٹیکل بھی نرم ہوجائیں گے اور اسے پیچھے کرنا آسان ہوجائے گا۔

☆اگر آپ کے ناخن بہت زیادہ خشک ہیں یا کیوٹیکل زیادہ جمی ہوئی ہے تو نیم گرم زیتون یا بادام کے تیل میں ناخن بھگوئیں۔

☆اس کے علاوہ سفید سر کے یا لیموں کے رس میں ناخن بھگونے سے بھی سخت ناخن بہتر ہوجاتے ہیں۔

وزن نہ بڑھے

بچے کی پیدائش کے بعد چالیس دنوں میں جو غذا وغیرہ بھی کھائی جائے اگر فوراً تھوڑا سا نوشادر پانی سے نگل لیں اور ہر ڑ منہ میں رکھ کر چباتی رہیں تو وزن نہیں بڑھے گا۔

پھانس نکالنا

☆اگر ہاتھ میں پھانس چبھ جائے تو فوراً پیاز کا ایک پرت گرم کر کے پھانس والی جگہ پر رکھیں پھانس خود بخود اوپر آ جائے گی۔

☆اگر آپ کو پھانس چبھ جائے تو ریز ریا سوئی تک رسائی سے پہلے اسکاچ ٹیپ کو تلاش کریں۔ پھر پھانس کے اوپر اسکاچ ٹیپ لگا دیں اور پھر اسے کھینچ لیں۔

جسم کی گرمی دور

بیماری کی وجہ سے جسم میں چنگاریاں سی نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہوں یا ہاتھ پاؤں جلتے ہوں تو ایسے میں خشک دھنیا پیس کر ہم وزن مصری ملا کر کھائیں یا سبز دھنیا کوٹ کر اس میں مصری ملا کر پئیں جسم کی گرمی کا اثر زائل ہو جائے گا۔

پھلوں سے علاج

☆انار کھانے سے بھوک کھل کر لگتی ہے۔

☆اجوائن کے استعمال سے بڑھا ہوا پیٹ کم ہو جاتا ہے۔

☆جامن کے استعمال سے ذیابطیس (شوگر) کنٹرول ہو جاتی ہے۔

☆سنگترہ دماغی کام کرنے والوں کے لیے مفید غذا ہے۔

☆سونف کا مستقل استعمال بصارت کی حفاظت کرتا ہے۔

☆شہتوت گلے کی بیماری میں انتہائی مفید ہے۔

☆کیکر کا پھول دل کو طاقت دینے کی خاص دوا ہے۔

☆گاجر امراض قلب میں مفید ہے۔ معدہ کی تیزابیت اور جلن کو دور کرتی ہے۔

☆پھل اور سبزیوں کا استعمال دائمی قبض کو دور کرتا ہے۔

☆لہسن موٹاپے اور بلڈ پریشر کو دور کرنے کی قدرتی دوا ہے۔

دانت نکلنے کی تکلیف سے نجات

تھوڑے سے شہد میں معمولی مقدار میں سہاگہ ملا کر دن میں دو سے تین مرتبہ روئی سے مسوڑھوں پر ملنے سے بچوں کے دانت نکلنے میں آسانی ہوتی ہے۔ بخار کی شکایت اور تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔

موٹاپا گھٹائیں

☆اجوائن، میتھی دانہ، سویا کے بیج، سونف ہم وزن لے کر سفوف بنالیں۔ صبح نہار منہ ایک چائے کا چچ پانی کے ساتھ لے کر آدھے گھنٹے بعد ناشتہ کریں۔

☆نیم کے پتے منگوائیں 5 یا 6 پتے 2 گلاس پانی میں ابال کر جب بھی کھانا کھائیں آدھا گلاس پی لیں۔

☆آدھا چائے کا چچ اجوائن نہار منہ اور آدھا سوتے وقت پانی کے ساتھ کھالیں۔ بڑھے ہوئے پیٹ کو کم کرنے میں معاون ہے۔

☆کریلوں کو بیج کے ساتھ چھوٹا چھوٹا کاٹ کر سائے میں سکھالیں۔ صبح نہار منہ ایک چچ پانی کے ساتھ کھالیں۔ چاہیں تو سفوف بنالیں۔

☆رات سوتے وقت آدھا گلاس پانی پئیں۔ اس کے بعد کچھ نہ کھائیں۔

☆چائے کی کالی پتی کا قہوہ بنالیں۔ اس میں آدھا لیموں نچوڑ کر ہر کھانے کے بعد پئیں۔

☆ہر کھانے کے بعد 2 چچ دہی کھالیں۔ بہت فائدہ مند ہے۔

☆روزانہ صبح نہار منہ 3 عدد انجیر کھانے سے موٹاپا کم

ہوجاتا ہے۔

☆موٹاپے سے نجات کے لیے کلونجی کا باریک سفوف کریں اسی کے برابر چینی ملالیں اور ہر صبح وشام استعمال کریں اس کے ساتھ کالی مرچیں بھی پانی کے ساتھ پھانکیں۔

جلن دور کرنے کے لیے

☆باورچی خانے میں کام کرتے ہوئے یا کپڑے استری کرتے ہوئے اکثر بے خیالی میں ہمارا ہاتھ جل جاتا ہے۔ جسم کا کوئی بھی حصہ اگر جل جائے تو جلن دور کرنے کے لیے چند گھریلو ٹوٹکے پیش ہیں تا کہ فوری طور پر جو علاج بھی ان میں سے ممکن ہو آپ کرلیں۔

☆جب بھی اولے پڑیں تو ان کو صاف بوتل میں محفوظ کرلیں یہ پگھل کر پانی بن جائے گا جسم کا کوئی حصہ جل جائے تو یہ پانی روئی کی مدد سے لگائیں آرام ملے گا۔

☆جلی ہوئی جگہ پر فوراً گلیسرین لگادینے سے ٹھنڈک پڑجاتی ہے اور چھالے بھی نہیں پڑتے۔

☆جلی ہوئی جگہ پر فوراً کیسٹر آئل لگائیں۔

☆جلے ہوئے حصے پر تھوڑا سا ٹوتھ پیسٹ لگادیں آرام آجائے گا۔

☆جسم کے جلے ہوئے حصے پر گوندھا ہوا آٹا لگادیں ٹھنڈک محسوس ہوگی اور چھالے بھی نہیں پڑتے۔

☆بھاپ سے جلنے کی صورت میں آلو کے ٹکڑے کرکے ملیں۔

☆جلی ہوئی جگہ پر شہد لگائیں زخم جلدی ٹھیک ہوجائیں گے۔

☆جلے ہوئے حصہ پر برف سے ٹکور کریں۔

جسم کے جلے ہوئے حصے کا علاج

جلے ہوئے پر ہرا دھنیا اچھی طرح پیس کر لیپ کردیں تو آبلہ نہیں پڑے گا۔ زخم جلد ٹھیک ہوگا اور جلن محسوس نہیں ہوگی۔

پودینے سے علاج

☆پودینے کی پتیاں خوشبودار اور معمولی ترش ہوتی ہیں۔ پودینے کے بے شمار فوائد ہیں۔

☆پودینہ وبائی زہر کا تریاق ہے۔

☆بلغم اور پیٹ کے کیڑے ختم کرتا ہے۔

☆بند پیشاب جاری کرتا ہے۔

☆زبان پر خشونت آجائے تو اس کے پتے رکھنے سے آرام ملتا ہے۔

☆مسوڑھوں میں درد کی صورت میں اس کے پتے چبانا مفید ہوتا ہے۔

☆چوہے، بلی کے کاٹنے کی صورت میں پودینہ پیس کر لگانے سے آرام ملتا ہے۔

☆ناک، کان میں خارش ہو یا کیڑے پڑجائیں تو پودینے کا رس ٹپکانے سے فائدہ ہوتا ہے۔

☆موشن لگنے اور پیٹ میں درد کی صورت میں تازہ پودینہ کی ایک گٹھی ایک تولہ، کالی الائچی پانچ عدد پیس کر پانی میں جوش دے کر ایک کپ پلانے سے فائدہ ہوتا ہے۔

☆پودینے اور پھٹکری کو جلا کر پیس کر رکھ لیں۔ بطور منجن دانتوں پر ملنے سے درد میں افاقہ ہوگا۔

☆ہیضے میں کالی الائچی اور پودینے کے پتے ابال کر بطور چائے پلانے سے ہیضہ ختم ہوجاتا ہے۔

☆متلی کی صورت میں چھ گرام پودینے کے پتے، انار دانہ ایک تولہ، دس تولے پانی میں جوش دے کر پلانے سے فوراً فائدہ ہوتا ہے۔

☆پیٹ درد اور بھوک بڑھانے کے لیے یہ چورن بنا کر ضرور گھر میں رکھیں۔ پہاڑی پودینہ پسا ہوا ایک پیالی، کالا نمک پسا ہوا آدھی پیالی، نوشادر پسی ہوئی آدھی پیالی، اجوائن پسی ہوئی آدھی پیالی سب چیزیں مکس کرکے برنی میں رکھیں۔ ضرورت کے وقت ایک کھانے کا چمچ بطور چورن کھالیں یا پانی سے نگل لیں۔ بہترین فائدہ ہوگا۔

husan@naeyufaq.com

جوہی احمد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ، اللہ رب العزت کے بابرکت نام سے ابتدا ہے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ خوشیاں حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی ذات سے کسی کو کوئی دکھ نہ دیں بلکہ دوسروں کو خوش کرنے کا ذریعہ بنیں۔ آپ کی کسی بات سے اگر کسی کے لبوں پر مسکراہٹ آجائے تو یہ بھی نیکی ہے۔ آیئے بڑھتے ہیں آپ کے تبصروں کی جانب۔

عائشہ شکیل...... گوجرہ۔ السلام علیکم! امید ہے کہ سب رائٹرز اور ریڈرز خیریت سے ہوں گے اور کیسی گزر رہی ہے سب کی برسات اور جوہی آپی ما بدولت عرصے بعد آپ کی محفل میں تشریف لائی ہیں کوئی تھوڑا بہت استقبال تو بنتا ہے ناں ہی ہی ہی ہی۔ اچھا اب بڑھتے ہیں تبصرے کی جانب۔ حجاب بارہ تاریخ کو ملا۔ حالانکہ توقع بالکل نہیں تھی کیونکہ لاک ڈاؤن تھا اور ٹرانسپورٹ تو اب بھی بند ہے۔ خیر یہ تو اللہ کا کرم ہوگیا کہ مل گیا۔ ماڈل ہما اقبال اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے بعد "بات چیت" پڑھی اور آپی رخ کی وفات کا بہت دکھ ہوا اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین۔ "حمد و نعت" ہمیشہ کی طرح زبردست رہیں پھر پہنچے آپی ماورا کے ناول "مرگ تمنا" پر ہائے اب پھر مجتبیٰ کہیں واپس مختیار احمد کے حجرے میں نہ چلا جائے۔ ضیغم ایک اچھا لڑکا ہے ہوسکتا ہے، داؤد اور عزت کی آپس میں بات چیت بن جائے خیر پکا نہیں ہے اور نور العین اور مجتبیٰ، حازم کو کہاں فٹ کرنا ہے چلیں جو آپ لکھیں ہم کو سب قبول ہے۔ "عشق نگر کے مسافر" اب کیا ہوگا بس ماریانہ کو بچا لینا نمرہ آپی، بخت محل کے راز کھول دیں اب شبنم بھی وہاں پہنچ چکی ہے اب کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوگا۔ "سقوط ڈھاکہ" ابھی نہیں پڑھا کیونکہ ابھی ہم اداس ہیں اور کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے اگلی بار پڑھیں گے۔ "مجھے تم سے محبت ہے" ہیں اچھا۔ ہی ہی ہی، بہت اچھا ناول تھا امجد نے بہت اچھا کیا جو اس جلال رحم کو خود برا کو پاس ہونے دیا اور غانیہ نے بھی بالکل ٹھیک کیا سچ میں بندے کا خوف اس وقت بالکل ختم ہوجاتا ہے جب اسے زندگی دور جاتی نظر آتی ہے پھر اسے کوئی دلچسپی نہیں رہتی جو مرضی ہو بلا سے۔ ناولٹ میں "مہرالنسا" ویسے پھوپو نے اچھا نہیں کیا مہر کے ساتھ لوگ کیسے بدل جاتے ہیں ضرورت پوری ہوتے ہی، انسان کو ایسا کردیتے ہیں جیسے اس کی ذات سے ان کا کبھی کوئی واسطہ نہ پڑا ہو پر یہ دنیا بھی مکافات عمل ہے کسی نہ کسی صورت میں اپنے کیے کی سزا ضرور مل جاتی ہے لیکن بعض اوقات انسان کو اس کا احساس بھی نہیں ہو پاتا۔ "تتلی تتلی لہراتے ہو" سچ بات ہے بالکل جو ہر کسی کے ساتھ فری ہو جائے وہ کبھی ایک کے ساتھ مخلص ہو ہی نہیں سکتا پھر پہنچے افسانوں کی دنیا میں اس بار دل خوش ہوگیا جی۔ "نئے موسم کی سحر" بالکل محبت تو ہوجاتی ہے لیکن جب دونوں فریق ایک ہوجائیں تو قبول کرلینا چاہیے کیونکہ میاں بیوی میں تفرقہ ڈالنا تو شیطان کا کام ہے۔ "محافظ" بالکل عورت کے لیے مرد ہی دروازہ ہوتا ہے ورنہ اونچی دیواریں بھی انسان نما درندے پھلانگ لیتے ہیں۔ "مروت" سچی یہ کہانی تو بالکل حقیقت ہے انسان مروت میں چپ کرجاتا ہے اور ڈھیٹ لوگ بے اثر ہوتے ہیں۔ "جواب" بالکل اب وہ زمانہ ہے اینٹ کا جواب اینٹ سے ہی دو تا کہ اگلا آپ کا سر نہ پھاڑے اور مجھ بھی جائے۔ "چبھن" افففف عورت کبھی نہیں برداشت کرتی کسی کی شراکت اور مرد کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ "کیسے بھی ہیں مہرباں" ایسا ہی ہے جب خود کو ضرورت ہوتی ہے تب لوگ بہت اچھے بن جاتے اور جب اگلے پر مصیبت پڑ جائے تو ہو تو کون میں کون۔ "بزم سخن" میں سبھی کے اشعار اچھے تھے۔ "کچن کارنر" معافی دونوں کان پکڑ کر برتن دھو سکتے پر کھانا پکانا نہ نہ وہ بھی جب خود نہ کھانا ہو تو پھر کیا فائدہ؟ ہاہاہاہاہاہا۔ "موج سخن" میں سیما غزل، فصیحہ آصف، ایس انمول، علمہ شمشاد، کوثر خالد سودا، شگفتہ خان، یاسمین عندلیب، سامعہ ملک کی شاعری پسند آئی۔ "شوخئی تحریر" میں سب نے زبردست لکھا۔ "ٹوٹکے" "حسن و آرائش" اچھے رہے۔ "حسن خیال" میں سب کے تبصرے شاندار تھے پر مختصر تھے اچھا اب میں چلتی ہوں جوہی آپی زندگی رہی تو اگلے ماہ ملاقات ہوگی او کے جی بائے بائے اللہ حافظ۔

☆ عائشہ شکیل! تمہارا استقبال سر آنکھوں پر۔ جم جم آؤ محفل میں، خوب رونق لگاؤ۔

گلشن چوھدری گل...... گجرات چک محمود۔ حجاب فرینڈز کیسے ہیں آپ سب۔ بہت مہینوں بعد حجاب میں تبصرہ کرنے لگی ہوں۔ حجاب ملا بارہ ستمبر کو۔ ٹائٹل ٹھیک ہی تھا کچھ نیا نہیں تھا۔ ان سب سے تو اچھا ہے برائیڈل فوٹو شوٹ کروالیا کریں۔ سب سے پہلے "حمد و نعت" پڑھی اس کے بعد افسانے پڑھے۔ "نئے موسم کی سحر" اچھا تھا چاندنی کنڈیار نے نیا نام ملا ہے پڑھنے کو۔ "محافظ" صدف ثناء نے ایک اچھا نکتہ اٹھایا کہ دروازے سے زیادہ گھر کے مرد سے حوصلہ ہوتا ہے۔ "مروت" قراۃ العین سکندر کی مروت آج کل سمجھو ہر گھر کا یہی مسئلہ ہے۔ "کیسے بھی ہیں مہرباں" فرزانہ صغیر کا افسانہ بہت ہی اچھا لگا۔ "جواب اور چبھن" بھی اچھے تھے اس بار افسانے زیادہ بھی تھے اور اچھے بھی۔ ناولٹ میں "مہرالنسا" مسکان نور نے ناولٹ اچھا لکھا، جب تک پھوپو کی اپنی اولاد نہ تھی تب تک مہرالنسا پیاری تھی اپنی اولاد کے بعد سے انہیں مہرالنسا کھٹکنے لگی، دوسروں کی اولاد تب تک اچھی لگتی ہے جب تک اپنی نہ ہو انختام اچھا ہوا۔ "تتلی تتلی لہراتے ہو" مہوش اسد شیخ کا ناولٹ آج کی نوجوان نسل کے لیے بہترین تھا۔ "موج سخن" میں نادیہ رئیس، خزینہ اور باقی سب کے شعر اچھے تھے۔ "کچن کارنر" میں ہرا مصالحہ چکن اور چکن آملیٹ بڑا اچھی ریسپی تھی۔ "ٹوٹکے" سب ہی اچھے تھے اس میں چہرہ اور ہاتھوں پاؤں کے لیے بھی ٹوٹکے دیں۔ "آرائش حسن" بھی اچھا تھا۔ "شوخئی تحریر" میں سب ہی نے اچھا لکھا۔ "حسن خیال" میں ثنا فرحان، پروین افضل آپی، مہرین آفتاب، غزل کو پسند کرنے کا شکریہ اور یوں ختم ہوا حجاب۔

☆ گلشن! اتنے مہینوں بعد تبصرہ نہ کرو جلدی جلدی کیا کرو۔ آئندہ انتظار مت کروانا۔

سارہ عمیر...... سعودی عرب۔ السلام علیکم! کیسے ہیں سب ان شاء اللہ امید ہے سب خیریت سے ہوں گے اور یقیناً میرا خط ہی پڑھ رہے ہوں گے۔ ستمبر کا شمارہ موصول ہوا تو دیکھ کر اتنی خوشی ہوئی کہ دیار غیر میں اپنائیت کا احساس ہوا۔ سب سے پہلے سرورق دیکھا بس ٹھیک تھا کیونکہ

مجھے تو ابھی تک ٹائٹل پہ دلہنیں ہی پسند ہیں (اف میری خواہشیں دلہن بن کے بھی پوری نہیں ہوئیں) ماڈل کی آنکھوں میں سرخ ڈورے کو غور سے دیکھا تو سمجھ گئی اسے بھی میری طرح لینس لگا کے آنکھوں میں سرخی آنے اور آنسو نکلنے کا مسئلہ ہوگا۔ چلیں اب کیا بیچاری ماڈل کے پیچھے پڑیں آگے چلتے ہیں۔ سب سے پہلے "بات چیت" میں سعیدہ آپا کی باتیں پڑھیں، مرحومہ رخ چوہدری کے متعلق پڑھ کر بہت افسوس ہوا، ایک عہد تمام ہوا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین۔ سعیدہ آپا کی بات سے سو فیصد متفق، کرونا کی وبا کے بعد بچے بہت ہی سہل پسند ہو گئے ہیں زمانے کے چیلنجز سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ ان میں کم ہے۔ جہاں تک بات زبان سکھانے کی ہے، بالکل مختلف زبانیں سیکھنی چاہیں اور اس میں مہارت بھی بہت ضروری ہے (یہ اور بات کہ ہمیں انگریزی ہاردو ہی آتی ہے اور عربی اتنی آتی ہے کہ کوئی راستہ پوچھے تو بتا دیتی ہوں ہاہاہا رے ہنسنے کے علاوہ، سچ یہی ہے کہ جہاں بھی سفر کرو عورتیں بس مسجد اور واش روم کا راستہ ہی پوچھتی ہیں تو میں ٹھیک ٹھیک بتا دیتی ہوں) اب بیٹے کی لازمی عربی کے ساتھ خود بھی عربی پڑھنے کی کوشش ہوتی ہے کیا کریں تیاری بھی تو کروانی ہوتی ہے۔ عربی کا ذخیرہ الفاظ ابھی تک جملے کے ایک سے دو الفاظ پہ ہی مشتمل ہے اور ہم نے دو تین جملوں پہ ہی سعودیہ میں سات سال گزار لیے ماشاء اللہ۔ ان دو تین جملوں کی کہانی پھر کبھی۔ سالگرہ نمبر کی آمد کا پڑھ کر دل جھوم اٹھا۔ بس جی اب قلم کو بیدار کر کے سالگرہ نمبر کے لیے کچھ لکھنا ہے۔ میری باتوں کی پٹاری سے تو باتیں نکلتی رہیں گی کہانیاں کا تبصرہ رہ جائے گا۔ "حمد اور نعت" ماشاء اللہ بہت اچھی تھیں۔ آگے "سقوط ڈھاکہ" کوٹاتے ہوئے آگے بڑھے کیونکہ اتنی تعریف سنی ہے اکھٹے پڑھیں گے ناں۔ پہلی کہانی "نئے موسم کی سحر" پڑھی شروع میں لگا کہ کہانی پہ اتنی گرفت نہیں، انگریزی الفاظ کی کثرت اور چھوٹے چھوٹے سین مگر کہانی نے جان پکڑی اور بہت اچھی طرح تسلسل سے چلی بہت داخرہ آیا پڑھ کر اگلے صفحات پہ، بہت پیاری دوست ماورا طلحہ جی بڑا احسان تھیں اس لیے ہم بغیر آواز کیے وہاں سے کھسک لیے ماورا کا وعدہ، ساری اقساط اکھٹی پڑھوں گی، ماورا کی اور میری زیادہ چیٹ یہی ہوتی ہے "المجارۃ" آرہی ہو نہیں ارہی ہو، کب آرہی ہو؟ جیسے ہم فون پہ یہی دہراتے رہتے آواز آرہی ہے نہیں آرہی ہے، کبھی آرہی ہے کبھی نہیں آرہی ہے۔ ماورا سے ان شاء اللہ جب ملاقات ہوگی شاید ہم دونوں نے باتیں کر کر کے ایک دوسرے کے کان کھا جانے ہیں جتنا ہم دونوں کو بولنے کا شوق ہے۔ "محافظ" کہانی پڑھ کر افسوس ہوا، ایک عورت اپنے شوہر سے گھر کا دروازہ کھلوانے کا کہتی ہے مگر جب اس کے گھر دروازہ لگ جاتا ہے تو شوہر کے مرنے کے بعد پڑوسی ہی اس کے گھر آ گھستا ہے۔ صدف ثنا مطالعہ وسیع کیجیے آپ اچھا لکھ سکتی ہیں (میں نے آپ کی پہلی کہانی پڑھی ہے اس لیے یہ مشورہ دے دہی ورنہ یہ مشورہ مجھے چھ سال سے مستقل لکھنے کے بعد بھی روزانہ ملتا ہے ہاہاہا) حمیرا امی کا ناول "مجھے تم سے محبت ہے" بہت ہی کمال تھا، کہانی ونی کے مسئلے سے شروع ہوئی دوسری شادی پہ جا پہنچی، کہانی میں ربط و تسلسل اتنا تھا کہ بے جا طوالت اور بار بار ایک ہی بات کی تکرار بھی گراں نہیں گزری۔ بہت عمدہ لکھا حمیرا آپ نے، اسجد کا کردار اچھا لگا، غانیہ اور بینش کا مقابلہ بھی ٹکر کا رہا۔ چھوٹی سی پیاری سی تحریر "مروت" اچھی لگی، واقعی بے مروت انسان کو بری طرح مار دیتی ہے، اختتام تک تحریر پہ گرفت قائم رکھی قرۃ العین سکندر ماشاء اللہ اچھی کاوش۔ "چبھن" نسیم سحر کی تحریر مختصر مگر اچھی تحریر تھی۔ "ایسے بھی ہیں مہرباں" فرزانہ صغیر کی تحریر بھی مختصر اور پراثر تھی، دنیا میں ایسے لوگوں کی بالکل کمی نہیں۔ مہوش اسد کی "تتلی تتلی اہراتے ہو" بھی اچھی لگی پہلے تو "تم میرے ہو" جیسی کہانی لگی شوہر کے ہوتے ہوئے کسی اور مرد کے متعلق سوچنا، ایسا ہمارے معاشرے میں کافی کم ہوتا ہے مگر ہوتا ضرور ہے اختتام نے بہت اچھے طریقے سے کہانی اور کرداروں کو سمیٹ لیا زبردست۔ "جواب" شازیہ الطاف کی تحریر بھی اچھی تحریر تھی مگر کہیں کہیں مکالموں کی کمی محسوس ہوئی بہر حال اچھی کوشش تھی۔ سب سے آخر میں "مہر النسا" پڑھی، بہت اچھی تحریر مسکان نور تو بہت اچھا لکھتی ہیں اچھی تحریر تھی۔ "موج سخن" اور "شوخی تحریر" کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔ "حسن خیال" میں ایمن غفور کا تبصرہ پڑھا میری بھی تعریف کی (آپ کا الگ سے شکریہ) پروین افضل شاہین دیکھیں میں نے پھر حاضری لگوالی، سحرین آفتاب، بہت شکریہ آپ سب کی محبتوں کا اس لیے دوسری بار بھی شرکت کر لی۔ عائشہ صدیقی، فرخندہ کاشف، طائرہ افتاب، عروج انور، مدیحہ سلطان، کنول ناز، ثنا فرحان کے تبصرے بھی اچھے تھے۔ بس میری ایک کہانی "اے محبت تجھے الوداع" کے متعلق بتایا گیا تھا کہ قابل اشاعت ہے کیا وہ آئندہ مہینوں میں شائع ہونے کا امکان ہے؟ الحمد للہ آنچل ڈائجسٹ سے میری کہانی "ذرا سی بھول" منتخب ہونے کی اطلاع ملی ساتھ ما بدولت کو خط میں پردیس کا حال احوال لکھنے کو بھی کہا گیا، پردیس کے حال پہ خط کیا ایک ناول لکھا جا سکتا ہے مختصراً یہی بتا سکتی ہوں کہ مکہ کی جانب سفر کا قصد کیا تو الریاض سے نکلتے رسالہ پڑھنا شروع کیا تھا اور طائف پہنچتے رسالہ اور تبصرہ دونوں مکمل ہو چکے الحمد للہ۔ اب دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عمرہ قبول فرمائے اور آپ سب کی بھی دلی حاجات کو قبول فرمائے آمین۔ ستمبر کا مہینہ سعودیہ میں بہت خاص ہوتا ہے کیونکہ تیئس ستمبر کو "یوم الوطنی" منایا جاتا ہے اور پورے ملک کو سبز اور سفید کر دیا جاتا ہے۔ ستمبر شروع ہوتے ہی یوم الوطنی کی سیلز، پروموشن، ڈیکوریشن اور سبز سفید کپڑے ہر جگہ دکھائی دینے لگتے ہیں۔ سعودیہ میں رہنے والے چودہ اگست اور تیئس ستمبر دونوں ہی جوش و خروش سے مناتے ہیں۔ پاکستان کی طرح یہاں بھی مختلف پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں جیسے آتش بازی کے مظاہرے، ایئر شو، فنکشن وغیرہ اگر کوئی ایسا سلسلہ ہو جس میں سعودیہ کا زیادہ احوال بیان کر سکوں تو ضرور کروں گی کیونکہ اب تو مجھے یہ لگتا ہے زیادہ طویل خط کہیں ردی کی ٹوکری میں ہی نہ چلا جائے اس لیے اللہ حافظ۔

☆ پیاری سارہ! تمہاری پٹاری میں معلومات کے خزانے ہیں اور بہت چٹ پٹا تبصرہ کیا ہے تم نے۔ پردیس کا حال گاہے بگاہے لکھتی رہا کرو۔

ثمینہ فرحان...... ملتان ۔اس بار بھی تبصرہ جلدی ارسال کر رہی ہوں جو ہی شامل کر دینا ورنہ میں نے بھی ڈنک چلے جانا ہے۔ آگے آپ خود سمجھ جائیں۔ اگر آپ چاہیں تو کمالیہ کا ٹکٹ بھیج دیں مگر بشرط تبصرہ شامل نہ کریں۔ اس بار ٹائٹل بہت سادا تھا بھئی کیوں؟ صرف لائٹ ہی نظر آرہا تھا۔ اب ہم جیسی خوب صورت لڑکیاں اتنا میک اپ کیوں کریں اس میک اپ کی ضرورت ہمیں نہیں آپ کو ہوگی۔ (چاہیں تو برا منا جائیں، ورنہ اگنور کریں) فہرست پر نظر ڈالی۔ افسانوں میں نئے نام دیکھ کر اچھا لگا اور یہ کیا ناولٹ "دو گز" ارے واہ مزہ آ گیا۔ اس بار حجاب کو دیکھ کر یوں لگا جیسے پرانا وقت لوٹ آیا ہے یا پرانا حجاب ہاتھ آ گیا ہے۔ سب سے پہلے "عشق نگر کے مسافر" پڑھی، یہ کیا بھئی قسط ختم کہاں ہوئی تھی اور شروع کہاں سے ہوئی کچھ

سمجھ میں نہیں آئی اور نہ ہی پچھلی قسط کا کوئی ذرا سا بھی بچ اس میں شامل تھا یوں لگ رہا تھا جیسے بندہ چلتے چلتے کسی غلط راستے پر موڑ گیا ہو ایسے بھی کوئی کرتا ہے بنداجی افسوس ہوا۔ "مرگ تمنا" کہانی کچھ کھل رہی ہے پر مزہ نہیں آ رہا ایک تسلسل سے نہیں پڑھی جاتی یہ کہانی اس کے درمیان میں بہت سے دوسرے کام بھی ہوجاتے ہیں۔ "مجھے تم سے محبت ہے" کہانی اور اچھی ہوسکتی تھی، چودھری امجد جیسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو کسی پر ظلم ہوتے دیکھیں اور آواز بلند کریں پر خود بھی روایتی مرد کی طرح دوسری شادی کا شوق دل میں رکھتے تھے خیر ان کی دال نہیں گلی حمیرا اعلیٰ شاندار تحریر پر داد قبول کریں اور جلد ہی دوبارہ نئی تحریر کے ساتھ حجاب میں شامل ہوجائیں۔ "تتلی تتلی لہراتے ہو" موضوع اچھا تھا ہر لڑکی اپنے شوہر میں آئیڈیلزم ڈھونڈتی ہے یہی کام نوشی نے بھی کیا پر یہ بھول گئی کہ ہر مرد ایک جیسا نہیں ہوتا جب ہی تو ان مردوں پر لکھنا مشکل ہے (ہاہاہاہا) یہ تحریر دلچسپ تھی۔ "مہر النساء" سو سو تھی۔ "جواب" شازیہ الطاف ہاشمی اپنے منفرد انداز تحریر کے ساتھ گھریلو کہانی لیے حاضر تھیں۔ "چبھن" نسیم سحر نے بھی خوب انصاف کیا مرد کی محبت کب بدل جائے پتا ہی نہیں چلتا اس لیے عورت کو اسے قابو میں رکھنے کے لیے خود پر تو جدت لانی پڑتی ہے۔ "کیسے بھی ہیں مہربان" اچھی تحریر تھی ضرورت پڑنے پر ہی لوگوں کا اصل روپ سامنے آتا ہے۔ "مروت" قرۃ العین سکندر کی تحریر اچھی تھی۔ "کچن کارنر" یہ سلسلہ ہر ڈائجسٹ میں ہوتا ہے اس لیے اس کو ختم کردیں یا پھر اس کی جگہ مقابلہ کرائیں آسان سے کھانوں کا۔ "موج سخن" میں کافی عرصہ بعد پرانے نام دیکھے اچھے لگے اور شاعری بھی اس بار اچھی تھی۔ "شوخی تحریر" میں ماہ رخ آفتاب، ثمینہ ارشاد اور دیگر کے انتخاب اچھے تھے۔ "آرائش حسن" ٹمرے بھئی میں ہوں ہی خوب صورت۔ "ٹوٹکے" سنبھال کر رکھ لیے ہیں، کبھی نا کبھی کام آ ہی جائیں گے۔ "حسن خیال" میں ایمن غفور کے علاوہ بہت سے نئے نام دیکھنے کو ملے بھئی پرانے سب کہاں ہیں۔ عائشہ شکیل تم ہی آ جاؤ گلشن تمہارے بغیر تو حسن خیال ویران لگتا ہے۔ کہاں غائب ہو بھئی میں بے چاری سب کی کمی محسوس کررہی ہوں تہذیب اسماعیل، پروین آپی، کوثر خالد آپی بھی غائب ہوگئی ہیں۔ کوئی ان کو ہی ڈھونڈ لائے بھئی ڈنگہ اور کمالیہ والے تو ناراض ہو کر رہ گئے ہیں۔ آ جاؤ نا، ظہیر ملک اور اللہ رکھا بھائی بھی اب تبصرہ نہیں لکھتے امید ہے آئندہ شمارے میں سب شامل ہوں گے۔ جو ہی جی اس بار تبصرہ کافی طویل ہوگیا ہے کیا کروں کہانیاں ہی اس بار شاندار تھیں کہ سب پر ہی تبصرہ کیا ہے۔ خط ضرور شامل کرلیں آپ سب کی دعاؤں کی طالب۔

☆ پیاری ثنا! تبصرہ اگر طویل ہوگیا ہے تو کچھ نہ کرو بلکہ اگلے خط کی تیاری کرو۔ تمہارے خلوص کا بہت شکریہ۔

مدیحہ سلطانہ...... نوشہرہ۔ اس بار حجاب پندرہ تاریخ کو ملا۔ ٹائٹل پر سرسری سی نظر ڈالی کیا کریں اب وہ عمر تو رہی نہیں کہ شوق سے ماڈل کو دیکھتے اور پھر آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس تصویر کے ساتھ اپنی مشابہت کرتے اور پھر اپنی تعریف کرتے یا جل کر کہتے سب میک اپ کا کمال ہے۔ وقت نے دکھائے انداز کیا کیا۔ اب سوچتی ہوں تو ہنسی آتی ہے ویسے لڑکیوں کے اس وقت یہ ہی شوق تھے اب تو موئے موبائل نے ہی نکما کردیا ہے۔ میں اب بھی ڈائجسٹ پڑھتی ہوں اور کہانیوں سے ہی سیکھتی ہوں۔ کہانیوں کا انتخاب اس بار ایک سے بڑھ کر ایک تھا تبصرے بھی سب کے ہی اچھے تھے۔ ایمن غفور نے جلدی تبصرہ بھیج کر بازی اپنے نام کرلی اور پہلے نمبر پر آئیں ثناء فرحان دوسرے نمبر پر میرے بیٹے کا نام فرحان ہے جبکہ بہن کا نام ثنا ہے فرحان ہی میرے ساتھ ہوتا ہے۔ باقی سب بچے ملک سے باہر ہیں۔ خیر یہ تو دل کی باتیں ہیں جو میں نے آپ سے کہیں آپ بھی کیا سوچیں گے کہ میں سٹھیا گئی ہوں۔ خیر کہانی کی طرف آتے ہیں۔ "سقوط ڈھاکہ" اچھی تحریر ہے جب یہ سانحہ ہوا اس وقت میں اسکول میں تھی۔ اس لیے تحریر پڑھتے وقت حالات و واقعات ذہن میں آ جاتے ہیں۔ "نئے موسم کی سحر" اچھی تحریر تھی الفاظ کا چناؤ اور انداز تحریر نے متاثر کیا اس لیے ایک ہی نشست میں پڑھی، محبت میں احسان نہیں ہوتا البتہ دوسرے لوگ میاں بیوی کے رشتے کو خراب ضرور کرتے ہیں اس لیے اپنی باتیں ہمیشہ ایسے لوگوں کو بتائیں جو آپ کو بہتر مشورہ دے سکیں۔ "محافظ" بالکل مرد کے ہونے سے ہی عورت کو تحفظ حاصل ہے۔ "مجھے تم سے محبت ہے" محبت تھی تو غانیہ کا شوہر کہیں اور نہیں جاسکا اچھی تحریر تھی۔ "مروت" اتنی مروت بھی اچھی نہیں ہوتی کہ دوسرا آپ کے سر چڑھ جائے اور جان چھڑانی مشکل ہوجائے۔ "تتلی تتلی لہراتے ہو" اپنی قسمت پر خوش رہو بس۔ "جواب" واقعی ہر بات میں جواب دینے سے بہتر ہے کہ اپنے عمل سے ایسا جواب دو کہ دوسرا بندہ لاجواب ہوجائے۔ "مہر النساء" سو سو تھی۔ "چبھن" محبت میں وفا نہ ہو تو واقعی چبھن بن جاتی ہے۔ "کیسے بھی ہیں مہرباں" حقیقت ہے مشکل میں ہی دوست کا پتا چلتا ہے۔ "بزم سخن" سب نے اچھا لکھا کیا کہیں بھئی کچی عمر میں لڑکیاں ایسی ہی شاعری کرتی ہی۔ "کچن کارنر" ہم خود اچھا پکا لیتے ہیں۔ "موج سخن" سیما غزل کی شاعری اچھی تھی۔ "شوخی تحریر" میں بھی سب نے اچھا لکھا ہے جو ہی دوسری بار خط لکھ رہی ہوں امید ہے شامل محفل ضرور کرو گی۔ اللہ تعالیٰ ادارے کو دن دگنی رات چوگنی ترقی دے آمین۔

☆ پیاری مدیحہ! حسن تو آنکھوں میں ہوتا ہے، اس کا تعلق عمر سے نہیں ہوتا یہ شعر پڑھ لو کہ

حسن کو حسن بنانے میں میرا ہاتھ بھی ہے
آپ مجھے نظر انداز نہیں کر سکتے

تبصرہ بے حد اچھا تھا۔ اگلے تبصرہ کا انتظار رہے گا۔

اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت کہ اللہ رب العزت ہم سب کی مشکلوں کو آسان کرے اور پاکستان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرے آمین۔